بعونہٖ تعالیٰ

سیرۃ الرسول

یعنی

حضور انور رسول خدا ہاشمی نبی فخر دو جہان محبوب خدا رحمۃ للعٰلمین
خاتم النبیین محمد عربی امی نبی کی سوانح عمری

مرتبہ

مرزا حیرت مترجم قرآن مجید و مالک و مدیر
اخبار کرزن گزٹ دہلی

بار ثالث

کرزن پریس دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرۃ الرسول

پہلی جلد

حضور انور محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری

تمہید

یکم شوال المکرم سنہ ۱۳۲۰ ہجری

آج عید کا دن ہے دنیا کے کل مسلمان خوشی منا رہے ہیں مگر معزز ناظرین کے لیے دوسری خوشی کا دن ہے ادہر تو عید اور ادھر سے انکی حقیقی نجات دہندہ ان کے آقائے نامدار اور انکے شہنشاہ کے واقعات زندگی شروع ہوتے ہیں اور یہ ایسے واقعات زندگی ہیں جنکا نظیر تمام دنیا میں نہیں ملتا۔

ان واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ایک زبردست پوشیدہ قوت ہے جو کام کر رہی ہے اور وہ تمام کائنات پر محیط ہے بغیر اس کی مدد کے ذرہ بھر کامیابی نہیں ہوسکتی اور وہ ذات وحدہٗ لاشریک جنیک انسان کی رگ شریان سے کہیں زیادہ اُس سے قریب ہے ہمارا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا کھانا۔ پینا۔ باتیں کرنا غرض کوئی بات اس عالم الغیب سے چھپی ہوئی نہیں ہے اس کی دانائی اور علم کا ہماری عقلیں احاطہ نہیں کرسکتیں اور اس کے رازوں کو ہماری جستجوئیں نہیں پا سکتیں جتنا اس نے ہمیں بتا دیا ہے۔ ہم اسیقدر جان سکتے ہیں باقی ہم خود کچھ نہیں کرسکتے۔ ہماری زبان کی طرح عقل بھی محدود ہے۔ جب کہ اس سٹھاس کی کیفیت کو اپنے الفاظ میں ظاہر کرنے سے عاجز ہیں۔ پھر ہم کیا خاک اس کی بزرگی۔ قدرت کے رازوں اور جلال کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

جو کچھ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنی آیات بینات کا اظہار فرمایا ہے وہ ہماری زبان میں اور ان ہی محدود الفاظ میں ہے جو ہماری زبان میں بولے جاتے ہیں اس لیے ہم اپنی فہم کے مطابق اسیقدر سمجھ سکتے ہیں جتنی ہماری زبان ہمیں راستہ دیتی ہے۔ اس سے زیادہ سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔

اس وقت خدا کے فضل سے آٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے افسوس ہے کہ اُنکے شہنشاہ اور سچے آقا کی سوانحمری ابھی تک ایسی نہیں لکھی گئی کہ انہیں ان کے روزمرہ کے کاموں میں مدد دے اور اُنہیں معلوم ہو کہ ہمارا نجات دہندہ کون تھا اس نے محض ہماری اصلاح کیلئے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں اور ۲۳ سال کی لگاتار کوشش کے بعد دنیا کو ادھر سے ادھر کیوں کر پلٹ دیا۔

اس کے مبارک بازوؤں میں کونسا زور پوشیدہ تھا اور کونسی عظیم الشان قوت اس کی کلائیوں میں دبی ہوئی تھی جس نے اس کرہ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور علی الاعلان یہ دعویٰ کیا

"اگر منکرین اسلام میرے داہنے ہاتھ پر کرۂ آفتاب رکھدیں اور بائیں ہاتھ"
"پر کرۂ ماہتاب اور مجھسے یہ کہیں کہ جو کچھ تو کر رہا ہے اس سے باز آ جا۔ میں ہرگز"
"نہیں ماننے کا جبتک جو کام کہ میں نے اُٹھایا ہے وہ پورا ہو جائے یا میں اسی"
"کام میں اپنی جان نہ دیدوں۔"

آخر اس صاحب شوکت و شان و جلال کملی پوش شہنشاہ میں کونسی قوت تھی جس سے اس نے دنیا کے کرہ کو ادھر کر لیا تھا اور پھر اس کی یہ بھی ہمت تھی کہ چاند اور سورج کے دونوں کرے اٹھانے کو تیار تھا تم نہیں سمجھ سکتے۔ معمولی معمولی باتوں میں جب عقل چکر میں آتی ہے تو اتنی بڑی بات سمجھنا کار دارد چنانچہ اور سنگلاخی بنجر بے آب و گیاہ سرزمین میں قریشوں کے ایک خاندان میں ایک بچہ کا پیدا ہونا پھر بہت جلد اس کا یتیم و یسیر ہو جانا اور چند روز کے بعد بالکل تنہا رہجانا اور اسی تنہائی میں اپنے سرکش اور جری جدال و قتال کرنیوالے ہموطنوں کے سامنے کھڑے ہو کر للکارنا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اچھا نہیں ہے تمہارے معبود جھوٹے ہیں نہ وہ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں نہ تمہاری باتوں کا جواب دے سکتے ہیں پھر بھلا تمہارے مشکلکشا کیسے انہیں توڑ کے پھینکدو کعبہ کی عزت کو

اشرف تبہ لگتا ہو تم خود اشرف المخلوقات ہو۔ ہائیں ان ہاتھ کے بنے ہوئے لکڑی اور پتھر کے دیوتاؤں کی پرستش سے تمہیں کیا فائدہ پہونچے گا تمہارا خالق تو وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمام آسمان و زمین کا مالک ہے تو اس سے کیوں انکار کرتے ہو تمہاری زندگی موت بہبودی اور بربادی سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہے گا کریگا۔

بس اپنی نادانی سے باز آؤ میرا کہنا مانو۔ دین دنیا تمہارے ہیں یہ سنتے ہی اس کے خلاف قوم کی قوم کا بگڑ اٹھنا اور تعجب سے دیکھنا کہ اس بچہ نے ہم ہی میں پرورش پائی ہم ہی میں بڑا ہوا اور ہم ہی میں اس نے بود و باش رکھی کسی نے کہا ہمارا بھتیجہ ہے کسی نے کہا ہمارا چچازاد پھوپی زاد بھائی ہے یا خالہ کا بیٹا ہے۔

نہ تو اس کے پاس دولت ہے نہ آدمیوں کی جمعیت یہ ہم پر حکومت کرنی چاہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو ہمارے سامنے فرضی اور لغو بتاتا ہے اور ہمارے آگے کا بچہ ہو کے ہم ہی سے کہتا ہے کہ ہماری اطاعت کرو۔

یہ خیال آتے ہی جوشیلے عربوں کا آپے سے باہر ہو جانا اور ایک تنہا بے یار و مددگار کی مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑا ہونا اور پھر اسی تنہا ذات کا نہ صرف اپنی قوم کو بلکہ قریب قریب تمام دنیا کی اقوام کو زیر کرنا ایسی تو کوئی عظیم قوت انہیں ودیعت ہوئی تھی جس نے تمام انبیا علیہم السلام سے زیادہ انہیں کامیابی کا تاج پہنایا اور یہ ایسی نمونہ قدرت انسان کا کام ہے کہ جوں جوں صدیاں گذرتی جاتی ہیں اس ذات اقدس و اطہر کی محبت مومنین کے دلوں میں بڑھتی جاتی ہے ایک آگ ہے کہ کروڑوں کے دلوں میں روشن ہے اور ایک زنجیر ہے کہ جس نے تمام دنیا کو اپنی لڑیوں میں جکڑ رکھا ہے۔

ایک حد تک اس عجیب حیرت انگیز قوت کی تشریح ہوگی اپنی عقل کی بساط کے مطابق کچھ چھپی چھپی چیزوں کا پتہ لگایا جائیگا۔ روح القدس کی مدد سے بہت سے واقعات ایسے صحیح کر کے دکھا دئے جائیں گے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔

غلط اور موضوع روایتوں کا کوڑا کرکٹ بیچ میں سے صاف کر دیا جائیگا اور مسلمانوں کو انکے اصلی شہنشاہ کے حالات ایسے صاف طریقہ سے سمجھائے جائیں گے کہ انکی خود بخود تسکین ہو جائے گی مخالف اور معترض بشرطیکہ انصاف سے نظر کریں گے پھر آئندہ کبھی حضور انور کے کسی واقعہ زندگی

سے خفیف سا بھی اختلاف نہیں کریں گے۔ ہاں ہاں روح القدس کی تائید اور خداوند تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرکے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں ہر واقعہ زندگی کو آنکھوں سے (سچا کرکے) دکھا دونگا اسکی قوت اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمائی ہے جسکے لئے میں سجدہ کرتا ہوں اور اسکی حمد پڑھتا ہوں حضور انور کے واقعات زندگی لکھنا جیسا مبارک کام ہے اسیقدر نازک اور مشکل ہے کیونکہ حضور انور کروڑ در کروڑ بندگان خدا کے پیشوا ہیں اور اس وقت چوتھائی دنیا کی نجات کا باعث آپ کی ذات پاک کو سمجھا گیا ہے اسکی اہمیت ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کہ حضور انور کی سوانح عمری لکھنے بیٹھ جائے۔

تیرہ سو برس گذشتہ کے حالات ہو گئے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے صرف کتابوں میں دیکھے ہیں ایک شخص جو ان کتابوں پر ایمان نہیں رکھتا اسکو واقعات کے تسلیم کرنے میں تامل ہے وہ مشاہدہ کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے جن اصول پر تاریخ کا دار و مدار ہے وہ سب ظنی اور بودے ہیں جنکی کوئی وقعت نہیں اسلئے میں قطعی یقین اور مشاہدہ کو چھوڑ کے ظن کی طرف نہیں جانا چاہتا ایسی طبائع کے اشخاص کو منوانا اور مشاہدہ کرادیا جائیگا کہ حضور انور موجود ہیں اور یہ واقعات جو ہم لکھ رہے ہیں تو آپ سے خود دریافت کرلے۔

طرز استدلال و ادب میں بڑا تغیر واقع ہو چکا ہے جو طرز تحریر ایک یا دو صدی پہلے مقبول تھی وہ اب نفرت سے دیکھی جاتی ہے واقعات کی ترتیب اور مضامین کا سلسلہ جیسا گذشتہ زمانے میں پسند تھا اب اس مذاق کی بالکل کساد بازاری ہو گئی ہے وہ مافوق الفطرت باتیں جنکا ثبوت نہ نص سے ہو اور نہ صحیح احادیث سے بہت شوق کیساتھ بیان کیجاتی اور تحریر میں آتی تھیں اور سامعین یا ناظرین بغیر کسی چون و چرا کے انہیں قبول کر لیتے تھے اور مقرر و مصنف صاحب کی واہ واہ ہو جاتی تھی مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا موجودہ تعلیم نے یہ سکھایا ہے کہ ہر ایسا دعوے لغو یا کم از کم بودا ہے جس کیلئے دلیل کی ضرورت ہو اور ہر ایسی بات جو قانون قدرت کے خلاف ہو تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے اور ظنی واقعات جو رسوخ سے بیان کئے جاتے ہیں لغو اور مہمل ہیں مشاہدہ کی ضرورت ہے اور ظن مشاہدہ پر کبھی غالب نہیں آسکتا ہر ایک بات جو بیان کیجاتی ہے اس کے دیکھنے کی آرزو سننے والا خود کر بیٹھتا ہے طبائع مذبذب اور شکی ہو گئی ہیں سائنس نے اپنے جدید معبود بنا لئے ہیں اور موجودہ مذاق انہی معبودوں کی طرف کھینچے لئے چلا جاتا ہے اور موجودہ نسلیں اسپر زیادہ جھکی ہوئی ہیں بعض افراد نے انکو معبود برحق تسلیم کر لیا بعض مذبذب ہیں اور بعض امروز و فردا میں پھنس رہی ہیں ان جدید معبودوں کی

جمعیت روز بروز بڑہتی جاتی ہے اور قدیم معبودوں یعنی مافوق الفطرت خیالات کے دیوتاؤں کی پرستش کا جوش و سرد ہوتا جاتا ہے۔

اسوقت کرۂ باد میں آزادی بھری ہوئی ہے زندگی کے میدان میں ہر شخص خود مختار بناکے چھوڑ دیا گیا ہے اور اسے بالکل اختیار ہے خواہ جو کچھ عقائد اپنے رکھے سوائے مسیحی مذہب کے اور کسی مذہب کی ہندوستان میں اسوقت حکومت کیطرف سے سرپرستی اور نگرانی نہیں ہوتی اگرچہ یہ سرپرستی اور نگرانی بہت ہی خفیف ہے تو بھی ایک حد تک اس مذہب کو مدد ملتی ہے۔

اب رہا اسلام اور ہندوستان کے قدیم مذاہب یہ بالکل آزاد چھوڑ دئے گئے اور موجودہ حکومت نے ان مذاہب سے کچھ سروکار نہیں رکھا نہ عیسائیت کی اتنی دیکھ بھال کیجاتی ہے سب دست و گریبان ہو رہے ہیں اور ہر مذہب مخلوق خدا کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے لڑائی صرف دو کی ہی عیسائیت اور اسلام کی ہندوستان کے قدیم مذاہب نے کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ مدید سے اپنے روز پیدائش سے دوسروں کیلئے دروازے بند کر رکھے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان قدیم مذاہب میں روح نہیں ہے جو مطلق ترقی نہیں کر سکتے اور نہ اپنا گرویدہ کسیکو بنا سکتے ہیں قدیم مذہب کے دیوتاؤں نے علی الاعلان کہدیا ہے کہ ہماری پرستش کرنے والے جو اسوقت موجود ہیں وہی کافی ہیں ہم زیادہ تعداد بڑھانا نہیں چاہتے ان دیوتاؤں کے معتقد اچھے ہوں یا برے بیچارے ان کو ان ہی پر قناعت ہے اور یہ اپنی خوشوضعی کو نباہے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسلام اور عیسائیت کی ابھی پیاس نہیں بجھی ہے۔ اور وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ کہ دوسروں کو اپنا گرویدہ بنائیں۔

ایسی رستخیز حالت میں خیالات کی ایسی جدت اور اُتار چڑھاؤ میں علوم جدیدہ کے خوشنما دیوتاؤں کے دائرہ میں طبائع کے ایسے تذبذب میں ظنی علوم کی ایسی بے مذاقی میں بانی اسلام کے واقعات زندگی سے بحث کرنا اور تیرہ صدی کے واقعات کو آنکھوں سے دکھانا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسقدر مشکل ہے اگر غور اور بے تعصبی سے نظر کیجائیگی تو معلوم ہوگا کہ اسوقت کی آب ہوا طرز و رسم تمدن معاشرت اخلاق اور مذہبی مذاق میں ایک عظیم تبدیلی واقع ہو گئی ہے کوئی زمانہ تھا کہ فضیلت اور انسانی بزرگی کا دارومدار محض خشہ زوری پر تھا پھر جسمانی طاقت فنون حرب کے آگے حقیر بھی

جانے لگی پھر فنونِ حرب کی بھی کساد بازاری ہو گئی اور علم کے سر پر فضیلت کا عمامہ باندھا گیا مدت تک علم نے اپنا سکہ چلایا آخر کار بزرگی کا سہرا دولت کے سر رہا اب لیاقت علمی کو پوچھا جاتا ہے اور نہ ہنر کو نہ حسب نسب کو صرف دولت کو دریافت کیا جاتا ہے اور ایسے شخص کو آنکھیں بند کر کر بزرگ تسلیم کر لیا جاتا ہے جو دولتمند ہو وہ قوم سرتاج گنی جاتی ہے جو زیادہ دولتمند ہو مفلس کو خواہ کیسا ہی شریف اور ہنرمند ہے عزت کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا ایک مشرقی شاعر نے اس اصول بزرگی کو اچھی طرح سمجھکر اور زمانہ کی آب ہوا کا پورا علم حاصل کر کے کیا خوب کہا ہے۔

خرس باش و خوک باش یا سگ مردار باش   ہر چہ خواہی باش لیکن اندکے زردار باش

اب مانئے تو دولت کو کل بزرگیاں سونپ دیں پھر ایسے افراد اور اقوام کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے جو دولتمندی کے لحاظ سے بالکل گری ہوئی ہو جسکی موجودہ سلطنتیں بھی مفلس ہوں جسکا ہر فرد کنگال اور نان شبینہ کو محتاج ہو دولت نے جس سے منہ پھیر لیا ہو اور جس قوم میں مفلسی کے کل عیوب موجود ہوں جس کے اخلاق انحطاط پر ہوں وہ مذہب کو کیونکر ترقی دے سکتی ہے جو روز ازل میں انکی تقدیر میں لکھا جا چکا ہو اور جسکو بغیر اس مذہب کے چارہ نہو یہ واقعی ایک حیرت انگیز امر ہے کہ باوجود مسلمانوں کے ضعیف ہونیکے مذہب اسلام ترقی کرتا جاتا ہے اور اسوقت ایک ایسے مذہب سے مقابلہ کر رہا ہے جو دولتمند بھی ہے اور صاحب حکومت بھی ہے۔

ہمیں ان رازوں کا پتہ لگانا ہے اور اس کی گہرائی تک پہونچنے کے لئے بہت کچھ سامان کرنا ہے ہمیں دکھانا ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت بسا غنیمت ہے اس سے پہلے اسلام سخت سخت آزمائشوں سے آزمایا جا چکا ہے مسلمانوں پر دنیا کے تمام ممکن الوقوع مصائب توڑے جا چکے ہیں بڑی بڑی مزاحمتوں کے بعد اسلام اپنا راستہ عام شاہراہوں میں کر چکا ہے اور اب اسکو اتنی مشکلات نہیں ہیں جتنی گذشتہ زمانے میں اٹھانی پڑی تھیں۔

وہی کتاب بلا تغیر و تبدیل ہمارے پاس موجود ہے جو حضور انور کے پاس آسمان سے نازل ہوئی تھی وہی احادیث اسوقت بھی ہم رکھتے ہیں جو ایک زمانہ میں کروڑوں مسلمانوں کا دستور العمل رہ چکی ہیں انہیں کتابوں کے ہم مالک ہیں جنہوں نے ایک زمانہ تک یورپ کو علم سکھایا ہے سرمایہ اگرچہ پرانا ہے لیکن قیمتی زیادہ ہے اور ایسا قیمتی ہے جسکی ابھی تک تلاش چلی جاتی ہے۔ وہی مذہب ہے

جو مسیح ابن مریم کے چار سو سال بعد دنیا میں جلوہ افروز ہوا تھا وہی عقائد ہیں جنکا انطباق ہزارہا سال پہلے کے ابراہیمی مذہب سے ہوتا ہے ان قدیم عقائد پر قائم رہنا فی الحقیقت ایک راز ہو جسکے پتہ لگانے کی ہمیں حضور انور کی اس سوانحعمری میں کوشش کرنی پڑیگی اور یہ دکھایا جائیگا کہ کس چیز نے اسمیں ابھی تک اتنی صدیاں بلکہ ہزارہا سال گذرنے کے بعد بھی جان ڈال رکھی ہے اور کیا وجہ ہو کہ تمام علوم جدیدہ کے معبو اور انکی چمک دمک اس پرانی روشنی کو خیرہ نہیں کر سکتی۔

میں نے ایک مشکل کام کا بیڑا اٹھایا ہے اللہ میری اسی میں مدد کریگا۔ اس سے پہلے اپنے بہت ہی ابتدائی زمانہ میں سیرۃ محمدیہ تالیف کی اگرچہ وہ امید سے زیادہ مقبول ہوئی لیکن بہت سی باتوں کی اسمیں کمی ہو اول تو طرز تحریر یعنی اردو کے علم ادب میں بہت بڑا فرق ہوگیا ہو اسکی عبارت میں لفاظی شوکت سے زیادہ کام لیا گیا ہے اور طرز استدلال وہی قدیم طرز کا ہے مگر میری موجودہ اردو زبان ان سب عیبوں سے پاک ہو اس میں نہ صفت موصوف کا زیادہ خرچ ہو نہ بیہودہ اضافتوں اور نہ استعارات کا اور نہ جملوں کی خبر جو صفحہ دو صفحہ کے بعد نکلتی ہو ایک جملہ لکھا وہیں ساتھ خبر موجود ہو اور اس کے ساتھ ہی نتیجہ نکالدیا طرز استدلال پرانی طرز کا نہیں ہو کیونکہ وہ عام فہم نہیں ہو سکتا بلکہ علماء اس سے لطف اٹھا سکتے ہیں اس لئے میں نے طرز جدید کا طرز استدلال اختیار کیا ہو یعنی وہیں دعوی وہیں دلیل اور دو چار الفاظ کے بعد نتیجہ امید ہو کہ یہ طرز خاص طور پر بھی زیادہ دلچسپ ثابت ہوگی۔

چونکہ عربی زبان کا علم ہم میں مفقود ہوتا جاتا ہے اور عربی ادب کو ہم نے بالکل بھلا دیا ہو اس لئے ہماری اردو کی تحریریں بھی بہت کمزور ہوتی ہیں ہم میں کے بڑے بڑے مصنف دعوی اور دلیل ہی میں فرق نہیں کر سکتے اور اگر کسی نے فرق کیا تو وہ آگا اخذ نتائج میں سر کے بل گر پڑا ہو اور پھر اسے سنبھلنے کا ہوش نہیں رہتا آپ ہندوستان کے مشہور سے مشہور مصنف کی کتاب یا کوئی مضمون اٹھا کے دیکھئے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ مصنف جبکہ تمہید و اثبات دعوی۔ دلیل۔ نتیجہ اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں کرتا اس کی ایسی شہرت کیسے ہوگئی اس کا جواب اس کے سوا کیا دیا جاسکتا کہ ،، اندھوں میں کانے راجا،، میں کسی خاص مصنف کی نسبت نہیں کہتا آپ جس بڑے سے بڑے مصنف کی کتابوں کو چاہیں اٹھا کر دیکھ لیں سب میں یہی بین نقص پایا جائیگا بہر حال جو کچھ کہ چکا ہوں اس کا ذکر

جانے دیجئے اس کوشش میں اگر میں کامیاب ہوگیا تو میں اپنے کو بڑا خوش نصیب سمجھوں گا۔

ہندوستان میں لاکھ دو لاکھ یا کروڑ دو کروڑ نہیں بلکہ آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں اور ان مسلمانوں میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں عالم بھی ضرور ہیں اور وہ مصنف بھی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک حضور پرنور کے جو ان سب مسلمانوں کے ہادی برحق ہیں کوئی کامل سوانح عمری نہیں لکھی گئی بلکہ مختصر طور پر شافع روز محشر کے اکثر حالات مختلف کتابوں میں شایع ہوئے ہیں مگر ایسے حالات سے اس عظیم الشان پیغمبر کے واقعات زندگی کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔

مولودوں کی کتابوں میں سوائے خال و خط کی بحث کے اور کچھ نہیں درج کیا جاتا اور جو اشعار کسی خوبصورت عورت کی تعریف میں زیادہ موزوں ہوتے ان سے حضور انور کے واقعات زندگی حل کرنے کی کوشش کیجاتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا مذاق کیسا ادنے درجہ کا ہے اور حضور انور کی اصلی وقعت اور محبت کا ان کے دلوں میں نام و نشان تک نہیں رہا کہ وہ ایسے اشعار کو جو درحقیقت توہین ہیں حضور انور کی اعلیٰ عظمت خیال کرتے ہیں۔ افسوس۔

جو کتابیں حضور انور کے حالات زندگی میں یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں ان پر ایک عام نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا بالکل ناکافی ہے اور ابھی مزید بہت کچھ کی گنجایش ہے انگریزی زبان میں گو متعدد کتابیں حضور انور کے واقعات زندگی میں لکھی گئی ہیں مگر سب سے زیادہ بسیط کتاب جو چار جلدوں میں ہے سر ولیم میور صاحب نے لائف آف محمدؐ کے نام سے لکھی اس کتاب میں مؤلف نے اپنی پوری قابلیت اور ذہانت سے کام لیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ علامہ مصنف نے اس کمی کو پورا کر دیا جو انگریزی علم ادب میں بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مؤلف نے روایتوں اور روایات کے انتخاب میں معیار سے مطلق کام نہیں لیا ہے جو علماء اسلام کئی صدی پہلے سے قایم کر چکے ہیں اور ابھی تک اسلامی دنیا میں وہی معیار مقبول اور معتبر گنا جاتا ہے حالانکہ سر ولیم میور کو بحیثیت غیر مسلم ہونے کے یہ حق نہیں تھا کہ وہ اس معیار کی پابندی نہ کرتے جو مسلمانوں نے قائم کیا تھا انہوں نے کسی سنت وغیرہ کی سوانحعمری نہیں لکھی ہے کہ انہیں اصول اسلام سے کچھ سروکار نہ رہتا۔

اسیطرح اگر ہم حضرت مسیح کی سوانحعمری لکھیں تو ایک حد تک عیسائیوں کے اصول مسلمہ کا تتبع

اسم پر لازم آئے گا۔ انھوں نے اپنے مقدمہ لائف میں ایک عام رائے اسلامی تواریخوں اور احادیث کی بیروی ہے اوظاہر کیا ہے کہ صحیح بخاری کی کوئی حدیث قابل تسلیم نہیں ہے وہ سب سے زیادہ ابن اسحٰق کی تاریخ کو معتبر بتاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ تاریخ انہیں نہیں ملی پھر ابن ہشام کی تعریف کی ہے اور اسکو تمام اسلامی دنیا کے مقابلہ میں زیادہ معتبر تسلیم کرتے ہیں مگر فاضل علامہ نے معتبر تسلیم کرنے کی وجوہات مطلق نہیں بیان کئے ابوالفدا وغیرہ کا ذکر ہی نہیں کرتے حالانکہ انکے لائف میں اکثر مقامات میں ابوالفدا سے بہت کچھ اخذ و اقتباسات کئے گئے ہیں سر ولیم میور کا بہت بڑا مقصد صحیح احادیث کو غلط ثابت کرنیکا ہے مگر خوشی کی بات ہے کہ فاضل مورخ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں سر ولیم میور کے اعتراض کا جواب دیا ہے مگر وہ جوابات ایسے پیرایہ میں لکھے گئے ہیں کہ بہت سی نکتہ چینیاں قبول کرلی گئی ہیں کیونکہ مرحوم سید کیا تو سر ولیم کی دیکھا دیکھی یا پہلے ہی سے احادیث کو نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے بہت سی باتیں تسلیم کریں جس سے کہ مسلمانوں کو افسوس ہوا۔

چونکہ احادیث کے ماننے سے بہت سی مذہبی پابندیاں کرنی پڑتی ہیں بعض مسلمانوں نے نہ صرف مرحوم سر سید بلکہ سر ولیم کا بڑے جوش سے خیر مقدم کیا اور خوش ہونے لگے کہ بہت سی مذہبی قیود سے انکو آزادی مل گئی۔

احادیث نہ ماننے کی زہریلی ہوا ابھی تک چل رہی ہے اور روز بروز نئے نئے گروہ پیدا ہو رہے ہیں اور انہوں نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے اور جو اپنے کو اہل قرآن نہیں کہتے وہ بھی احادیث پر سر ہلا رہے ہیں اور انہیں کوئی چارہ نہیں ورنہ صاف کہدیتے کہ ہم بھی گروہ اہل قرآن کے ہم خیال ہیں اہل قرآن کا جملہ محض گھڑا ہوا ہے اہل قرآن کوئی خاص گروہ نہیں ہوسکتا بلکہ کل اہل قرآن ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

احادیث کیطرف سے سوء ظنی رکھنا نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ نفس اسلام کو بہت سخت نقصان پہنچا رہا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ لوگ مسلمان ہو کے کیوں اقوال رسول مقبول سے منہ پھیرے دیتے ہیں سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ لوگ جو تعلیم یافتہ ہیں جب کبھی کسی اپنے گروہ والے کی تحریر دیکھتے ہیں تو بے چون و چرا تسلیم نہیں کرتے اور جہاں انہوں نے مسٹر یا جان ولیم کی تقریر دیکھی بس اوندھے منہ

گر پڑے اور ایمان لے آئے۔ بعض تو یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اگر انگریزی حروف میں کوئی تحریر نہیں ہوتی تو اسکا دیکھنا بھی فضول خیال کرتے ہیں۔

یہ جنون روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور اس مذاق کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں جو اپنے باپ دادا کی عظیم کوششوں کو مٹاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ دینی علوم بالکل اٹھ جائیں اور پھر نماز روزہ کا چرچا جو اب کسقدر پایا جاتا ہے لوگوں کے ذہن سے فراموش ہو جائے۔

خدا سرسید مرحوم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور انکی خطاؤں کو بخشے وہ آزادی اور ناپاک آزادی کا ایسا بیج بو گئے ہیں جو اسلام کیلئے زہر ہلاہل ہے اور مسلمانوں کیلئے سم قاتل ہے تھوڑی دیر کیلئے اگر فرض کر لیا جائے کہ مرحوم سرسید کے متبعین جنہیں عام طور پر نیچری کہا جاتا ہے ہندوستان کی کل آبادی ہو جائے یا کل مسلمان وہ اہل قرآن بن جائیں جنہوں نے حدیثوں کو پس پشت ڈالدیا تو کیا اتنے بڑے ملک میں کسی مسجد سے بھی اذان کی آواز بلند ہو سکتی ہے۔ کیا قرآن کی جلدیں کہیں ڈھونڈے سے بھی مل سکتی ہیں؟ کوئی شخص بھی ایسا نکلے گا جو سجدہ کرتا ہوا ملے اور کوئی بھی یہ جان سکے گا کہ رمضان شریف کب آیا اور کب ختم ہو گیا؟

فرقہ نیچریہ ہو یا بگڑے ہوئے معنے میں گروہ اہل قرآن ہو اسلام اور مسلمانوں کے لئے دونوں مضر ہیں اور یہ بات آگے چلکے ماننی پڑیگی کہ ان لوگوں نے جتنا نقصان قوم کو پہنچایا ہے اور کسی غیر مسلم جماعت نے نہیں پہنچایا؟

محض اسوجہ سے کہ اسوقت اس کا چرچا بہت ہو رہا ہے کہ نیچری اور اہل قرآن بہت اودھم مچا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بہت پریشان کر دیا ہے اور اس وجہ سے کہ میری اس کتاب کا ماخذ زیادہ تر قرآن مجید اور احادیث ہونگی ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم یا بالفاظ دیگر نفس احادیث کی نسبت ذرا وضاحت سے بحث کرنا چاہتا ہوں اس بحث میں کل اصول حدیث بھی بیاں ہونگے اور نفس واقعات پر بھی پوری بحث کیجائے گی اور اگر ممکن ہوا تو حدیثوں کے جانچنے کا موجودہ زمانہ کے مذاق کے مطابق ایک معیار بھی بنا دیا جائے گا تاکہ اچھی طرح سے ہر واقعہ کو جانچ لیا جائے۔

یہ بحث کوئی معمولی بحث نہیں ہے بلکہ اسپر مسلمانوں اور اسلام کی قسمت بلکہ زندگی کا دار و مدار ہے پورے طور پر سمجھایا جائے گا کہ قرآن کے سمجھنے یا اس پر ایمان لانیکے یہ معنے ہیں کہ احادیث کو مانا جائے

اور اقوال نبی معصوم دبرحق کی توہین نہ کی جائے اگرچہ حدیثوں کے نہ ماننے سے مسلمان کافر تو
نہیں ہوسکتا مگر یہ بات ضروری ہے کہ حضور انور سے سرکش ضرور ہو جائیگا اور حضور انور کبھی خوش نہ ہونگے
اور میرے خیال میں اس سے زیادہ اور کسی کی اہانت نہیں ہوسکتی کہ اس کے اقوال کو نہ مانا جائے
بلکہ انسان کا مضحکہ اڑایا جائے۔

ہماری قوم کی اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہم شوق اور ذوق سے ناول
اور فسانے پڑھتے ہیں اور متعصب آدمیوں کی کتابیں دیکھتے ہیں مگر حدیثوں کی کتابوں سے
منہ بنا لیتے ہیں۔ ان کتابوں کو اپنے پاس رکھنا بھی تہذیب کے خلاف جانتے ہیں۔

یاد رکھئے کہ ہماری تہذیب و تمدن کا اگر اول سرچشمہ قرآن ہے تو دوسرے درجہ میں احادیث
ہیں اور یقیناً ہم ایسے شخص کو سخت بے ادب اور سرکش خیال کریں گے جسکے آگے بیان کیا جائیگا
کہ یہ قول رسول ہے اور وہ کہدے کہ ہم نہیں مانتے۔

میں چاہتا ہوں کہ احادیث کے متعلق پہلے بالتفصیل بحث کرلوں اس کے بعد حضور
انور کے واقعات زندگی شروع کروں خداوند تعالیٰ میری مدد کرے اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔ آمین ثم آمین

مقدمہ

احادیث رسول مقبول کے اقسام

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا ہے اس
کی دو قسمیں ہیں اول وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ پیغمبر جو
تمہیں بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اس سے باز آؤ۔ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا
اس آیت ربانی سے اتنا پتہ تو ضرور چلیگا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی رسول مقبول کی ہدایتیں ہونگی جن
پر عمل کرنا ہمیں لازم اور واجب ہے۔

اب تمام تہنا اہل قرآن کی اس خیال کی کہ احادیث کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور سب
کچھ قرآن مجید میں موجود ہے تکذیب ہو گئی۔

خاص احکام ضرور ایسے تھے جنکی نسبت لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم رسول کا کہا مانو اور بہرا ور مقامات پر جو صاف طور پر خداوند تعالیٰ نے اپنی طاعت کے ساتھ رسول مقبول کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ قرآن پر ایمان لاؤ۔ اور حدیثوں کو مانو خداوند تعالیٰ کی اطاعت سے غرض کیا ہے محض یہی کہ اُس کے احکام کو مانا جاوے اور اس کے احکام کامل طور پر اگر ملسکتے ہیں تو قرآن مجید میں قرآن مجید کے احکام یا فرامین پر عملدرآمد کرنا خدا کی اطاعت ہے اور صحیح احادیث کو ماننا اور انپر عملدرآمد کرنا اطاعت رسول ہے۔ ہماری استدلال سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کرنے کا۔

اس بات کا تو فیصلہ ہو گیا کہ احادیث ماننی چاہئیں اور صحیح احادیث قابل عمل بھی ہیں صرف اس بات کی تحقیق رہ گئی کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ باتیں صحیح بھی ہیں۔

وہ امور جنمیں معاد اور عالم ملکوت کا حال بے واسطے وحی کے ہوتے ہیں ان میں حضور انور کے اجتہاد کو کچھ دخل نہیں ان ہی امور میں ایک حصہ احکام شرعی عبادات اور منافع کا ہے ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعے سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حضور انور کے اجتہاد سے لیکن علمائے امت نے حضور کے اجتہاد کو وحی کے درجہ میں رکھا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ نبی کا اجتہاد کسی فقیہ کا اجتہاد نہیں ہے جسمیں خطا کا احتمال ہو سکے۔

اسرار شریعت کی توضیح میں حضور انور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے بے انتہا ادب سے قبول کرنیکے قابل ہے اور جو شخص قبول کرنے سے چون و چرا کرے اس سے زیادہ بے ادب اور کون ہو سکتا ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور انور کسی امر منصوص سے حکم منضبط کر کے اجتہاد نہیں فرمایا کرتے تھے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد اور وہ قانون تعلیم کئے تھے جنسے حکم شرعی یا آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو انسے مستحکم فرماتے تھے انہی قوانین سے آپ ان مقاصد کی توضیح فرما دیا کرتے جو بذریعہ وحی آپکو حاصل ہوتے رہتے تھے۔

تبلیغ رسالت کے ان ہی امور سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں انکا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا نہ انکی حدیں بیان کی گئیں جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے اس طرح کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو تدابیر کے قوانین تعلیم کئے ان ہی سے آپ نے کسی حکمت کو اخذ فرما کے اس سے کوئی کلیہ بنا لیا اور ان ہی امور میں سے ایک حصہ اعمال کی خوبیاں

اوران اعمال کے کار بند ہونیوالے کے مناقب اور اوصاف کا بیان ہے انہیں سے بعض امور بوحی الٰہی معلوم ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہیں۔ ہم اس حصہ کی تشریح اور انکے مقاصد کا بیان کریں گے۔

(۲) قسم ان امور کی وہ ہے جنکو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کی نسبت حضور انور کا ارشاد ہے میں ایک انسان ہوں جب میں تمسے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو۔ اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر۔

حضور انور کا یہ قول اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے اور احکام بھی حضور انور نے ارشاد فرمائے تھے کیونکہ یہاں قرآن مجید کی طرف اشارہ نہیں ہے قرآن مجید پر ایمان لانیکے متعلق اسی پاک کتاب میں بوضاحت احکام موجود ہیں۔ اگر ہم غور کرکے دیکھیں گے تو احادیث سے کسی طرح پہلو نہیں بچا سکتے۔

اس میں کلام نہیں کہ قرآن مجید میں کل احکام موجود ہیں اور مسلمانوں کیلئے محض قرآن مجید پر ایمان لانا بس کرتا ہے۔ مگر شریعت کے احکام اور کلام خدا کی آیتوں کے اسرار کا پتہ بغیر احادیث یا اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیونکر لگ سکتا ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ابہام نہیں استعارے نہیں معمہ نہیں ہے ایک صاف اور روشن کتاب ہدایت کی ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے پھر ضرورت کیا ہے کہ اس کی آیتوں کی توضیح کرنے کیلئے احادیث کو مانا جائے یہ خیال میں سخت غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن مجید کی آیتوں کا مطلب تو سب سمجھ سکتے ہیں لیکن اس مطلب سے استخراج نتائج کرنا یہ آسان کام نہیں ہے اسمیں اعلیٰ درجہ کی عربی دانی کی ضرورت ہے اور ان کتابوں کے دیکھنے کی ضرورت ہے جو قرآن مجید پر ابھی تک لکھی جا چکی ہیں ایک جاہل اور عربی علم ادب اور صرف و نحو سے بے بہرہ کیونکر اہل قرآن بن سکتا ہے آیتوں کی تفسیر اور انکے مطالب کی توضیح میں بڑے بڑے علماء نے ٹھوکریں کھائی ہیں اکثر آیات میں خالص ربانی اسرار و غوامض مضمر ہیں جنہیں معمولی عقول نہیں سمجھ سکتیں

احادیث کا واجب الاحترام دفتر قلم انداز کرنے کے ہرگز قابل نہیں ہے یہ وہ دفتر ہے جسکے جمع اور ترتیب کرنے میں ہمارے پیشواؤں نے عمریں صرف کر دی ہیں اور خداوند تعالیٰ نے اس دفتر کی یہ توقیر قائم کی کہ کروڑوں مسلمانوں کا دستور العمل بنا دیا آج کی صدی بلکہ آغاز اسلام سے کروڑوں مسلمان

احادیث رسول مقبول کو مانتے چلے آئے ہیں اور مسلمانوں کے کسی فریق نے سا ذخیرہ تنہی سے کام نہیں لیا جو آج کل بعض کام لے رہے ہیں۔

حضور انور نے صاف طور پر ارشاد کیا ہے کہ انما ظننت ظناً فلا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ بشئ فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ یعنے میں نے صرف گمان کیا تھا اور تخمینی بات کا مجھسے مواخذہ نکرو ہاں اگر میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اسکو اختیار کرو اسلئے کہ میں خدا پر جھوٹ نہیں بولتا ہوں، حضور نے خرمے کے معاملہ میں یہ ارشاد کیا تھا، فی الواقع اس قسم کی زراعت وغیرہ کے امور کو دین اور اصول سے کوئی تعلق نہیں ہے،، اسی کا اشارہ یہاں موجود ہے۔ مگر حضور انور کا یہ فرمانا جو کچھ میں خدا کیطرف سے کہوں یعنی دین کی بات کہوں اس کو ضرور مانو کیونکہ میں خدا پر طوفان نہیں اُٹھاتا۔ قابل غور ہے احادیث میں بہت سی اس قسم کی حدیثیں ہیں کہ انپر عمل کرنا نکرنا کچھ لازمی نہیں مثلاً وہ احادیث جو علم طب اور روزمرہ کی معاشرت کے متعلق ہیں مثلاً حضور انور نے ارشاد کیا کہ گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی پر ہلکی سی سفیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو اب اس صفت کا گھوڑا رکھنا نہ واجب ہے نہ سنت ہے پھر حدیث ام ذرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔

اسی قسم کے امور اکثر آپ محض عادتاً یا اتفاقیہ بلا قصد کرتے تھے لیکن مستقل طور پر انہیں عمل میں نہ لاتے تھے اور ان ہی میں وہ امور ہیں جنکو بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے یعنی اکثر ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں آپ بھی فرمانے لگے اسی کے متعلق زید بن ثابت نے فرمایا ہے چند لوگ انکے پاس آئے اور کہنے لگے کچھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسے بیان کیجئے حضرت زید نے کہا میں حضور انور کی ہمسائگی میں رہتا تھا جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضور انور مجھے بلا لیتے تھے میں اس وحی کو لکھدیا کرتا تھا آپکی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرنے لگتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ وہی ذکر کرنے لگتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کا تمہارے سامنے تذکرہ کروں۔

ایسے ہی بعض امور وہ ہیں جنمیں حضور انور کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی لیکن وہ تمام امت کیلئے حتمی نہ تھے انکی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی بادشاہ فوجوں کی ترتیب کے قاعدے ایجاد کرتا ہے یا اپنی

سلطنت کی کوئی علامت قرار دیتا ہے اسی لئے حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ ہمکو رمل (طواف میں تاننا) سے کیا علاقہ ہم جنکو یہ حالت دکھایا کرتے تھے انہیں خداوند تعالیٰ نے ہلاک کر دیا ہے اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رمل کا کوئی اور سبب نہو۔

اسی حصے میں آپکے احکام اور فیصلے ہیں دلائل اور قسموں سے جیسا ثابت ہوتا تھا دیا ہی حکم فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ حضور انور نے حضرت علیؑ سے فرمایا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا انکو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقعہ پر موجود ہو۔ الشاہد یری مالا یراہ الغائب۔

نفس احادیث کے متعلق دو امر غور طلب ہیں اول یہ کہ آیا یہ اقوال حضور انور ہی کے ہیں یا نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر یہ سوال پیش ہو گا کہ ان اقوال کا تعلق نفس اصول اسلام سے کیا ہے جہاں تک خیال ہے وہ چند آدمی جو اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں شاید یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اسکا کیا ثبوت ہے کہ یہ اقوال رسول اکرم ہی کے ہیں اور اس میں راویوں کی کچھ تراش خراش نہیں ہے کیونکہ ایک زمانہ میں جبکہ فی حدیث ایک اشرفی کا انتہار سلطنت کیطرف سے دیا گیا تھا کتنی حدیثیں موضوع ہو گئی ہونگی اور ان میں سے کتنی حدیثیں موجودہ کتب احادیث میں درج ہو نگی۔ شیعی اور خارجی اور سنی جتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں اس میں سے کسکو جھوٹا اور کسکو سچا تسلیم کریں اور کیونکر مانیں کہ ان ہزار ہا احادیث میں خالص طور پر حضور انور کے اقوال کتنے ہیں ان مختلف گروہوں نے حدیثوں کے جانچنے کا معیار کیا مقرر کیا ہے۔ یہ سوالات ہیں جو حدیثوں کے نہ ماننے والوں یا ایک محقق کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں

ان سوالات کے علاوہ جتنے اعتراضات سر ولیم میور نے احادیث نبویہ پر کئے ہیں اُن سے زیادہ سخت اعتراض نہ سر سید مرحوم کے ماننے والے کر سکتے ہیں نہ وہ گروہ جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان اعتراضوں کو نقل کر دیں اور پھر جواب دیں کیونکہ اگر ہم محض جواب پر اکتفا کرتے ہیں تو فیصلہ کرنے والے اور سننے والیکو لطف نہیں آسکتا۔

یہ بحث سب سے زیادہ دلچسپ ہے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ سوائے چند آدمیوں کے مسلمانوں کے ہر گروہ کا دار و مدار احادیث پر رہا ہے اور یہی حدیثیں ہیں جو کہ گروہ مسلمانوں کا صدیوں سے دستور العمل چلی آتی ہیں اور انہی احادیث پر انکی عبادات معاملات تمدن اور اخلاق کا دار و مدار ہے اور ان کا مستحکم عقیدہ ہے کہ قرآن مجید قول خدا ہے اور احادیث رسول مقبول

یاد رکھا ہوگا اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ہی سنکر یاد رکھتے تھے اور اسطرح بعد ازاں وہ اس قابل ہوئے کہ معمولی صحت سے وہ باتیں لوگوں کے آگے دہراویں مثلاً آپکے والد کی وفات اور بنی سعد کے خاندان کی ایک عورت کا آپکو دودھ پلانا اور آپ کی والدہ کی آپکو لیکے مدینہ روانہ ہونا اور وہ مہم جب آپکے چچا سفر شام کو روانہ ہوئے تھے اور آپ بچہ ہی تھے اور بھی ایک وسیع استثنا عام اشخاص اور قومی واقعات اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدائشی واقعات کی تائید میں ضرور کیا جاسکتا ہے کیونکہ کامل طور پر لوگوں کی توجہ اسطرف ضرور مائل ہوئی ہوگی جبکہ اہل عرب کی مشاعرانہ عادتیں اور ان کے خاندان کے متعلق روح ان کی یادداشت کے لئے محرک اور مساعد ہوگی اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ابرہہ حبشی حملہ آور سے گفتگو کرنا اس گفتگو سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر شام میں ایک راہب سے کی تھی واقعات اور حقیقت پر زیادہ تر مبنی ہے اور ان کے سفروں کے متعلق واقعات میں کسیطرح شبہ ہی نہیں ہے۔

اسی استثنا میں کرسی نامے انکے تاریخی واقعات بھی شامل کرنے ہونگے جو کئی صدی سے محض یاد میں محفوظ رہتے چلے آتے تھے۔ عرب کی تاریخ میں یہ بھی ایک عجیب امر مشاہدہ ہے اس میں شک نہیں کہ یہاں نظم قوت حافظہ کا اعلیٰ درجہ کا جوہر اپنے ساتھ اثر کیسا رکھتی تھی شعرا کا بے جوڑ کلام جب وہ گروہ میں پڑھا جاتا تھا تو بہت واہ واہ ہوتی تھی اور یہاں تک نوبت پہنچتی تھی۔ کہ بڑوں سے گذر کر بچوں کے نوک زبان وہ اشعار ہوجاتے تھے۔

اس قسم کی نظموں میں سواروں کے نام انکی شجاعت کے کارنامے انکی پرجاہ وجلال عالی ہمتی انکی بے نظیر سخاوت ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے اوصاف محفوظ ہوتے تھے ان اشعار میں سے بہت سے اشعار قومی ہوگئے اور وہ نہ صرف ایک خاص قبیلہ کی تصدیق کرتے تھے بلکہ تمام عرب کے خاندانوں کی کیفیت ان میں مندرج ہوتی تھی۔

اسطرح نظم جو ان کے اسلاف کے کرسی ناموں اور قومی ناموریوں کے یاد کرنے کا ایک جوش تھا اور انکی قوت حافظہ کی یکتائی جو نسلاً بعد نسلاً اسیطرح صحیح وسالم چلی آتی تھی اور جس نے ان کے آباؤ اجداد کے صدیوں کے واقعات جزوی ہوں گی اسیطرح محفوظ رکھے کہ بعض

صورتوں میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ جزوی معاملات یوں حرف بحرف صدیوں سے چلے آئیں اور ان میں تغیر و تبدل آ کے واقع نہ ہو۔ مگر جب دوسری شہادتوں اور اندرونی انتظام سے اس کی صحت کرتے ہیں تو حقیقت کھلتی ہے ؞

(۱) وقت کا دوسرا بین حصہ وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عام زندگی میں داخل ہونے اور مکہ معظمہ کے فتح کرنے کے بیچ میں پڑتا ہے۔

یہاں بیشک دو مخالفانہ گروہ ہمیں ملتے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں فانی جدال و قتال کے لئے صف آرائی کرتے ہیں جن کے بیانات ایک دوسرے کے مزاحم ہوتے ہیں لیکن اسی عرصہ میں یا اس کے کچھ دن بعد ایک گروہ کی بالکل بیخ و بنیاد اکھیڑ کے پھینک دی گئی ان کے سردار تقریباً تمام میدان کارزار میں کام آئے اور باقیماندہ سرداروں پر فاتحوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس لئے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمنوں کی ایک شہادت بھی نہیں پہنچی نہ کوئی تنہا وکیل مسلمانوں کے افعال بیان کرنے کے لئے بچا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے گروہ نے جو الزامات ان کے ذمہ لگائے تھے اس کی وہ تدبیر کرتے اور اپنے اوپر وہ عمداً و آمیز افتراپردازیاں عاید نہ ہونے دیتے ؞

اس کے مقابلے میں ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے خلاف کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کا بے گناہی یا معصومیت اور انصاف کا یکطرفی دعوے شاید دوسرے طور پر قابل سوال ہو۔

حدیث کے بانیوں کی غیر محتاط اور بیخبر زبان اس کا کافی ثبوت دیتی ہے کہ جس وقت وہ اپنے دشمنوں کا ذکر کرتے ہیں ان کی رائے کا ہے گاہے غیر طرفدارانہ اور عادلانہ ہوتی ہے مگر اپنے مخالفوں کی نسبت ان کا فیصلہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔

(۲) جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں کا عظیم الشان گروہ جو ہنوز اسلام کا مخالف تھا وہ ضرور ان بیانات کو جو ان کے گروہ پر الزاماً بیان کئے جاتے تھے اپنے پر سے ہٹا سکتا تھا۔ ہے

لہ دوم جو سفیان محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آخری مقابلہ پر ایک پر جوش مسلمان بن گیا اور اپنے ہی بیٹے کے جھنڈے کے نیچے پہلے شامی جنگ میں داد مردانگی دی ؞

بلا تامل قبول کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پبلک آراء کی ضلالت یا تخریب پر مسلمانوں کو دھوکا دیا تھا۔ مگر اسلام اور بانی اسلام کا اسمیں کچھ ذکر نہ تھا نہ ان کے معاملات سے بحث ہوئی تھی ان کا اثر اپنے ذاتی حالات کے محفوظ کرنے میں متوجہ ہوگا اور شاید ان کے احباء اور رشتہ دار حتی الامکان ان سے بحث پیش آتے ہونگے لیکن ان کا یہ اثر اچھی طرح سے طرفدارانہ تھا اسپر وہ بیان کرنا چاہیے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن جو ابتدائے زمانہ میں سخت مخالف تھے آپ کی زندگی ہی میں یا بعد ازاں تھوڑی مدت کے بعد دائرہ اسلام میں آگئے۔

اس سے بہت پہلے کہ حدیثوں کا دریا بہنا شروع ہوا ہو ان ہی لوگوں نے اپنے کی عقل بت پرستی کو خوف اور حقارت سے نظر کرنا سیکھا تھا جب ایک مسلمان کی زندگی پر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ جہاں اس نے اسلام اختیار کیا اور وہ اپنی ماقبل عادات وصفات کا جانی دشمن بن گیا۔

اس نے حالت کفر میں گناہ کئے تھے لیکن جہاں اس نے اسلام قبول کیا وہ خود اپنی نگاہوں میں اور دوسروں کی نظروں میں اور ہی شخص ہو گیا؟

بنی اللہ سے جو اس نے دلیرانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ اسے وہ اس کا بیان اچھی طرح کر سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ ربانی پیغام نے اس پر اور اس جلیسوں پر کیسی لعنت کی تھی اس قسم کی شہادتیں ہیں کہ جو اس طولانی جھگڑوں کی ایک طرفی حکایت پر جو مسلمان اور بت پرستوں میں مکہ میں ہوئے ہمیں جانچ کرنے کی امداد دیتی ہیں؛

(اس) اسے ہمیں لازم ہے کہ ہم ناانصافی کی امہی کا اندازہ کریں اور اس بیرحمی کو دیکھیں جو مخالفان بنی پر توڑی گئی تھی تاکہ بلا شرکت غیرے معاندانہ شہادت کی منہائی کر سکیں ہم اور بھی ان مبالغہ آمیز توضیحات پر کہ مسلمان بت پرستوں نے سخت سخت مظالم توڑے شبہ کر سکتے ہیں مزید براں ان لوگونکی تاریخ جو حالت کفر میں مکہ کی فتح سے پہلے مرے اور جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شربت مرگ پچکھا بہت نفرت نکتہ چینی ہو سکتی ہے مثلاً ابو جہل اور ابو لہب پر ان کے نبی نے لعنت بھیجی جس کا ذکر مسلمانوں نے بڑی دلیری سے کیا ہے اس دن تک ہر مسلمان کی زبان سے یہ آواز بلند ہوتی ہے "خدا ان پر لعنت کرے کیونکہ وہ

ادب بہت تھا اس لئے جو شخص بیان کرتا وہ قبول کر لیا جاتا تھا میرے خیال میں کل اعتراضوں کا ماحصل یہی ہے اور یہ ایسے بودے اور لغو اعتراضات ہیں جو اپنی لغویت کا خود اظہار کرتے ہیں ؛

معترض چونکہ عیسائی ہے اس لئے سب سے پہلے اس کا فرض یہ تھا کہ اناجیل کی تحریرات پر بھی غور کر لیتا جو حضرت مسیح کے صدیوں بعد لکھی گئیں اور جن میں ایسے بیانات موجود ہیں جنکو ایک معصوم پیغمبر سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے ؛

انجیلوں میں کھلم کھلا یہودیوں اور فریسیوں کو گالیاں دی گئی ہیں اور مخالفوں پر تبرے بازی کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا ہے کاش اس زمانہ کے مخالفین میں سے کسی کی تحریر ہوتی تو حقیقت کھل جاتی ؛

پادریوں نے اکثر کتب خانوں کو جلا دیا اور بعد ازاں وہ ظلم توڑا کہ کئی کئی ہزار آدمیوں کو ایک ایک حواری کے نام پر صلیب پر کھینچدیا پادریوں نے فتوے دیدیا تھا کہ جہالت نجات کی کنجی ہے اس فتوے کی بنا پر ہر خواندہ شخص کے لئے گدر کا تحفہ موجود تھا اور پھر وہ قتل کروا ڈالا جاتا تھا۔ نیک نہاد مورخ سر ولیم میور نے اس طرف سے تو بالکل آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی انشاپردازی کے زور میں جو چاہا اناپ شناپ لکھ مارا۔

ہم الزامی جواب دینا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس میں ایک محقق کی کمزوری پائی جاتی ہے ہم موجودہ اناجیل کو بڑے بڑے جید پادریوں کے مقابلہ میں محرف ہی نہیں بلکہ از سرتاپا فرضی ثابت کر چکے ہیں ؛

حیدرآباد کی تعلیم یافتہ جماعت اس کی گواہ ہے کہ دو تین جلسوں میں خاص کاسموپولیٹین ہال میں پادری گولڈ سمتھ اور ان کے مددگاروں نے کیسی منہ کی کھائی تھی اور آخر میں انہیں مجبورا اس بات کا اقرار کرنا پڑا تھا کہ انجیلوں کا بہت سا حصہ محرف ہے ؛

الحمد للہ اللہ نے ہمیں زبان و قلم دو لازمی عنایت فرمائی ہیں جس نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں جب کہ مقابل میں پادری گولڈ سمتھ اور ان کے کل مددگار موجود تھے اور سامان تعلیم یافتہ اشخاص کا ایک عظیم گروہ حاضر تھا علی الاعلان یہ دعوی کیا تھا کہ ہم انجیلوں کی تحریف کو

نہیں ملتے بلکہ ہمیں اس میں کلام ہے آیا انجیل کی کوئی آیت بھی حضرت مسیح کا مقولہ ہے یا نہیں ہم نے صاف طور پر کہدیا تھا ؛

"دشمن کا ذکر کیا یاں سر ہی خائب ہے گریبان سے "

پادری صاحب اور ان کے مددگاروں نے جنہیں ہم نے اپنے عالی حوصلگی سے بولنے کی اجازت دیدی تھی بہتیرا زور لگایا اور جواب دیئے مگر وہ تمام جواب مثل روئی کے دھنک دیئے گئے اور ابھی تک حیدرکا مشن اور مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت اس مناظرے کو بھولی نہیں ہے اسوقت کے دکھنی اخبارات اس بیان سے بھرے ہوئے ہیں کہ پادری گونڈ اسمتھ اور ان کے مددگاروں نے ایسی منہ کی کھائی کہ تمام عمر یاد رکھیں گے ؛

اسیطرح بشپ لیفرائے صاحب دہلی کے مناظرے کی کیفیت بخوبی جانتے ہیں ایکبار انہوں نے مجبور ہو کے خود اقرار کیا تھا کہ اس کا جواب خداوند مسیح سے دریافت کر کے بیان کرونگا اور وہ ایک فاش شکست کھا کے شب بھر بکرسٹ ہال میں رہے اور صبح کو بادل حزین اپنی کوٹھی پر تشریف لے گئے ؛

میور صاحب مظلوم احادیث پر کیا اعتراض کرینگے ان کے بڑے بڑے پیشوا اس بات کے ثابت کرنے میں کہ موجودہ اناجیل میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہے عاجز آ گئے ہیں اور اب بھی ہم موجود ہیں جس پادری اور مسیحی مذہب کے زبردست محقق کا جی چاہے خواہ کسی شہر میں عام جلسے کے اندر اسبات کو ثابت کر دے کہ اناجیل موجودہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن
ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت

اس لئے ہم اس کو بہت چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں کہ اناجیل موجودہ کا غلط ہونا ثابت کر کے الزامی جواب کی پیش دستی کریں ہم سر ولیم میور صاحب بہادر کو محققانہ جواب دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ کل اعتراضات کیسے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ان نکتہ چینیوں کا پردہ کس طرح اٹھا دیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص کی زبان پر یہ ہو ؛

بزیر جامہ نہان کردہ برص لیکن بچشم اہل بصیرت برہنہ می آئی

سر ولیم میور صاحب نے اپنے اعتراضات کو جس صورت سے طول دیا ہے وہ اگرچہ دیکھنے میں زیادہ دلچسپ اور تحقیق علمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک محقق کی نظر میں ان کل طول طویل اعتراضات کا اصل مدعا صرف چند الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا یعنی انکی ساری تحریر کا مفہوم یہ ہے جسکو ہم پھر ذرا وضاحت سے بیان کیے دیتے ہیں محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نبوت کا بہت سا حصہ چونکہ پریشانی میں گزرا اور جبکہ آپ گم گوشہ ہو رہے تھے اسلیے اس کثرت سے آپکے الفاظ محفوظ نہیں ہو سکتے دوسرے آپکے زمانہ محمود مسعود میں حدیثوں کا دفتر منضبط نہیں ہوا تھا تیسرے مسلمانوں کو آخرالزمان نبی سے اتنی محبت تھی کہ جس شخص نے جو کچھ رسول اللہ کے نام سے بیان کیا وہ پرشوق سامعین نے بلا حجت و دلیل بے کم و کاست قبول کر لیا چوتھے مسلمانوں میں کوئی معیار ایسا نہیں قرار دیا گیا جس سے احادیث نبوی کی صحت اور غیر صحت معلوم ہو سکتی پانچویں انکی لڑائیوں اور خاندانی اختلافات کی وجہ سے حدیثوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی +

قریب قریب فاضل مسیحی مورخ کے کل طول طویل اعتراضوں کا مفہوم یہی ہے جو ہم نے چند الفاظ میں ادا کر دیا۔ یقیناً اس کا جواب دینا کچھ بھی مشکل نہیں اگر ہم ایک ایک فقرہ کو نقل کرکے اس کا مفصل جواب دیں تو ایک پوری جلد صرف جوابات کی تیار ہو جائے مگر ہم ایسا نہیں کرینگے ہم کوشش کرینگے کہ نہایت مختصر پیرایہ میں کل اعتراضوں کے جوابات آجائیں کیونکہ ہم حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی شروع کرتے ہیں اور ہم نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے اگر خدا نے ہمیں توفیق دی کہ آپکے حالات زندگی اس بسط و شرح سے لکھے جائیں کہ کوئی پہلو آپکے تبلیغ نبوت آپکے اخلاق والاصفات آپکے عالیشان تمدن آپکی پاک معاشرت آپکے مقدس غزوات آپکا طرز کلام آپکی نشست و برخاست وغیرہ کا باقی نہ رہے اور جبتک دنیا میں اردو زبان قائم ہے آپکے حالات کے بیان میں کسی دوسری کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہ پڑے اگرچہ ہمارا یہ دعوے بہت بڑا ہے مگر خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے ہم نے اپنی یہ آرزو ظاہر کی ہے اور ہم اس وحدہ لاشریک کو دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی توفیق عنایت فرماوے کہ ہم اپنی آرزو میں کامیاب ہوں آمین ثم آمین آفتاب چاند اور کل سیارے جسکے پیدا کیے ہوئے ہیں اے لا انتہا کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم رکھنے والے مجھ عاجز بے بضاعت کمزور لایعقل پر نظر رحمت کر تیری ادنی توجہ سے بڑے بڑے اہم مسائل جنہیں مشہور حکما کی عقلیں چکر میں آجاتی ہیں آسانی سے حل ہو جاتے ہیں ؎

اور آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مافوق الفطرت قوتوں کی بازگشت بنادیا۔ حضرت عثمان کی کمزوری اور تنزلِ سلطنت نے حضرت علیؓ اور آپ کے گروہ میں منصوبہ بازی اور سازش کرنے کا مادہ پیدا کردیا۔

بوڑھے شہزادہ کی (مراد حضرت عثمان سے ہے) شہادت پر حضرت علیؓ نے سلطنت کی یکجہتی کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دئے اور اسلام کی اخوت اور یکجہتی کے پیراہن کو بالکل پھاڑ ڈالا اور خلافت کے نئے دعویداروں کے لئے سلطنتِ اسلام کو مثل ایک شکار کے چھوڑ دیا۔ اس پھوٹ کا فی الفور اثر حدیث کی تاریخانہ حیثیت پر نامساعدانہ پڑا اس واسطے اگرچہ ہر گروہ کا میلان خاطر اپنی حفظ کردہ احادیث کو اپنے موافق رنگ آمیزی کرنے کا از حد بڑھا ہوا تھا لیکن پھر بھی مخالفانہ نکتہ چینیوں کے خوف سے وہ زیادہ زیادتی یا کمی اصلیت میں نہیں کر سکتے اور جبکہ ابھی وہ لوگ زندہ تھے جنہوں نے نبی اکرم کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کی تھیں اور جو نبی کے اقوال کے گواہ معائنہ تھے تو ایسی حالت میں اگرچہ حدیثیں گھڑی جاتیں تو ضرور ہے کہ باہم وہ لوگ ایک دوسرے کی تردید کرتے۔

حضرت علیؓ ساڑھے چار برس کی تکلیف دہ اور مشتبہ خلافت کے بعد شہید کئے گئے اور بنی امیہ کا مخالفانہ گروہ لاکلام پریشان خلافت کا مالک بن گیا۔ اس خاندان کی طولانی سلطنت میں جو نوّا برس تک قائم رہی حکمراں قوت کے اغراض نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متوسلین کے مافوق الفطرت اصول کو روکے رکھا اس نسل کا اصول جس کا سلسلہ ابوسفیان سے چلا آتا تھا جو نبی کا مدت تک تلخ تر دشمن بنا رہا یہ رہا کہ وہ ان احادیث کو جو ان کے بزرگ کی نسبت تھیں ملائم کردیا ہو اور ساتھ ہی اسکے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نجیبانہ صفات میں ہم آہنگی کو کام فرمایا ہو۔

ف حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ حکم نازل فرمایا تھا کہ کوئی شخص اس حدیث کو نبی اکرم کی طرف منسوب نکرے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہ بیان کی گئی ہو اور یقیناً کوئی چیز مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارک بیان کرنے میں نہیں روک سکتی کیونکہ رسول مقبول کے صحابہ میں ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جسکی قوت یاد اور حافظہ قوی ہو اور جو انہی باتوں کی سلامتی پر بھروسہ رکھتا ہو لیکن جب میں نے نبی اکرم کو یہ خود فرماتے سنا ہے جو شخص میری نسبت وہ قول بیان کریگا جو میں نے نہیں کہا ہے اسکی جگہ دوزخ ہوگی۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے صاف طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے جعلی حدیثیں آپ کا حق خلافت متزلزل کرنے کے لئے مخالفین کی طرف سے گھڑی جاتی ہوں۔ اس لئے آپ اس طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں کو روکدیا کہ جو حدیثیں سابق خلفاء کے وقت میں نہ بیان کی گئیں ہوں اسوقت کوئی نہ بیان کرے (ریلوٹ میور کا لکھا ہوا ہے)

ایک طرف تنادیلی جبل اور بناوٹیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور آپکی اولاد کا استحقاق خلافت ربانی طور پر ثابت کرنے میں کی گئیں تراش خراش کرنے کا لالچ دلوں میں پیدا ہو رہا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے حیات جاودانی کی برکتیں ان پر نثار کردیں اور ان ہی کے کام سپرد کردیے اور وہ مافوق العادت باتیں ان کی طرف منسوب کیں گویا وہ مرکز ہیں تمام کاموں کا انصرام دیتے ہیں۔ وقت کے دباؤ نے حضرت علیؓ و اولاد نبی مقبول اور آپ کے چچا حضرت عباس کے گھرانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے ربانی استحقاق قایم کرنے کے لئے یہ تدبیریں کریں اور اپنی ایسی باتیں گھڑ دیں۔

ابتدائی حصہ یعنے آغاز سلطنت بنی امیہ میں ایسی بے سروپا باتوں کا بہت ہی کم چرچا ہوا تھا اور ایسے خیالات عالم بطون سے صفحۂ ظہور پر جلوہ پذیر نہ ہوتے تھے۔ ربانی استحقاق خلافت کا افسانہ جو اس وقت ایجاد ہوا تھا اور جس نے پوری شہرت حاصل کی تھی ہوتے ہوتے یہاں تک جڑ پکڑ گیا کہ ابتدائی مسلمان اسکی تائید کرنے لگے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے جگری دوستوں کا غیر محدود اور نامشروط مخالفانہ مقابلہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا استحقاق خلافت ربانی طور پر یہ لوگ کبھی درجہ تسلیم کرتے تھے اور اس کا مطلق لحاظ نہ تھا۔

گروہ خوارج نے جو بنی امیہ کا جانی دشمن تھا حضرت علی کو سخت حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا اور اس ہتک آمیز گناہ پر ملامت کرتا تھا کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے صلح کی کیوں گفت و شنید کی۔

اب یہاں سے یہ بین طور پر ثابت ہو کہ بنی امیہ کے زمانے میں حضرت علی اور حضرت عباس کے خاندان کے متجاوز دعوے ہائے خلافت مطلق نہ چلے اور کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہ کی ان کے خیالات خلافت ایک خواب تھا جو بنی امیہ کے زمانہ میں آرہا تھا۔

اس زمانہ میں احادیث کی کثرت سے ساختہ ہوئی اور پھیر ہوتے ہوتے ان کی مستقل صورت قایم ہوگئی۔ اس زمانہ کے اختتام پر تمام مروجہ حدیثیں حلقہ وار تلاش کی گئیں اور پھر انہیں تحریری طور پر انضباط میں لایا گیا۔

متاخرین محدثوں نے احادیث کے اسی بے پایاں دفتر سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

الگ کرنا چاہا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہوتے جبکہ یہ کل حدیثیں بنی امیہ کے شہزادوں کے دوران سلطنت میں جمع کی گئیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انہیں اپنی کوشش میں جزوی کامیابی شاید ہوئی ہو۔

اس زمانہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خط وخال اور سوانح کو مافوق الفطرت رنگ آمیزیوں اور پرشکوہ الفاظ سے رنگ دیا ہے تاہم آپ کے صحابہ و پیروان کی عادات وصفات اور ابتدائی اسلام کے واقعات بلاشبہ قابل تعریف صحت اور درستی میں منضبط کئے گئے اور اس طرح تاریخانہ سچائی کا ایک وسیع اور چوڑا مضمون ہمیں دستیاب ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کا آخری حصہ جو اب ہمارے آگے ہے ہزارہا گھڑی ہوئی روایتوں سے پُر دکھائی دیتا ہے حضرت علیؓ کی اولاد نے جو متمردانہ مخالفتیں بنی امیہ کو خلافت سے معزول کرنے کی کیں اور بدقسمتی سے میدان کارزار میں سب کو مات ملی تو پھر ان کا رجحان دوسرے موقع کی طرف ہوا اور اب انکا اصل الاصول ربانی استحقاق خلافت قرار پاگیا اور روحانی اور دنیاوی سلطنت کے شوق نے انہیں ابھارے رکھا۔ اُنہوں نے پوشیدہ مجلسیں قایم کیں اور جھوٹی خبریں بنی اُمیہ کی سلطنت میں روانہ کئے کہ یہ لوگ غاصب ہیں اور حق خلافت حضرت علی کی اولاد کو پہنچتا ہے۔

خلافت کے یہ دعوے اس رازدارانہ رپورٹ سے کہ حضرت علیؓ کی نسل میں سے ایک امام مہدی پیدا ہوگا اور وہ تمام دنیا کو فتح کرے گا روز بروز قوت پکڑتے گئے۔ اس قسم کی کوششوں نے سوائے سرکشیوں اور بغاوت کے تسلسل کے اور اچھے نتیجے پیدا نہیں کئے۔ خونریزیاں اور قتل و غارت بے فائدہ لڑائیاں واقع ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ دوسرے گروہ نے ان خونی جھگڑوں میں سانٹ بانٹ اختیار کی۔

یہ لوگ عباسی تھے جنہوں نے اپنے استحقاق قایم کرکے تخت پر قدم بڑھایا۔ اور جو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد تھے۔

انہوں نے حضرت علی کی اولاد کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے اس بات کو جتایا کہ موجودہ حکمران خاندان غاصب ہے جو خاندان گو خاندان قریش ہی سے نکلا تھا۔ لیکن نبی سے اس کا بہت دور دراز کا رشتہ تھا آؤ ہم دونوں ملکے اس سے مقابلہ کریں۔

اپنی متواتر کوششوں سے آخر یہ خاندان بنی امیہ پر غالب آئے جبکہ حضرت علی کی اولاد تکتی کی تکتی رہ گئی اور عباسیوں نے تخت حاصل کر لیا۔

یہ خیال کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ کتنی حدیثیں ان غیر ماندہ سازش کرنیوالوں کے حق میں اختراع کیگئی ہونگی۔ حاصل کلام فاسد اور گمراہ کرنیوالی حدیثوں پر ان کا خاتمہ ہوا۔ اسکے وسیلہ سے انہوں نے بنی امیہ کے باپ دادوں کی یادداشت پر عیب لگایا اور بزرگان عباسی کی روایتوں کو بلندی کی۔ اسی پہلو سے انہوں نے حضرت علیؓ کے خاندان کا حق باطل کیا اور اس امر کا اطلاق کیا کہ حق خلافت نبی اکرم کے نہایت ہی قریب کے رشتہ داروں کو پہنچتا ہے۔ قرآن کی آیتوں کے غلط معنے بیان ہونے لگے اور جھوٹی جھوٹی حدیثیں بیان ہونے لگیں۔ اور ان پر بالکل غلط بیانات کا رنگ چڑھایا گیا۔ ان کا نفاذ پوشیدہ کیا گیا تھا اور اسی لئے ان جعلی حدیثوں کو چھپاتے تھے۔ مبادا کوئی مخالف اس پر انگشت اعتراض دراز کرے اور پھر ان کا تاریک برقعہ اٹھ جاوے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ معلوم ہونے لگے۔

اس طرح یہ جعلی حدیثیں نکتہ چینیوں سے بچ رہیں اور رفتہ رفتہ ان میں رواج اور شہرت عام کو دخل ہونے لگا۔

۱۳۲ھ ہجری میں عباسی تخت خلافت پر جلوہ افزا ہوئے اور فتنہ ملعون جو ایران کے دور دراز صوبوں میں نشو و نما پا رہا تھا اب اس نے تخت کو اپنی ہیبت بھری رتبہ سے ڈھانپا ہوا اور صدہا شہروں میں اس طوفان نے زور لگایا اور اب سلطنت کے حاصل کرنے میں فریب اور دھوکہ بازی کو کام میں لانے لگے۔ بنی امیہ پر ناقابل رحم مظالم توڑے گئے اور ان کا استیصال دنیا سے بالکل کر دیا گیا۔ اور ان کے نام اور اولاد پر اب تک تبرا ہوتا ہے۔

خلفائے عباسیہ کے پہلے دو خلیفوں کے زمانہ میں ابتدائی سوانح عمری جس کا کوئی بقیہ ہمارے پاس نہیں ہے ترتیب دی گئی پہلے ابن اسحاق نے اسے ترتیب دیا یہ بہت ہی کم تعجب کی بات ہے کہ یہ مصنف اپنے آقاؤں کے قدم بقدم چلا ہو کیونکہ جب اس نے زمانہ بنی امیہ کے باپ دادوں کا ذکر کیا ہے انہیں حقارت انگیز لہجہ سے یاد کیا اور انکا بدنام کرنیوالے الفاظ سے ذکر کیا ہے جن کے آباؤ اجداد کو جنہوں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ کا حصہ لیا تھا کافر و مرتد گردانا ہے۔

اس زمانہ میں پانچواں خلیفہ مشہور و معروف المامون ہوا جو اپنی بیس برس کی سلطنت میں اس نے علم ادب کی تلاش میں شاہانہ جبروت اور سلطانی جاہ و جلال کو کام فرمایا حضرت علیؓ کے پیروان سے اس نے ایک اتحاد و رشتہ قائم کیا۔ جنہیں اس کے سابق جانشینوں نے عادت سے زیادہ ستایا تھا۔ اور اس نے بڑی سرگرمی سے مذہب معتزلی پسند کیا اور اسکی ہی تعلیم پائی۔ اس معتزلیہ گروہ کو ویل ریشنلسٹ اسلام کہتا ہے۔

المامون قرآن کی روایت کے اصول کی تضحیک آزادی سے کرتا تھا اور بڑے بڑے راسخ الاعتقاد مومنین کے مقابلہ میں انسانی مرضی کی آزادی کا اقرار کرتا تھا اُسے اپنے اسلاف کی جابرانہ اور ظالمانہ حکمت عملی سے ذرہ بھر بھی مناسبت نہ تھی اسنے نہ صرف خاندان میں حضرت علیؓ کو زیادہ نجیب و شریف قرار دیا اور امیر معاویہ کو فرومایہ کہا۔ بلکہ اسنے نہایت سختی سے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص حضرت علی کی برائی اور امیر معاویہ کی بھلائی بیان کریگا اُسے سخت سزا دیجائیگی۔

اس نے اس بارے میں سخت کوششیں کیں کہ میرے علم الٰہی یا دینی عقیدے کا اثر سب پر پڑے یا سب دینی معاملات میں میرے ہی ہم خیال بن جائیں اس نے دینی مباحث اور مناظرے کی مجلس قرار دیں اور ان لوگوں کو سزا دیجاتی تھی جو اس سے اختلاف کرتے تھے۔ ہماری بدقسمتی سے یہ زمانہ گویا احادیث کی ترتیب کا تھا۔ اور ابتدائی زمانہ میں سوائے ابن اسحاق کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کی ترتیب نہ ہوئی تھی۔ المامون ہی کی سلطنت میں **الواقدی ابن ہشام** اور **مدائنی** مورخ موجود تھے۔ انصاف یہ ہے کہ ہمیں بہت زاری کرنا چاہیے کہ تاریخی دلچسپیوں میں برائیاں لبالب بھر گئیں۔ ہم اس پر اس طرح متوجہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ **وائل** کہتا ہے۔ یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ یہ تین عربی تاریخیں جو ابتدائے زمانہ اسلام میں اصول کی سرچشمہ ہیں حکومت مامون میں لکھی گئیں۔ اس زمانہ میں اگر کوئی شخص امیر معاویہ کی تائید میں ایک لفظ بھی کہتا تو جان سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ شخص واجب القتل قرار دیا جاتا تھا۔

لہ جب عباسی تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے حضرت علی کی اولاد کو ان کی جگہ سے خارج کر دیا انہیں سے ؟ وہ گروہ خوش قسمتی کی بلندی پر پہنچے وہ اپنی ذاتی مدافعت کے لیے حضرت علی کے طرفداروں کو پیدا کرنے اور نیست و نابود کرنے پر مجبور ہوئے کیونکہ یہ علی کے طرفدار بن گئے تھے کہ ہماری ہی غلطی سے یہ گروہ پیدا ہو گیا ہے اور ہم ہی نے ایسی جماعت کو بام عروج پر پہنچایا کہ جو ہمارے حق میں بنی امیہ سے کم نہیں ہے [illegible]

جو حضرت علیؑ کو انسانی مخلوق میں افضل نہ سمجھے ایسی حالت میں یہ محض ناممکن تھا کہ ذرا بھی تفریق دارج میں کی جاتی اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ اور ان کے جانشینوں کو ذرہ برابر بھی امتیاز یہ درجہ دیا جاتا ٭

لیکن علاوہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سوانح عمری لکھنے والوں کے عام احادیث کے جامعین نے بھی اسی زمانہ میں نشو ونما حاصل کی وہ بھی عباسیہ اثر کے دائرے میں آگئے اور ان میں سے بعض براہ راست مامون کی مربیانہ سرپرستی میں کام کرتے تھے۔ اس گروہ نے جس کا اوپر بیان ہوا تمام سلطنت کا گشت لگایا۔ اور ہر قسم کی احادیث کی جو نبی کے نام سے مشہور تھیں تلاش کی اس بے نظیر تلاش اور محنت سے بے تعداد حدیثیں جمع کی گئیں۔ اور اب ان کی جانچ سخت طریقہ سے شروع ہوئی کہ کونسی حدیث موضوع ہے اور کونسی صحیح ہے۔ انہوں نے راویوں کے اس سلسلہ کا پتہ لگایا جو نبی تک پہنچتا تھا۔ مگر احادیث کا یہ مجموعہ جامعوں کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔ لیکن ایسے مجموعے تاریخی اور سوانح عمری کی کتابوں سے زیادہ پسندیدہ شمار ہوئے بالجملہ وہ اسلام کے مختلف علم الٰہی کے مدارس کے اصل الاصول قرار پائے اور اب تک اسی طرح ہیں ٭

ان کے جاری ہوتے ہی عام طور پر ان کا مطالعہ ہونے لگا۔ شہرت پکڑتے پکڑتے انہوں نے ایسا مقبولیت کا جامہ پہنا کہ آج صحیح اور حقیقی صورت میں بدل گئیں ان کی نقلیں کثرت سے اسلامی ممالک میں پھیلا دی گئیں۔ جہاں ابتدائی سوانح عمری ایسی نہیں پھیلی تھی اور اگر سوانح بھی گئی تھی تو بڑی وقت سے دستیاب ہوتی تھی ٭

سنیوں کے مجموعے کی چھ کتابیں خلفائے عباسیہ کی سلطنت میں بلا شرکت غیرے ترتیب دی گئی تھیں اور شیعوں کے چار مجموعے اس کے بعد ترتیب دیئے گئے ہیں۔ مگر بالقبل الذکر گروہ کی کتابوں سے مراد سنیوں سے ہے آخر الذکر گروہ کی حدیثوں کی کتابیں بلا شبہ بہت ہی کم اعتبار کے قابل ہیں کیونکہ شیعوں کی کتابوں میں زیادہ تر یہ راگ لگایا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد کو سابقی طور پر استحقاق خلافت حاصل تھا ٭

اس میں شک نہیں احادیث کے جمع کرنے والوں نے جیسی کہ مشہور خدمت اسلام کی کی ہے

طرح تاریخ کی ... ہماری خدمت کی احادیث کا عظیم الشان دفتر اسلامی سلطنت کے ہر حصہ ... حدیثوں کی جلدیں کی جلدیں جمع کی جاتی تھیں اور ان میں تمام مغایر اصول پائے جاتے ہیں ۔ ماہران روایات اگر جانفشانی نہ کرتے تو حدیثوں کے مجموعے میں صحیح و ... افسانہ بغیر امتیاز بے پریشانی میں آمیز ہو کے گڈمڈ ہو جاتا ۔

ماقبل خاکہ سے جو ہم نے حدیث کی تاریخ کا کھینچا ہے ۔ اس سے ہمیں واجب اور حقیقی حوالہ اس بات کا ملتا ہے کہ دوسری صدی میں حدیث نے بڑی صحت کے ساتھ اصول سے ہم آغوشی کی ۔

جو حدیثیں اب تک جمع کی گئی تھیں ان میں جعل اور دروغ کی آمیزش ہو گئی تھی اور ان میں بہت کم صحت کی جھلک معلوم ہوتی تھی ۔ حدیثوں کے جمع کرنے والوں کی شہادت اور تصدیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں حدیثیں جو اس وقت جاری تھیں ذرا بھی اپنے ساتھ کسی اصول اور قاعدہ کی صحت کا نام بھی نہ رکھتی تھیں ۔

اس سے زیادہ کوئی آسان بات ہی نہ تھی کہ جہاں مذہبی سیاسی معاملات میں مخالفت کی مدافعت کی ضرورت ہوئی اور فوراً انہوں نے نبی کی زبانی بیان کی ہوئی حدیث سے اپیل کی اس نوعیت کی احادیث کی فطرت اور وہ طریقہ جس سے نبی اکرم کی ذات مبارک پر نئے نئے بہتان قایم ہوتے تھے اور آپ کو ایسے لا یلایم اقوال سے نسبت دی جاتی تھی کہ جو حد سے زیادہ غلیظ اور ناپاک ہوتے تھے اور جس سے نبوت کے دامن تقدس پر ناپاک دھبہ لگتا تھا ۔ ان تمام بھیانک صورتوں نے آمادہ کیا کہ صحیح حدیثیں منتخب کی جائیں چنانچہ بخاری نے ملک بملک اور شہر بشہر سفر کیا اور بڑے بڑے علما اور فضلا سے حدیثوں کی جانچ پڑتال کی ۔ کئی برس کے بعد اسکا نتیجہ ہوا کہ بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف چار ہزار صحیح حدیثیں منتخب کیں تو بھی اس منتخب کئے ہوئے مجموعہ میں سے یورپین نکتہ چین نصف جعلی بتاتے ہیں ۔

اسی طرح دوسرے احادیث جمع کرنیوالے بھی اسی عقل و دانائی کے پیدا ہوئے جیسے کہ ابو داؤد جس نے پانچ لاکھ حدیثیں جمع کیں اور ان میں سے چار لاکھ چھیانوے ہزار دو سو حدیثیں خارج کر دیں اور صرف چار ہزار آٹھ سو حدیثیں باقی رکھیں ۔

इलाहाबाद

وہ الہام غیبی جس نے بخاری کو آمادہ کیا کہ اس دشوار تر کام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے۔ کافی طور پر اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسی حدیثوں کی ضرورت بہت تھی کہ جن میں صحت کی بو باس پائی جائے اور غلط انبار میں سے کچھ نہ کچھ صحیح مصالحہ نکل آئے چنانچہ بخاری نے خود لکھا ہے *

خواب میں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا
کہ میں گویا آپ کی مکھیاں اڑا رہا ہوں جب میں بیدار ہوا تو میں
نے تعبیر گو سے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی اس نے بتایا کہ تو
سچ میں سے جھوٹ نکال ڈالیگا " اس نے مجھے اس طرف
رجوع کیا کہ میں صحیح کی ترتیب دوں "

مسلمانوں کی آنکھوں میں بخاری نے گویا اس ربانی الہام یا حکم کی تعمیل کی کیونکہ اس دن سے صحیح بخاری کو مسلمان نہایت صحیح احادیث کا خزانہ جانتے ہیں اور اس کا بہت ہی ادب کرتے ہیں یہ بدیہی امر ہے کہ نکتہ چینی کی قسمیں ترتیب دینے والوں نے استعمال کی ہیں پھر بھی جب انہوں نے جانچ کی تو فیصدی ۹۹ حدیثیں مسترد کروانی گئیں۔

حدیث کی صحت نبی کے چند صحابہ پر رکھی گئی ہے اور ہر ایک شخص کی عادات و صفات شاہدوں کے بڑے طولانی سلسلہ پر جنسے یہ حدیث روایت ہوتی ہے۔ منحصر سمجھی گئی ہے۔ اگر یہ راوی قابل الزام نہ ٹھیرے تو ان سے حدیث لے لی جاتی ہے۔ باطنی خلاف قیاس اور خارج از امکان صفت اس حدیث کو جو صحیح مجموعوں میں منضبط ہو چکی ہے۔ خارج نہیں کر سکتی۔ ترتیب دینے والوں نے نکتہ چینیوں کے کھلے ہوئے سمندر میں چلنے کو نہیں ڈالا ہے لیکن انہوں نے اس تنہا صعوبت زدہ ایمن کے اپنی رہنمائی کی ہے۔ انہیں اندرونی شہادت کی تفتیش کی مطلق جرأت نہیں ہوئی *

ط اس تعداد میں ابھی ہنوز ایک حصہ مشتبہ ہے ابو حنیفہ کا قول ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھیں جن میں سے میں نے صرف پانچ ہزار تا ثمر منتخب کیں ... مقدمہ میں سیرۃ اس کتاب میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی ہیں بدولت خود میر صاحب کا لکھا ہوا ہے ا

پہلے مصنف کے مقصد اور مفہوم کو ملزم گردانا یا اس طرح اس کے بیان کردہ واقعہ کا عادۃً ہی جستجوئی پر بحث کرنی اور تاریخی شہادت کی کسوٹی پر لانا یہ ایک عجیب اور خلاف مذہب کام ہوگا اسلام کی روح نہیں چاہتی کہ اس قدر آزادانہ نکتہ چینی کی جائے ؛

محمد اور آپ کے اندھا دھند ایمان لانے والوں نے واقعات میں تفحص اور شہادت کو لات مار کے پرے پھینک دیا جہاں یہ کہدیا قال رسول اللہ تب ہر سوال کا جواب مل گیا اور ہر شبہ رفع دفع ہوگیا اگر کسی بیدھڑک فلسفی نے کچھ شبہے ظاہر کئے اور دین اسلام کی نسبت کچھ سوال کئے تو اسکا جواب تلوار دیتی تھی اس فلسفی کی گردن اڑا دی جاتی تھی اور یوں اُسے خاموش کیا جاتا تھا اسلامی جدول کیساتھ نفسانی قوت کا رواج ہوگیا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ زبردست ہاتھوں کے جابرانہ دعوے اسلام کو منوائیں۔ اگر کوئی مسلمان مرتد ہوجاتا تھا تو ملکی قوت اس کا فیصلہ اُسے موت دیتی تھی کوئی شخص آزادانہ خیال ظاہر نہ کرسکتا تھا کیونکہ اس کو بھی مثل موت ہی کے سزا دی جاتی تھی اسلامی حکومت میں روحانی اور سیاسی اصول کی یکجہتی جو جبر و تغیر حالات میں ہر جگہ یکساں تھی صاف صاف اشارہ کرتی تھی کہ صاف کشادہ اور آزاد تفحص کا اسلام کی اصل اور سچائی میں نام ونشان تک نہ تھا۔ یہ آزادانہ تفحص پاک شاذ و نکتہ چینیاں ایک مسلمان کے دماغ کو اس قدر دردہ دیتی ہیں کہ وہ دانت پیسنے لگتا ہے اب تک ہر مسلمان کی یہی کیفیت ہے مسلمانوں کی تلوار نے نکتہ چینی کے اعلیٰ جوہر کا دنیا سے بیج ہی مار دیا تھا ؛

اسکے مقابل میں ہم ہرگز شک نہیں کرتے کہ سنی جامع احادیث نبویہ نہایت ایماندار اور سچے نبی کا وفادارانہ عشق رکھتے تھے اور جو کام انہوں نے انجام دیا۔ نہایت نیک نیتی سے انجام دیا۔ اچھی طرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایماندارانہ سرگرمی سے ہر صحیح حدیث کی تلاش کی اور ان کے راویوں کی جستجو کی اور جن اصول پر کہ یہ بنی تھیں انہیں دیکھا اور پھر انہیں نہایت محتاط صحت سے منضبط کیا۔ مذہبی احکام نہایت ہی ہوشیاری اور محنت کی طرف مجبور کرتے تھے اور لا انتہا احتیاط کی ضرورت ہوتی تھی ؛

اس طرح بخاری نے جیساکہ ابھی ہم نے دیکھا ہے۔ فرض شدہ ربانی اطلاع پر اپنا کام شروع کیا اور ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے ؛

[illegible]

میں سے کوئی حدیث اپنی صحیح میں درج نہ کی
جبتک کہ وضو کر کے دو رکعت نہ پڑھ لی ہوں"

جامع احادیث کا اپنے خیال میں کسی بات کا ٹھیرا لینا بلا شبہہ اثر رکھتا ہے کہ وہ احادیث کے راویوں کے سلسلہ میں سے جاہے جسے صحت سے خارج کر دیں اور جاہے جسے قبول کر لیں لیکن کوئی وجہ ایسی نہیں معلوم ہوئی کہ انہوں نے خود حدیث کے مفہوم سے صحت و غیر صحت اس کی جانچی ہو۔ اس طرح صحیح حدیث کا جامع اس حدیث کو نہیں لینے کا جو حدیث کہ حضرت عائیشہ کی روایت سے ہو لیکن بنی امیہ کے راویوں کے سلسلہ نے انہیں نقل کیا ہے۔

اسیطرح بنی امیہ والے اس حدیث کو سلسلہ میں سے نکال ڈالینگے جس کا راوی حضرت علی کے خاندان کا کوئی شخص ہو٭

شہادتوں کے کامل سلسلے جن کے وسیلہ سے ہر حدیث کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے کسی صحابی کی ہر ایک صحیح کی ابتدا تاریخ کے مطابق تعین ہوتے ہیں۔ جن ناموں سے کہ وہ غیر روایت کی جاتی ہیں۔

یہ فرضی نام نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے معتبر اور مشہور و معروف لوگوں کے نام ہیں جن سے کہ حدیث روایت کی جاتی ہے احادیث کا مجموعہ کھلم کھلا اشاعت دیا گیا۔ جامع احادیث عام طور پر تعلیم علم حدیث کے علم کا ماہر ہوتا تھا اور پبلک پر اپنے اصول حدیث کی صداقت دوسرے سے مقابلہ کر سکے جتا دیتا تھا٭

جامع احادیث کی نیک نیتی اور ایمانداری کو مسطور کر کے اب ہم اُن کے مجموعہ احادیث کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صحیح اصول ان میں موجود ہیں اور اگر ایسا ہے تو کہاں تک ان میں دروغ اور غلط بیانی کی آمیزش ہے اول تو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ موجودہ دفتر احادیث نبوی کتنی وجہ سے اعتبار کی سکتا ہے اس پر کسی پہلو سے کہاں تک اعتبار کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے مضامین ان خیالی شبہات پر جو معاصرین نے فتوی دیئے ملتی ہیں٭

اس معاملہ کو نظر کے سب سے قوی پہلو پر رکھ کے ہم خیال کرینگے کہ احادیث نبوی کا

ایک درجہ ایسا قایم ہوا ہے جس سے یہ مراد لی گئی ہے کہ یہ صحابہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں اور ابلاغ کی پہلی ہی نوبت پر یہ نقل کر لی گئیں۔

حدیثی مجموعہ میں ایک ایسی خصوصیت ہے جو اس مفروضہ خیال پر بھی اس کا مشتبہ اصول پر ہونا ثابت کرتی ہے یعنے ہر حدیث چھوٹی اور بے جوڑ ہے اور کامل طور پر وہ دوسری حدیث سے علیحدہ جگہ میں قائم ہوتی ہے۔

یہ علیحدہ جگہ میں قایم ہونا نہ صرف سادہ طور پر احادیث ہی میں چھپتا ہے بلکہ ان کی تمام تاریخیں اور اس سرچشمہ پر جہاں سے نکالی گئی ہیں اس کے ہاتھ پر محیط ہیں۔

ہر پہلو پر حدیث متفرق اور آزاد ہے۔ یہ نوعیت اور حدیث کی صوت ہماری نکتہ چینی کی قوت کو وسعت دیتی ہے اور ہم بے تکلفانہ اُن پر نکتہ چینیاں کر سکتے ہیں۔ حدیثوں میں کوئی سیاق کلام ایسا نہیں ہے کہ جس سے ہم صحت اور راستی کی جانچ کر سکیں ہر شاہد سلسلہ میں گو وہ دوسرے راوی کے الفاظ دوہرا دیتا ہے اصل میں وہ بھی خود مختارانہ اصول پر بنی ہے ہم یہ نہیں کہ سکینگے کہ کہاں تک اور کس نوبت تک مغایرت داخل ہو سکتی ہے یا ان میں سے کسی حدیث میں تازہ مواد الحاق کر دیا گیا ہے

ہم تمام شاہدوں کی دیانت اور راست بازی پر مطمئن بھی ہو جاتے ہیں مگر ہم ان کی اُن آزادانہ نظروں سے جن سے کہ وہ احادیث کی بابت گفتگو کرتے ہیں واقف نہیں ہیں۔ یہ بات کا اندازہ اول گفتگو کی آزادی سماعی بات کی وسعت کیساتھ ظاہر کرتا ہے اور ویسی ہی بیضابطگی اور کشادگی ان کے پچھلے ابلاغ میں صاف طور پر پائی جاتی ہے۔

پھر ہر حدیث اپنی نوعیت میں علیحدہ ہی جگہ پر قایم نہیں تھی۔ بلکہ احادیث کے جامعین نے اسے جزولاینجزی کی یکجہتی میں کر کے دکھا دیا تھا۔

ایسی حدیثوں میں سے بعض لے لی جاتیں اور بعض نامنظور کی جاتی تہیں۔ اگرچہ حدیثی رابطہ اور سلسلہ بیحد قابل حجت ہوتا تھا تو وہ حدیث جس طرح کی ہوتی سرتاپا قبول کر لی جاتی تھی۔ اور جزو ترکیبی کی چھان بین مطلق نہ کی جاتی تھی۔

حدیث کا منضبط دفتر آخر کار جس وقت معین کو پورا کرتا ہے۔ جس میں کہ شہادت دی گئی

ہے جس حدیث کو دیکھو صاف طور پر زبانی بیان ہوئی ہے اور خود اس حدیث سے راوی کی عادات و صفات اور اُن کے تعصب اور خواہ مخواہ اپنی بات کی ترجیح کرنے کی خصلت اس سلسلہ میں کہ جس میں یہ حدیث ٹھہرائی گئی ہے عیان ہے۔

کوئی احتیاط اور تدبیر اس بات کی نہیں کی گئی کہ جس حدیث کی معتبری کی پہلے شہادت گزر چکی ہے اس کے جعلی اور بناوٹی مادہ کی جانچ ہو سکے اور اس کی صحت اور غیر صحت سے خبرت حاصل ہو۔

مبالغہ زیادہ گوئی اغلاط اور افسانہ آمیز حکایتوں کے طوفانی دروازے بڑی وسعت سے کھلے ہوئے ہوتے تھے۔ ہمیں صرف یہ ضرورت تھی کہ ہم ہر ملک اور ہر زمانے کے تجربے کو دیکھیں تاکہ ہمیں اس بات کا اطمینان ہو کہ تاریخی واقعہ کے زبانی دہرانے میں خود اختیاری اور خود رائی بہت کم برتی گئی ہے اور جو کچھ اس سلسلہ سے بیان ہوا ہے وہ مافوق الفطرت باتوں پر سرتاپا مبنی نہیں ہے۔

اسلام میں اُن واقعات کو جو ابتدائی تواریخ کے ورقوں کو تاریک کرتے ہیں ابھی سنتے نہیں کیا ہے۔ ان بناوٹی واقعات میں چمکیلے جعلی فسانے دکھائے گئے ہیں اور عجیب غریب باتیں بنائی گئی ہیں۔

نکتہ سنج عیاری جو جامعین احادیث نے اختیار کی ہے۔ ان نتیجہ بخش غلطیوں کے سلسلے سے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور اگرچہ حال کی ہزار ہا حدیثوں کو جعلی ٹھہرا کر خارج کر دیا ہے [illegible] احادیث کو تحقیق بنیاد پر رکھنے میں قاصر ہوئے ہیں نہ ان کے پاس ایسے وسائل ہیں [illegible] جس سے وہ احادیث کا صحیح اور غیر صحیح ہونا تمیز کر سکیں نہ انکے پاس ایسا پیمانہ ہے کہ جس سے [illegible] گھڑی ہوئی حدیثوں اور ان حدیثوں میں جو بالکل ٹھیک مبنی ہیں فرق کر سکیں۔

اب یہ باقی رہ گیا ہے کہ ہم مختلف حوالوں سے حدیثوں کے مجموعے کے مضامین اور اندرونی معتبری کا امتحان کریں۔ خوش قسمتی سے قرآن مجید میں ہمیں ایک ایسا تطبیق کا اصول ملتا ہے کہ جو ہنوز بے بدل حقیقی اور معاصر دستاویز کو ثابت کرتا ہے۔

مثلاً قرآن میں کوئی تسلی بخش مقام ایسا نہیں ہے کہ جس میں صاف طور پر یہ معلوم ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزے صادر ہوئے یا اپنے معجزے دکھانے کا وعدہ کیا اور اپنے میں معجزے دکھانے کی قوت بیان فرمائی تاہم کثرت سے حدیثیں موجود ہیں جن میں آنحضرت کے معجزے کا بیان ہے اور وہ احادیث گویا قرآن کے صاف انکار کو باطل کرتی ہیں۔ اگر یہ معجزے کچھ بھی حقیقت رکھتے ہوتے تو قرآن میں انکا ضرور مذکور ہوتا قرآن انکی بابت کچھ بھی نہیں بیان کرتا بلکہ وہ اس امر کو ناچیز ٹھیراتا ہے اور بتاتا ہے کہ شان نبوت یہ نہیں ہے کہ نبی معجزے دکھایا کرے یہاں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ سارے تاریخی واقعات میں قرآن شریف احادیث کی تکذیب کرتا ہے ؛

مشابہت اور تطبیق کا نتیجہ وہی ہے (؟) جیسے کہ تاریخی ریویو میں حاصل ہوا تھا اگرچہ یہ امر ہمارے حاصل کلام کو قوت دیتا ہے لیکن پھر بھی یہ تطبیق ہمیں حدیث کے کل کلام میں کچھ حدود شناخت (؟) واقعات کی حدود و تعداد کے علاوہ یہ ہمیں کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتاتا یا ہمارے لئے ایسے قاعدہ کی تعیین نہیں کرتا کہ جس سے ہم جھوٹی حدیثوں کو خارج کر سکیں ؛

واقعات جنہیں ہم نے قرآن سے جدا کیا ہے اور وہ حکایتیں جو بالکل بناوٹی اور جعلی ہیں بلا تمیز ایک دوسرے میں آمیز ہو گئی ہیں اور ان کی باہم کچھ ایسی آمیزش ہو گئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے امتیاز کرنا مشکل پڑ گیا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھنے والا ہمیشہ اس بات سے ڈرا کرتا ہے مبادا تاریخی اصلی واقعات کی جگہ محض خیال کی باتیں اور من گھڑت اقوال قایم ہوں اس خوف اور ہیبت و دہشت سے بچنے کے لئے اسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو محض ایجادی اقوال سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے ؛

بیشک ڈی آر اسپرنگر کی یہ رائے توجہ کے قابل ہے وہ اگرچہ نبی کے سب سے زیادہ نزدیک نظر کو ہم حاصل کر سکیں تو وہ بھی سو گز سے کم فاصلہ پر نہ ہوگی اور اگرچہ یہ طولانی دو رویہ (؟) درختوں کے درمیان کا منظر مسلمانوں میں بلا شرکت غیرے حد اوسط قایم کرتا ہے تاہم ہمارا علم راویوں کے میل یا رغبت پر ہمیں اس وسعت کے صحت کرنے کے قابل بناتا ہے ایک حد تک یہ ریمارک صحیح ہے لیکن اس کی پوری معروفیت میں سچائی کے بھی پرے لی جائیگی کام کی

شکلیں بغیر خطرے کے کم قیمت نہیں ہو سکتیں ہے بعکس میں حدیث کی مختلف روشنیاں لاتا
گھڑی ہوئی اور جعلی حدیثوں کو خارج کرنا ان کڑیوں کو جو جھوٹی اور مغالطہ وہ سطح سے اٹھتی ہیں
واپس صحت تک واپس پھیر دینا۔ گمراہی کی وسعت کو جانچنا اور مزاحم اثرات سے واپس منہائی
کرنا یہ کام بڑے الجھیڑے اور وقت کا ہے اس کامل تکمیل اور اعلیٰ درجہ کی زیرکی اور افضل تر
سرشت کی تیزی جس پر انسانی فطرت فخر کر سکتی ہے چاہتا ہے۔

اس قاصر کامیابی میں جو اس کیساتھ عاید ہوری ہے۔ یہ سچ ہے پھر بھی ایک کوشش ضروری
کی جائے گی۔

یہ ممکن ہے کہ مضمون کی کثیر المعنی توجہ اور اغلاط کی خبرت آب امتیاز سے ہم صداقت
کے قریب تک پہنچ جائیں گے۔

اس نظر سے میں ایسے اصول قایم کرنے کی کوشش کروں گا جو تفحص کنان شخص کیلئے
اسلامی حدیث میں صحیح اور غیر صحیح کی تفریق کرنے میں فائدہ مند ثابت ہونگے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق روایتی شہادت میں بڑی فروگذاشت یا کمی اپنے
میں بالکلیہ یکطرفی شامل کرتی ہے یہ ایک توضیح ہے جو شاہد اپنے متعلق کرتا ہے جس میں کہ ذاتی
دلچسپی اور مطلق العنانی مخالفانہ گروہ کی طرف سے بے ضبط ہے اور اس میں سامعین کی بسط و فراخ
منظوری کی ضرورت ہے لیکن اس طریق میں جو کچھ کمی ہے ایک حد تک منضبط تحریر کی نہایت ہی
قریب تفحص اور جستجو سے اس کی صحت یا ترمیم ہو سکتی ہے۔ شہادت کے وسیلہ سے تجربہ کرنے اور
شاہد کی حیثیت اور منصب پر توجہ کرنے سے ہمیں بھروسا اور اعتبار یا شبہ کی وجوہات پوری ملتی
ہیں جبکہ توضیحات کے بعض مدارج کے حوالے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلامی خلایق اپنے
لئے بے طرفدار محتسب پیدا کر سکتی ہے اس حالتیں مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ حدیث کا دار و
مدار ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آیا بیان کردہ مضمون پر عام مسلمانوں کا میلان ہے تاہم دوسرے یہ بتلاتا
ہے آیا ان خاص دلچسپیوں کا کھوج بھی مل سکتا ہے جو راویوں کی تجویز بلا غور یا منصوبہ بازی
ظاہر کرتا ہو تیسرے آیا راوی ذاتی طور پر ان واقعات سے جنہیں روایت کرتا ہو واقف بھی ہوا نہیں۔
یہ دلیلیں عمدہ طور پر متعرض بحث میں اس زمانہ کا خیال کرنے سے جس سے ان کا تعلق ہے اور آس

مضمون کا جو اس میں موجود ہے آسکتی ہیں۔

اول (ا) وہ زمانہ جس سے کہ حدیث کا تعلق ہے۔ جان بخش شہرت کا ایک نکتہ ہوتا جب احادیث کے اصلی مصنفت خود محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب آپکی ۶۳ برس کی عمر تھی وفات پائی اور آپکے چند صحابہ جن سے حدیثیں نقل ہوئی ہیں اسی عمر کے تھے ان میں سے کوئی بڑی عمر کا بھی تھا انکے سوا برسون کے تناسب میں بوڑھے آدمیون کی تعداد بہت کم تھی اور وہ زمانہ بہت کم تھا جس میں وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات تک زندہ رہے اور یہ وجہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حدیث کے اطلاع دینے میں انکا اثر محدود ہونا چاہیے کثرت سے صحابہ کا گروہ نوجوان تھا اور اس مناسبت سے وہ نبی کی وفات کے بعد بہت دنون تک زندہ رہے اور انہون نے ہی زیادہ حدیثیں[۱] بیان کیں پھر ہم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی میعاد اس عرصہ میں جہان سے شاہدون کا سلسلہ پیدا ہوتا ہے بدنی قرار دیسکتے ہیں بہ یا دوسرے الفاظ میں ہم اس مطلب کو یون بیان کر سکتے ہیں کہ ہمیں فی الحقیقت ایسے شاہد نہیں ملتے جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ متقدم میں حیات تھے ہاں ایسے چند تھے جو آپ سے پہلے پیدا ہوتے تھے لیکن عموماً لوگ آپکے بعد ہی کے پیدائش تھے اسلئے وہ قابل اعتماد گواہ ان واقعات کیلئے نہیں ہو سکتے جو محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیدائش یا بچپن سے متعلق ہیں ایسے صحابہ بھی چند ہی ہیں جو آپکی نوجوانی کے متعلق حالات بتلاتے تھے کسی قیاس سے وہ ذاتی علم ان باتون کا حاصل نہ کر سکتے تھے اور یہ قبول کرتے کہ انہوں نے دوسرون سے اطلاع پائی یہ بات ان کی شہادت کی قیمت کو بجز ایک معاصر کی شہادت کے ضعیف یا خراب کرتی ہے ؀

دوم (ب) لیکن پھر شہادت کی قیمت اسقدر جز پر منحصر ہے جسمیں کہ واقعات اپنے حدوث

---

[۱] مثلاً حضرت ابوبکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دو برس بڑے تھے اور جب آپ تخت خلافت پر بیٹھے تو صرف دو ہی برس تک آپکی خلافت رہی بہت سے بڑے صحابہ کیا تو یہی صورت ہے اور کیا یہ ان جنگوں میں وفات پا چکے تھے اور آنکی وفات اس زمانہ سے بہت پہلے ہو چکی تھی جبکہ حدیث کا رواج ہوا ہے واقدی لکھتا ہے کیا وجہ ہے جس سے خاص خاص صحابہ نے چند گنی گنی حدیثیں بیان کیں حیرت ہے کہ اسوقت حدیثون کے بیان کرنیکی ضرورت نہ تھی صحابہ میں خاص حضرات ابوبکر و عثمان غنی و عمر وغیرہ نے بہ نسبت دوسرون کے چند حدیثیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیان کیں ہیں جو بے تعداد حدیثیں نوجوان صحابہ نے بیان کیں انہون نے ان کے مقابلہ میں بہت ہی کم رسول اللہ سے روایت کی ہیں۔
([illegible])

وقت ساتھ شاہد کی اطلاع پر موقوف ہیں اگر توجہ کی خصوصیت سے ان پر نظر ڈالی گئی ہوتو یہ اندازہ ہوگا کہ ہم ان سے ایک کافی بڑا اور معتبر ذخیرۂ اطلاع حاصل کرسکیں اور بہت پر سوچ کے گزر جانے کے بعد ایسے شاہد سے حتی الامکان جو کچھ امید کیجائیگی اسمیں عام طور پر ایک پیشہ خاکا واقعہ کا کھینچا ہوا معلوم ہوگا یہ اصول بالجبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح عمری کیساتھ اس سے پہلے جب کہ آپ مستقل رہنما ایک گروہ کے بن گئے چسپاں ہوتا ہے اس سے پہلے کوئی بات آپکی شہرت کے قابل نہ تھی۔

ایک شخص یتیم بچہ مسکین بے شہر شہری غرض کوئی بات ایسی نہ تھی کہ جس سے اہل مکہ کی نظریں آپ پر اٹھتیں اسلئے انکی قوت حافظہ اور قوت تخیلہ نے ضرورت نہیں دیکھی کہ وہ آپکی اس زندگی کی سوانح عمری کو اپنی لوح پر نقش کریں۔

(ذ) یہ الزام آتا ہے کہ تمام حالتوں میں جن پر ما سبق قواعد کا اثر پڑتا ہے قیمتی طور پر زبردست علامت جعل اور بناوٹی افسانوں کی پائی جاتی ہے اور پھر ہم مسیحی نکتہ چینی کے آئین کے مطابق اسے پاتے ہیں کہ کوئی حدیث کہ جسکی اصلیت مضبوطی سے واقعات کی معاصر نہیں ہے روایت کی خصوصیت کی تطبیق میں بالکل بے قیمت ہے۔[1]

یہ اصول ہمیں متجاوز حدیثوں سے نجات بخشے گا جس میں قریب قریب سرگزشت کے جزئیات اور بچپن کی سوانح عمری کے ابتدائی فقرات کی تائیدی نکات اسطرح محفوظ ہے گویا دروغ آمیز حکایتیں ایسی تازہ ہیں کہ کل ہی گزر چکی ہیں۔

(ر) مگر یہ درست ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری میں سے ایک بہت بڑا حصہ ساقط کیا جائے جسے معمولی حالتوں میں آپکے رشتہ دار اور واقفکار لوگوں نے فطری طور پر

[1] اسلامی علم حدیث پر الفرڈ کے ریمارک موثر معتبر ہیں وہ حوالات حدیث کے مواد میں پاکیزہ مسلمانوں کی طرف ہمارے قدم بڑھانے میں ہیں بہت بہت کچھ خاص اسباب سے ہیں ہماری زندگی کا حال حکمران شہنشاہ زمانہ جس عہد میں انجیل لکھی گئی تھی لیکن مسیحی راوی مسلمانوں کے مقابلہ میں خصوصیات کے اظہار کرنے کے ہنر میں مخلص بندے ہیں کیونکہ یہ صفت مسلمانوں ہی کے علم میں ہے کہ جب لوگ گزر سکتے ہو واقعات وہ اس طرح قلمبند کرتے ہیں گویا ان کے سامنے ہی ہو رہے ہیں یہاں تک کہ جزوی معاملات کی مکالمتیں بھی بیان کر جاتے ہیں۔

(ریویو کا نوٹ خود مسیحی کا لکھا ہوا ہے)

یاد رکھا ہوگا اور خود محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبانی ہی سنکر یاد رکھتے تھے اور اسطرح بعد ازاں وہ اس قابل ہوئے کہ معمولی صحت سے وہ باتیں لوگوں کے آگے بیان کریں مثلاً آپکے والد کی وفات اور بنی سعد کے خاندان کی ایک عورت کا آپکو دودھ پلانا اور آپ کی والدہ کی آپکو لیکے مدینہ روانہ ہونا اور وہ مہم جب آپکے چچا سفر شام کو روانہ ہوئے تھے اور آپ بچہ ہی تھے اور بھی ایک وسیع استثنا عام اشخاص اور قومی واقعات اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیدائشی واقعات کی تائید میں ضرور کیا جاسکتا ہے کیونکہ کامل طور پر لوگوں کی توجہ اسطرف ضرور مائل ہوئی ہوگی جبکہ اہل عرب کی مشتاقانہ عادتیں اور ان کے خاندان کے متعلق روح ان کی یادداشت کے لئے محکم اور مساعد ہوگی اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ابرہہ حبشی حملہ آور سے گفتگو کرنا اس گفتگو سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر شام میں ایک راہب سے کی تھی واقعات اور حقیقت پر زیادہ تر مبنی ہے اور ان کے سفروں کے متعلق واقعات میں کسیطرح شبہ ہی نہیں ہے۔

اسی استثنا میں کرسی نامے انکے تاریخی واقعات بھی شامل کرنے ہونگے جو کہ مدتوں سے محض یاد میں محفوظ رہتے چلے آتے تھے۔ عرب کی تاریخ میں یہ بھی ایک عجیب بات ہے اس میں شک نہیں کہ یہاں نظم قوت حافظہ کا اعلےٰ درجہ کا جوہر اپنے ساتھ شریک رکھتی تھی اشعار کا بے جوڑ کلام جب وہ گروہ میں پڑھا جاتا تھا تو بہت واہ واہ ہوتی تھی اور یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ بڑوں سے گذر کر بچوں کے لوگ زبان وہ اشعار ہو جاتے تھے۔

اس قسم کی نظموں میں سرداروں کے نام انکی شجاعت کے کارنامے۔ انکی پرجاہ و جلال عالی ہمتی انکی بے نظیر نجابت سان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے اوصاف محفوظ ہوتے تھے ان اشعار میں سے بہت سے اشعار قومی ہو گئے اور وہ نہ صرف ایک خاص قبیلہ کی تصدیق کرتے تھے بلکہ تمام عرب کے خاندانوں کی کیفیت ان میں مندرج ہوتی تھی۔

اسطرح نظم جو ان کے اسلاف کے کرسی ناموں اور قومی ناموریوں کے یاد کرنے کا ایک جوش تھا اور انکی ہمت حافظہ کی یکتائی جو نسلاً بعد نسلاً اسیطرح صحیح و سالم چلی آتی تھی اور جس نے ان کے آباؤ اجداد کے صدیوں کے واقعات جزوی و کلی اسیطرح محفوظ رکھے کہ محض

صورتوں میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ جزوی معاملات یوں حرف بحرف صدیوں سے چلے آئیں اور ان میں تغیر و تبدل آکے واقع نہ ہو۔ مگر جب دوسری شہادتوں اور اندرونی تطابق سے اس کی صحت کرتے ہیں تو حقیقت کھلتی ہے ٭

(۱) وقت کا دوسرا اہم حصہ وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام زندگی میں داخل ہونے اور مکہ معظمہ کے فتح کرنے کے بیچ میں پڑتا ہے۔

یہاں بیشک دو مخالفانہ گروہ ہمیں ملتے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں فانی جدال و قتال کے لیے صف آرائی کرتے ہیں جن کے بیانات ایک دوسرے کے مزاحم ہوتے ہیں لیکن اسی عرصہ میں یا اس کے کچھ دن بعد ایک گروہ کی بالکل بیخ و بنیاد اکھڑ کے پھینک دی گئی ان کے سردار تقریباً تمام میدان کارزار میں کام آئے اور باقیماندہ سرداروں پر فاتحوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس لئے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی ایک شہادت بھی نہیں پہنچی نہ کوئی تنہا وکیل مسلمانوں کے افعال بیان کرنے کے لئے بچا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گروہ نے جو الزامات ان کے ذمہ لگائے تھے اس کی وہ تدبیر کرتے اور اپنے اوپر وہ عناد آمیز افترا پردازیاں عاید نہ ہونے دیتے ٭

اس کے مقابل میں ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلاف کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کا بے گناہی یا معصومیت اور انصاف کا یک طرفی دعوے شاید دوسرے طور پر قابل سوال ہو۔

مدینہ کے باشندوں کی غیر محتاط اور بیخبر زبان اس کا کافی ثبوت دیتی ہے کہ جس وقت وہ اپنے دشمنوں کا ذکر کرتے ہیں اُن کی رائے کا ہے کلے غیر طرفدارانہ اور عادلانہ ہوتی ہے مگر اپنے مخالفوں کی نسبت ان کا فیصلہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔

(ف) جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں کا عظیم الشان گروہ جو ہنوز اسلام کا مخالف تھا وہ ضرور ان بیانات کو جو ان کے گروہ پر الزاماً بیان کئے جاتے تھے اپنے پر سے ہٹا سکتا تھا۔ یہ

لہ خود ابوسفیان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری مقابلہ تھا۔ پھر پر جوش مسلمان بن گیا اور اپنے بیٹوں کے جھنڈے کے نیچے پہلے شامی جنگ میں بڑی مردانگی دی ٭

بلا تامل قبول کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پبلک ارائے کی ضلالت یا تخریب پر مسلمانوں کو ڈسکا تھا۔ مگر اسلام اور بانی اسلام کا اسمیں کچھ ذکر نہ تھا نہ ان کے معاملات سے بحث ہوئی تھی ان کا اثر اپنے ذاتی حالات کے محفوظ کرنے میں متوجہ ہوگا اور شاید ان کے احباء ورشتہ دار حتی الامکان ان سے بمحبت پیش آتے ہونگے لیکن ان کا یہ اثر اچھی طرح سے طرفدارانہ تھا اسپر وہ بیان کرنا چاہیئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن جو ابتدائے زمانہ میں سخت مخالف تھے آپ کی زندگی ہی میں یا بعد ازاں تھوڑی مدت کے بعد دائرہ اسلام میں آگئے۔

اس سے بہت پہلے کہ حدیثوں کا دریا بہنا شروع ہوا ہوا ان ہی لوگوں نے اپنے کی عقل بت پرستی کو خوف اور حقارت سے نظر کرنا سیکھا تھا جب ایک مسلمان کی زندگی پر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ جہاں اس نے اسلام اختیار کیا اور وہ اپنی ماقبل عادات وصفات کا جانی دشمن بن گیا۔

اس نے حالت کفر میں گناہ کیے تھے۔ لیکن جہاں اس نے اسلام قبول کیا وہ خود اپنی نگاہوں میں اور دوسروں کی نظروں میں اور ہی شخص ہو گیا۔

نبی اللہ سے جو اس نے دلیرانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ اب وہ اس کا بیان اچھی طرح کر سکتا ہی اور یہ کہ سکتا ہے کہ ربانی پیغام نے اس پر اور اس جیسوں پر کیسی لعنت کی تھی اس قسم کی شہادتیں ہیں کہ جو اس طولانی جھگڑوں کی ایک طرفی حکایت پر جو مسلمان اور بت پرستوں میں مکہ میں ہوئے ہمیں جانچ کرنے کی راہ دیتی ہیں۔

(اس) پر ہمپر لازم ہے کہ ہم ناانصافی کی اٹھی کا اندازہ کریں اور اس بیرحمی کو دیکھیں جو مخالفان نبی پر توڑی گئی تھی تاکہ بلا شرکت غیرے معاندانہ شہادت کی منہائی کر سکیں ہم اور بھی ان مبالغہ آمیز توضیحات پر کہ مسلمان بت پرستوں نے سخت سخت مظالم تو زیادہ کر سکتے ہیں مزید برآں ان لوگوں کی تاریخ جو حالت کفر میں مکہ کی فتح سے پہلے مرے اور جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شربت مرگ چکھا بہت زور سے نکتہ چینی ہو سکتی ہے مثلاً ابو جہل اور ابو لہب پر ان کے نبی نے لعنت بھیجی ہیں کا ذکر مسلمانوں نے بڑی دلچسپی کیا ہے اس دن تک ہر مسلمان کی زبان سے یہ آواز بلند ہوتی ہے "خدا ان پر لعنت کرے کیونکہ وہ

نبی اور اس کے خدا کے دشمن سمجھے گئے۔ وہ کونسی آواز ہے جو مورخ کی بیباکانہ مبالغہ آمیزی اور فضول گوئی کی اس کے ملعون کاموں میں صحت کریگی یا ان ٹھیک ٹھیک مشتعل کرنے والے اسباب کو بتائیگی جو انہیں اپنے دشمنوں سے پہنچے تھے۔ فاجرانہ کوشش۔ بیہودہ نا مہرجہ خصلتی حضرت عمر کی تلوار کھنچی جو بار بار بدقسمت ملزم کی گردن پر پھرتی تھی ایسے گناہ پر جو بہت زیادہ قابل عفو تھا اس خونخوار کارروائی نے اسلام کو نہایت خوفناک ثابت کر دیا ؛

(ش) بعینہ وہی تخصیص اس شہادت پر عاید ہو سکتی ہے جو حوالے مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کے خلاف دیجاتی تھی جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا۔ یا ان کا استیصال کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا تھا۔

عرب کے مختلف قبیلے خواہ علیانی تھے یا یمکین جن پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم نے مختلف اوقات میں حملے کیے ان کی بھی وہی قسمت ہوئی جو ان کے بھائی یہودیوں کی ہوئی تھی

(ص) مدینہ منورہ کی گندم نما جو فروش یا دل برداشتہ آبادی پر اسی طرح تو صادق ہو سکتی ہے گو یہ صورت دوسرے لباس میں اپنا جلوہ دیگی اور اس میں اسی قسم کا رنگ چمکیگا جس آبادی نے پوشیدہ طور پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ذاتی یا بنیادی دعوے حکومت کی مخالفت کی تھی نبی نے اپنے ان دشمنوں سے مکہ معظمہ والوں کی طرح اپنی حفاظت کھلم کھلا جنگ کر کے نہیں کی بلکہ انہیں بڑے ہنر سے زیر و زبر کیا مدینہ والے کل بت پرستوں کی طرح یکایک غائب نہیں ہو گئے بلکہ رفتہ رفتہ جوں جوں اسلام کو قوت ہوتی گئی مدینہ سے ان کا استیصال ہو گیا۔ ہنوز احادیث کے راوی ان قبائل کے لیڈروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں مورخ حاسدانہ نظر سے ان کے خلاف شہادت دیتے ہیں ؛

دو وہم حدیث کا خود مضمون اور دوسرے راویوں کی نیتیں اور عام طور پر اسلامی ابتدائی سوسائٹی کی نظر میں ہماری ان کی معتبری پر بحث کرنے میں مدد کرتی ہیں خاص منظر جس میں یہ بحث کی جائیگی ذاتی۔ گروہی اور قومی میل اور رغبت پر مبنی ہیں ؛

(۱) ذاتی سوء ظن اور خود مطلبی نے مبالغہ آمیزی۔ جھوٹے ننگ اور تیز ایجاد اور گھڑت کو رواج دی علاوہ نمایاں حالتوں کے جنہوں نے خاص مذکورہ صورت میں جلوہ کیا ہے اور یہی مضمون

وجہ ہے جو خصوصیت سے اس راوی سے تعلق رکھتا ہے جیسے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کا حوصلہ ہے نبی کا نام واجب الاحترام تعظیم اور اولوالعزمانہ نجابت سے ہر جمع کئے گئے ہوئے مضمون میں داخل کیا گیا ہے نبی کی دوستی نے ایک رتبہ اور درجہ ایسا قائم کیا ہے جسے اسلام کی عالمگیر آواز نے قبول کر لیا ہے ؛

اس ادب کا سمجھنا بہت مشکل ہے جو آپ کی بیویوں اور صحابہ اور ملازمین کا عام مسلمان کرتے تھے ان سے بے انتہا باتیں دریافت کی جاتی تھیں ان کے جوابات کو بلا عذر اطاعت تسلیم کر لیا جاتا تھا تمام وہ لوگ جو نبی کا ذاتی علم رکھتے تھے اور خصوصاً وہ لوگ جنہیں آپ سے ملاقات ہونے کا فخر حاصل تھا اسلامی امراء کے دائرے میں بلا قیل و قال قبول کئے جاتے تھے۔

اس جیتے منظر کا خاکہ کھینچنے کے قابل ہے کہ جب یہ لوگ کوفہ اور دمشق کی مسجدوں میں صرف اپنی تصدیق سے حدیثیں بیان کرتے تھے تو کس شوق اور سرگرمی سے انہیں سنا جاتا تھا اور کس صدق دل سے قبول کر لیا جاتا تھا۔ ایسی خصوصیت کی صفات خالص قیمت ان کو تتبع اور پیروی کی طرف ابھارتی تھی ؛

سر ولیم کے اعتراضات ختم ہو گئے اب ہم اس کے مختصر جوابات دیتے ہیں کیونکہ میور کی طرح ہم طول نہیں دینگے مطالب تو بہت کم اور انشاپردازی زیادہ یہ فرضی انشاپردازی کے اعتراضات اکثر یورپی اور ہندوستانی عیسائیوں کے دستور العمل ہیں یہاں تک کہ سیکلوپیڈیہ یا برٹینکا میں جہاں اسلام سے بحث کی ہے جو کچھ لیا ہے میور ہی کی تالیف سے لیا ہے ؛

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ کتاب میں جس شخص نے اسلام پر مضمون لکھا ہے کوئی معمولی یورپی تو ہوگا نہیں بہت بڑا فاضل اجل ہوگا جب اس کی یہ کیفیت ہے تو بیچارے دیسی عیسائی کس گنتی میں ہیں ؛

اصل میں میور کے تین بڑے اعتراض ہیں جس کو اس نے ناحق اتنا طول دیا اول یہ کہ آنحضرت کے وقت میں کوئی کتاب حدیث کی نہ تھی اور بعد ازاں جب قبائل میں اختلافات ہوا تو ہر شخص نے اپنی تائید کے لئے حدیثیں بنا لیں ؛

نبی کے ایک صدی کے بعد حدیثیں جمع ہوئیں اور چونکہ مسلمانوں کو اپنے نبی کی محبت اور

ادب بہت تھا اس لئے جو شخص بیان کرتا وہ قبول کر لیا جاتا تھا۔ میرے خیال میں کل اعتراضوں کا ماحصل یہی ہے اور یہ ایسے بودے اور لغو اعتراضات ہیں جو اپنی لغویت کا خود اظہار کرتے ہیں ✦

معترض چونکہ عیسائی ہے اس لئے سب سے پہلے اس کا فرض یہ تھا کہ اناجیل کی تحریرات پر بھی غور کر لیتا جو حضرت مسیح کے صدیوں بعد لکھی گئیں اور جن میں ایسے بیانات موجود ہیں جنکو ایک معصوم پیغمبر سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے ✦

انجیلوں میں کھلم کھلا یہودیوں اور فریسیوں کو گالیاں دی گئی ہیں اور مخالفوں پر تبرے بازی کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا ہے کاش اس زمانہ کے مخالفین میں سے کسی کی تحریر ہوتی تو حقیقت کھل جاتی ✦

پادریوں نے اکثر کتب خانوں کو جلا دیا اور بعد ازاں وہ ظلم توڑا کہ کئی کئی ہزار آدمیوں کو ایک ایک حواری کے نام پر صلیب پر کھینچ دیا۔ پادریوں نے فتوے دیدیا تھا کہ جہالت نجات کی کنجی ہے اس فتوے کی بنا پر ہر خواندہ شخص کے لئے کفر کا تخنہ موجود تھا اور پھر وہ قتل کروا ڈالا جاتا تھا۔ نیک نہاد مورخ سر ولیم میور نے اس طرف سے تو بالکل آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی انشا پردازی کے زور میں جو چاہا اناپ شناپ لکھ مارا۔

ہم الزامی جواب دینا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس میں ایک محقق کی کمزوری پائی جاتی ہے ہم موجودہ اناجیل کو بڑے بڑے جید پادریوں کے مقابلہ میں محرف ہی نہیں بلکہ از سر تا پا فرضی ثابت کر چکے ہیں ✦

حیدرآباد کی تعلیم یافتہ جماعت اس کی گواہ ہے کہ دو تین جلسوں میں خاص کا سما پولیٹین ہال میں پادری گولڈ اسمتھ اور ان کے مددگاروں نے کیسی منہ کی کھائی تھی اور آخر میں انہیں مجبوراً اس بات کا اقرار کرنا پڑا تھا کہ انجیلوں کا بہت سا حصہ محرف ہے ✦

الحمد للہ اللہ نے ہمیں زبان و قلم دولوں ہی عنایت فرمائی ہیں ہم نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں جب کہ مقابل میں پادری گولڈ اسمتھ اور ان کے کل مددگار موجود تھے اور مسلمان تعلیم یافتہ اشخاص کا ایک عظیم گروہ حاضر تھا علی الاعلان یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہم انجیلوں کی تحریف کو

نہیں مانتے بلکہ ہمیں اس میں کلام ہے آیا انجیل کی کوئی آیت بھی حضرت مسیح کا مقولہ ہے یا نہیں ہم نے صاف طور پر کہدیا تھا ؛

"دہن کا ذکر کیا یان سر ہی غائب ہے گریبان سے"

پادری صاحب اور ان کے مددگارون نے جنہیں ہم نے اپنے عالی حوصلگی سے بولنے کی اجازت دیدی تھی بہتیرا زور لگایا اور جواب دئے مگر وہ تمام جواب مثل روئی کے دھنکار دئے گئے اور ابھی تک حیدرآباد کا مشن اور مسلمانون کی تعلیم یافتہ جماعت اس مناظرے کو بھولی نہیں ہے اسوقت کے دکھنی اخبارات اس بیان سے بھرے ہوئے ہیں کہ پادری گولڈاسمتھ اور ان کے مددگارون نے ایسی منہ کی کھائی کہ تمام عمر یاد رکھینگے ؛

اسیطرح بشپ لیفرائے صاحب دہلی کے مناظرے کی کیفیت بخوبی جانتے ہیں ایکبار انہون نے مجبور ہو کے خود اقرار کیا تھا کہ اس کا جواب خداوند مسیح سے دریافت کرکے بیان کرونگا اور وہ ایک فاش شکست کھا کے شب بھر بکرسٹ ہال میں رہے اور صبح کو بادل حزین اپنی کوٹھی پر تشریف لے گئے ؛

میور صاحب مظلوم احادیث پر کیا اعتراض کرینگے ان کے بڑے بڑے پیشوا اس بات کے ثابت کرنے میں کہ موجودہ اناجیل میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہے عاجز آگئے ہیں اور اب بھی ہم موجود ہیں جس پادری اور مسیحی مذہب کے زبردست محقق کا جی چاہے خواہ کسی شہر میں عام جلسہ کے اندر اسبات کو ثابت کر دے کہ اناجیل موجودہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن
ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت

اس لئے ہم اس کو بہت چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں کہ اناجیل موجودہ کا غلط ہونا ثابت کرکے الزامی جواب کی پیش دستی کریں ہم سر ولیم میور صاحب بہادر کو محققانہ جواب دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ کل اعتراضات کیسے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ان کے نکتہ چینیون کا پردہ کس طرح اٹھا دیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص کی زبان پر یہ ہو ؛

بزیر جامہ نہان کردہ بود ہیکل | بچشم اہل بصیرت برہنہ می آئی

سر ولیم میور صاحب نے اپنے اعتراضات کو جس صورت سے طول دیا ہے وہ اگرچہ دیکھنے میں زیادہ دلچسپ اور تحقیق علمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک محقق کی نظر میں ان کل طول طویل اعتراضات کا اصل مدعا صرف چند الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا یعنی انکی ساری تحریر کا مفہوم یہ ہے جسکو ہم ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نبوت کا بہت سا حصہ چونکہ پریشانی میں گذرا اور جبکہ آپ گم گوشہ رہے تھے اسلئے اس کثرت سے آپکے الفاظ نہیں ہو سکتے وہ صرف آپکے زمانہ محمود و مسعود میں حدیثوں کا دفتر منضبط نہیں ہوا تھا جس سے مسلمانوں کو آخر الزمان نبی سے اتنی محبت تھی کہ جس شخص نے جو کچھ رسول اللہ کے نام سے بیان کیا وہ پر شوق سامعین نے بلا بحث و دلیل بے کم و کاست قبول کر لیا چونکہ مسلمانوں میں کوئی معیار ایسا نہیں قرار دیا گیا جس سے احادیث نبوی کی صحت اور غیر صحت معلوم ہو سکتی پانچویں صدی کی لڑائیوں اور خاندانی اختلافات کی وجہ سے حدیثوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی ۔

قریب قریب فاضل مسیحی مورخ کے کل طول طویل اعتراضوں کا مفہوم یہی ہے جو ہم نے چند الفاظ میں ادا کر دیا۔ یقیناً اس کا جواب دینا کچھ بھی مشکل نہیں اگر ہم ایک ایک فقرہ کو نقل کرکے اس کا مفصل جواب دیں تو ایک پوری جلد صرف جوابات کی تیار ہو جائے مگر ہم ایسا نہیں کرینگے ہم کوشش کرینگے کہ نہایت مختصر پیرایہ میں کل اعتراضوں کے جوابات آجائیں کیونکہ ہم حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی شروع کرتے ہیں اور ہم نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے اگر خدا نے ہمیں توفیق دی کہ آپکے حالات زندگی اس بسط و شرح سے لکھے جائیں کہ کوئی پہلو آپکے تبلیغ نبوت آپکے اخلاق و الا صفات آپکے عالیشان تمدن آپکی پاک معاشرت آپکے مقدس غزوات آپکا طرز کلام آپکی نشست و برخاست وغیرہ کا باقی نہ رہے اور جبتک دنیا میں اردو زبان قائم ہے آپکے حالات کے بیان میں کسی دوسری کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہ پڑے اگرچہ ہمارا یہ دعوے بہت بڑا ہے مگر خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے ہم نے اپنی یہ آرزو ظاہر کی ہے اور ہم اس خدا لاشریک سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی توفیق عنایت فرمادے کہ ہم اپنی آرزو میں کامیاب ہوں آمین ثم آمین اے آفتاب چاند اور کل سیارے کے پیدا کرنے والے اے لا انتہا کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم رکھنے والے مجھ عاجز بے بضاعت کمزور لاعقل پر نظر رحمت کر تیری اور تجھ سے بڑے بڑے اہم مسائل جنہیں مشہور حکما کی عقلیں چکر میں آجاتی ہیں آسانی سے حل ہو جاتے ہیں ۔

سب سے پہلے میور صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا کام زیادہ تر تلوار سے رہا ہے اس سبب سے وہ مذہبی یا ملکی انتظامی معاملات کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے یہ اعتراض محض لغو اور بے بنیاد ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل حضرت مسیح کے ڈھائی تین سالہ خلافت میں اگرچہ جنگیں جاری رہیں لیکن مذہبی اور انتظامی امور کا فیصلہ اسلام کے پایہ تخت مدینہ میں برابر ہوتا رہا۔

خلیفہ خود مدینہ میں رہتے تھے اور سپہ سالار باہر جنگ کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے اس طرز فتوحات کا نام اگر بہیم وحشت ہے جیسا میور لکھتا ہے تو دنیا میں کبھی شائستگی نظر نہیں آسکتی

طولانی سفروں سے مقاصد دین میں کچھ فرق آسکتا ہے۔ باہمی لڑائیوں نے بھی جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے روایات یا حدیثوں کے جمع کرنیوالوں پر کچھ بھی اثر نہیں ڈالا۔ نہ سلطنت کا کچھ دباؤ تھا اور نہ خاندانوں کی تبدیلی کا۔

رہا یہ کہ وہ نسلیں جو حضور انور کے بعد وصال پیدا ہوئیں زیادہ گرویدہ دکھائی دیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دل میں اسقدر بڑھی کہ جہاں کسی مسلمان نے یہ کہا کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کر رہا ہوں وہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اس غیر معمولی شوق کی وجہ سے حدیثوں کا دریا امنڈ پڑا اور مسلمان اندھے ہو گئے اور حدیثوں کے راویوں نے تودے طوفان بنا کے کھڑے کر دیئے۔

اس بات کا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں جعلی بنالی گئیں جس طرح کہ تین سو ستر کے قریب حضرت مسیح کے فرضی حواریوں نے انجیلیں تصنیف کر کے عام عیسائیوں میں رواج دی تھیں۔ اور پھر تحقیق ہوتے ہوتے اور چھنتے چھنتے صرف چار حواریوں کی انجیلیں معتبر شمار ہوئیں اسی طرح احادیث بھی موضوع ہوئیں۔ لیکن جب خداوند تعالیٰ نے محقق اور پاکباز مسلمان ایسے پیدا کئے جنہیں کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنیکی قوت تھی انہوں نے تمام اسلامی ممالک میں چکر لگا کے کثرت سے احادیث جمع کیں اور ایک گراں بہا تحقیق کے بعد اس میں سے سچی حدیثوں کا انتخاب کر لیا۔ اور کھری کھوٹی حدیثوں کے جانچنے کا ایسا معیار قائم کر دیا جو قابل وقعت اور اعتبار دونوں ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر تمام اسلامی فرقوں کی حدیثیں جمع کی جائیں اور انکا باہم تطبیق

دیکھا جائے تو ایک بڑا ذخیرہ احادیث کا صحیح انتخاب ہو سکتا ہے۔

حضور انور کے حالات صحابہ کی زندگی اور روشن ہدایات میں کچھ بھی اختلاف نہیں ہے جس طرح سنیوں کی کتابوں میں غزوات اور حالات نبی اکرم کا بیان ہے اسی طرح شیعی اور خارجی اور معتزلیوں کی کتابوں میں بھی ہے صحابہ راشدین کی تعریف ہر فرقہ کرتا ہے۔ شیعوں کی معتبر کتب حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی کے محامد و مناقب موجود ہیں اور جو بزرگی ان صحابہ کی سنی تسلیم کرتے ہیں وہی بزرگی قدیم شیعی علماء نے بھی تسلیم کی ہے خارجی بھی اس سے منکر نہیں ہیں ٭ مذہبی اصول پر اختلاف احادیث نے کوئی اثر نہیں کیا۔ کیوں کہ قرآن مجید ہر گروہ میں مسلم اور بے کم و کاست موجود ہے۔ شیعی بھی اس کو کلام خدا سمجھتے ہیں اور سنی اور خارجی اور معتزلی بھی جو حشیں کسی فرقہ میں ایسی ہیں جن سے قرآن مجید ہم زبان نہیں ہے وہ حدیثیں فی الحقیقت مردود اور جعلی ہیں کل فرقے نے اسلام کی احادیث یکزبان ہو کے اصول کی تائید کرتی ہیں مثلاً پنجوقتہ نماز میں شیعی سنی خارجی اور معتزلی میں کوئی فرق نہیں ہے صدقہ زکوۃ وغیرہ میں قریب قریب کل فرقے ہم آہنگی کرتے ہیں۔ حضور انور کی روشن ہدایتیں بے کم و کاست سب میں یکساں رائج آتی ہیں۔ صحابہ کے آثار پر سب کا ایمان ہے۔ ان سب باتوں کی تفصیل انشاء اللہ حضور انور کی سوانح عمری میں موقعہ بموقعہ پوری آجائے گی۔

جہاں مسلمانوں کو محبت کی وجہ سے اپنے نبی کے حالات سننے کا شوق تھا وہاں ساتھ ہی ساتھ ان میں تحقیق کا مادہ بھی موجود تھا۔

میور صاحب نے یہاں ناقابل معافی غلطی کی ہے کہ مسلمانوں کی محبت سے تعرض کر کے انہیں اندھا مقلد بتانا چاہا ہے۔ مگر یہ ان کی عمداً حق سے چشم پوشی ہے اگر وہ ایسا خیال کریں مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق سے محبت کر کے پھر حرم نہیں کیا ان کی محبت تحقیق کے لئے کبھی مانع ہوئی ان کی آزادی تو یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایک معمولی بڑھیا خلیفہ وقت کو ٹوک دیتی تھی۔ کہ فلاں بات صحیح نہیں ہے۔

اگر مسلمانوں میں آنکھ بند کر کے اس طرح سننے کا شوق ہوتا تو کیوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں مردود کر دی جاتیں اور کیوں ان احادیث کو معیار سے جانچا جاتا یہ ایک عظیم بہتان ہے

جو میور نے مسلمانوں پر لگایا ہے ✤

اس میں شک نہیں کہ فاضل مسیحی مورخ کو پیروان دین محمدی کا غیر معمولی عشق دیکھ کے اسلئے حسد ہوا ہو گا کہ حضرت مسیح کے حواری اپنے خداوند سے بدظن اور اسکے دشمن تھے اور جس حواری سے آپ بہت محبت فرماتے تھے اس نے چند بیسوں میں آپ کو فروخت کرکے یہودیوں کے حوالہ کر دیا اور صلیب پر کھچوا دیا اور باقی سب وقت پر بھاگ کھڑے ہوئے اور اسقدر حضرت مسیح کو ستایا اور پریشان کیا کہ بیچارے دق ہو ہو کے کہتے تھے دور ہٹ جاؤ اے بے ایمانو میرے پاس سے تم میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر تم میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوتا تو تم پہاڑ سے کہتے سرک جا وہ اپنی جگہ سے سرک جاتا" اپنے خداوند اور اسکے حواریوں کی یہ کیفیت فاضل مورخ ملاحظہ کر چکا ہے اس لئے اس کو اس غیر معمولی عشق سے حسد ہوا جو صحابہ یا بعد کی نسلیں اپنے ہادی برحق سے رکھتی تھیں ✤

یہ محض غلط اور بے دلیل دعوے ہے کہ کسی کی غیر معمولی محبت عیب وصواب دیکھنے سے قاصر کر دیتی ہے محبت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک تو وہ محبت جو کسی دنیاوی غرض سے تعلق رکھتی ہو یہ محبت بیشک اندھا بنا دیتی ہے اور کسی کام کا نہیں رکھتی ✤

دوسری محبت دینی تعلق سے ہوتی ہے اس محبت میں انسان کا باطن روشن رہتا ہے انسان کی قوت مدرکہ اپنا کام کرتی رہتی ہے حواس خمسہ میں کچھ فرق نہیں آتا تحقیق کی طرف طبیعت دوڑتی ہے اور احتیاط کی عادت اسقدر پڑ جاتی ہے کہ اپنی بے انتہا غور ریزی اور تحقیق پر بھی بھروسہ نہیں ہوتا اور ہر وقت انسان خائف رہتا ہے۔

مثلاً جب خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے درخواست کی ہے کہ میں آپکی موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دوں اور حکم دیدوں کہ ان ہی احادیث کی پیروی کریں جو اس میں جمع کی گئی ہیں تاکہ ایک ہی قسم کی احادیث کا رواج ہو جائے ✤

یہ سنتے ہی امام مالک ڈر گئے اور کہا کہ امیر المومنین ایسا کبھی نہ کرنا ممکن ہے اور مسلمانوں کے پاس اس سے بھی زیادہ صحیح احادیث موجود ہوں اور ان کے ترک کرانیکا عذاب مجھے بھگتنا پڑے

دیکھا یہ احتیاط تھی اور یہ خوف تھا۔ اس واقعہ سے ہمارے اس قول کی پوری تصدیق ہو گئی کہ جو محبت اللہ کے واسطے کی جاتی ہے اس میں احتیاط اور خوف اول درجہ کا ہوتا ہے۔ تحقیق میں بے انتہا عرق ریزی کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر تکیہ نہیں کیا جاتا۔ روزمرہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس عشق کے متوالے جن کی نسبت حضرت مولانا روم نے یہ لکھا ہے۔

عشق ہائے کز پئے رنگے بود　　عشق نبود عاقبت ننگے بود
این نہ عشق است اینکہ در مردم بود　　این فساد از خوردن گندم بود

گندے ہوتے ہیں اور اپنے گندے پن میں ذلیل و نامراد رہتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کی محبت میں پاکیزگی صداقت اور صفائی ہو اس میں نہ گندا پن ہوتا ہے اور نہ غلاظت۔ وہ عشق سخت محتاط بنا دیتا ہے اور جب محتاط ہو گئے تو پھر تحقیق حالات مقدم ہے۔

عام طور پر لوگ عشق اور اس کے نتائج غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح میور کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے عشق کے معنی یہ نہیں ہیں جو میور نے اندھی تقلید کے پیرائے میں ظاہر کئے ہیں۔ عشق کے معنے ہیں اپنی پوری قوت مدرکہ اپنی روشن ضمیری اور دلی و دماغی کو پاک جذبات قلب کے ساتھ نیک نامعلوم امر کی تحقیقات کی طرف متوجہ کر دینا۔ بس عشق کی تعریف سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی ہے نتائج تو خود بخود وقتاً فوقتاً پیدا ہو جائیں گے۔ اور جو انکشافات ظہور میں آتے جائیں گے عشق کی آگ پر تیل پڑتا جائیگا۔ طبیعت مزید تحقیقات کے لئے آگے بڑھیگی اور ہمیشہ صد ہا منازل تحقیق طے کرتی رہے گی۔

فاضل مسیحی مورخ نے اپنے خیال میں بات تو بہت بڑی نکالی تھی کہ مسلمانوں کے غیر معمولی عشق نے جو انہیں اپنے نبی سے تھا ان کے منہ پر تحقیق کا دروازہ بند کر دیا مگر کچھ ہی آگے چل کر خبر پڑی اور اس بیچارے کو یہ اعتراض منہ کے بل آ پڑا۔

اس کے بعد میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب فتوحات اسلام کو ترقی ہوئی اور جدید نسلوں کی ضرورتیں بڑھیں تو قرآن مجید ناکافی تصور ہوا اور تل چکا کہ قرآنی اصول کو وسعت دی جائے اور دستور العمل اسی سے حکمرانی کرتے تھے اور ابھی تک قرآن ہی علم الہی امور سیاسیہ اور قانون کا اصل الاصول تھا۔

یہ بھی محض غلط ہے میور صاحب نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے خود دھوکا کھایا ہے یا عمداً اپنی

لاعلمی ظاہر کرکے فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ لوگ دہوکہ میں آجائیں۔ حضور انور نے معاملات ملکی میں زبردستی قرآن مجید کو دخل نہیں دیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے عاملوں یا گورنروں کو عہدہ پر جاتے وقت ہدایت فرمائی ہے کہ قرآن و حدیث میں جو بات نہ ملے تم اپنی رائے سے مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ اس سے زیادہ آزادی رائے کی قدر اور مذاہب نے کب کی ہے یہی حکم تھا جس نے اسلام میں ہزاروں علماء پیدا کر دیئے اور مسلمانوں کے ایک عظیم گروہ نے قیاس اور اجتہاد پر اپنا کلی اعتماد ظاہر کیا۔

اس کے بعد مناسب ہے کہ چند موٹی موٹی باتوں کا بالتفصیل جواب اور بھی دیا جائے اگرچہ ہم نے یہ التزام کیا ہے جیسا کہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضور انور کے واقعات زندگی کے سلسلہ میں فاضل مسیحی معترض کے ایک ایک اعتراض کا جواب ہو جائیگا۔ لیکن تو بھی تمہید ہی میں مختصر جواب دیدینا کچھ نامناسب نہیں ہے چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں "بوڑھے شہزادے کی شہادت پر" الخ (دیکھو صفحہ ۲۵ سیرۃ الرسول) یہ محض لغو اور بے سر و پا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ نے سلطنت کی یکجہتی کو پارہ پارہ کر دیا تھا لڑائی اور باہم خونریزی ہوئی لیکن کسی فریق نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں حدیثیں نہیں پیش کیں بنا صرف اس خونریزی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی فریق مخالف یہ کہتا تھا کہ حضرت علی کو تخت خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینا چاہیئے تھا اور حضرت علی یہ فرماتے تھے کہ مجھ میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے کہ میں انتقام لے سکوں۔ مگر یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ دینی لحاظ سے سب باہم متفق تھے اور جب باہم صلح ہوئی ہے تو جھنڈے پر قرآن مجید آویزاں کیا گیا تھا۔ بنی امیہ نے حضرت علی کی خلافت کے خلاف کبھی حدیثیں نہیں پیش کیں اور نہ حضرت علی نے کوئی حدیث اپنی تائید میں دوہرائی نہ بنی امیہ نے احادیث کی کوئی کتاب ترتیب دی اور نہ بنی فاطمہ نے مدت تک خونریزی ہوتی رہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور پھر آپ کے چند نوجوان خاندانی آدمیوں کی شہادت سے جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتی رہی احادیث نبی کریم پر اپنا مخالف و موافق کچھ اثر نہیں کیا۔ اسلام میں اگر کچھ رخنہ اندازی پڑی بھی تو صرف چند یہودیوں اور آتش پرستوں کی وجہ سے پڑی جنہوں نے بظاہر اپنے کو مسلمان کہا اور درپردہ اپنے مذہب پر قائم رہے

سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں عبداللہ بن سبا [illegible] کرتے ہیں خدا کو مفسد ہوا جس نے ابتدا میں غلط روایات [illegible] اور ان کا [illegible]

بنائی گئی اور اس کی بیان کردہ روایتوں کا تار تار الگ کر دیا گیا۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے سب سے پہلے یہ کارروائی کی کہ چند اپنے ہمخیال آدمی ساتھ لیکے مدینہ میں آیا اور حضرت علیؓ سے کہا آپ ہی مستحق خلافت ہیں اور آپکے خاندان کے سوا کسی کو بھی خلافت نہیں پہونچ سکتی یہ سنکے حضرت علیؓ بہت ناخوش ہوئے اور آپنے حکم دیا کہ عبداللہ بن سبا آئندہ ہمارے سامنے نہ آسکے یہ مسلمانوں میں فساد کرانا چاہتا ہے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہی بدمعاش یہودی حضرت عثمانؓ کے قتل کا باعث ہوا تھا اور اسی نے اس گروہ کی بنیاد ڈالی جو اپنے کو شیعان علی کہنے لگا حضرت علی کی فوجوں میں چلا گیا اور سپاہ کو بہکانا شروع کیا اور ان کے دلوں میں فریق مخالف کی طرف سے دشمنی کا بیج بو دیا یہ بدنصیب یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمانہ خلافت سے اپنی بدمعاشی دکھا رہا تھا لیکن اس زبردست خلافت میں دال نہیں گلی اور اس پر آشوب زمانہ میں اس کو موقع مل گیا اگرچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے اس یہودی کو اپنے کیمپ میں سے نکلوا کر نکال دیا تھا لیکن یہ بدسرشت برابر اپنی بدسگالی پر قائم رہا اور اسی نے مسلمانوں میں کئی گروہ پیدا کر دیے۔

جو ملکی لڑائیاں مسلمانوں میں ہوئیں ان سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ طرفین ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے تھے یہاں تک کہ حضرت امام حسین نے اپنے قاتلوں کو بھی مسلمان کہہ کے پکارا ہے جب ان لڑائیوں سے مذہب پر کچھ اثر نہیں پڑا تو پھر حدیثوں میں آمائش غرائش کے پیدا ہونے کی کیا ضرورت تھی جتنی جعلی حدیثیں ہیں وہ سب یہودیوں اور آتش پرستوں کی گھڑی ہوئی ہیں جنہیں ہمارے محقق علمائے مجروح کر کے خارج کر دیا۔

صحابہ کی باہمی مخالفت کی کہانیاں بالکل غلط ہیں ان میں اختلاف کا خیال ضرور تھا جو لازمہ قانون قدرت ہے مگر اس کو نادان دشمنی پر محمول کرتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی اور شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کل صحابہ باہم متفق و متحد تھے اور ایک دوسرے پر جان نثار کرتے تھے اس اتفاق سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کوئی جعلی حدیث نہیں بن سکتی تھی فاضل یہودی مورخ نے غلطی میں باہم مناقشہ ثابت کر کے فائدہ اٹھانا چاہا ہے مگر وہ اپنی مراد میں کامیاب نہیں [illegible] الاصل تھا۔

[illegible] کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ

[illegible]

قبل از غسل او در آمدہ گفت اے عمر خدائے عز و علا بر تو رحمت کناد کہ من غیر از تو ہیچکس را نمیدانم کہ صحیفہ اعمال او موافق جریدہ افعال او باشد [illegible] ان دارم کہ ملاقات من با حضرت پروردگار شمال [illegible] نامہ تو باد باشد و ظن من آنست کہ خدائے تعالیٰ تو را با حبیب خویش و خلیل او یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جدا نہ سازد و نیز اکہ من بسیار از رسول شنیدم کہ فرمود کہ من و ابوبکر و عمر چنیں کردیم چنیں رفتیم و تو بپیوستہ مذکر ثالث ایشان بودے تمامی تعالیٰ عز و علا ترا بیامرزد و لے پس خطاب کہ آیا اعانیات ام عالم بودے و لغیر انا و جل ذکرہ از ہیچکس بہم ندانستے و در اجرائے حکم جانب ہیچ احدے ملاحظہ نفرمودے بحق جواد بودے و بباطن بخیل می بودے از دنیا فقیر بودے و با آخرت غنی (روضۃ الصفا جلد دویم صفحہ ۲۵۵)

جب یہ اتحاد اور اتفاق ثابت ہے پھر کوئی وجہ یہ خیال کرنے کی نہیں ہے کہ حدیثیں وضع کی گئی ہوں اور سر ولیم میور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی نے حکم دیدیا تھا کہ جو حدیثیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سامنے بیان ہو چکی ہیں ان کے علاوہ اور کوئی حدیث نہ بیان کی جاوے اگرچہ اس قول کیں سند نہیں ملتی لیکن اس حکم کو یقین کرنے کے بعد بھی ہمارے دعوے میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوتی۔ عبد اللہ بن سبا اور اس کے مفسد ساتھی موجود تھے اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف سر گوشیاں ہونے لگی تھیں ممکن ہے کہ فریق مخالف نے آپکی خلافت کے خلاف جعلی حدیثیں بنالی ہوں اور ان میں غل ڈالنے کے لئے وہ ان جعلی حدیثوں کی شہرت دیتے ہوں اور بات قطعی یہی ہو آپ کا یہ حکم دینا کہ سوائے ان حدیثوں کے جو پیغمبر و خلیفہ بیان کر گئے ہیں کوئی حدیث نہ بیان کی جائے اس بات کی شہادت ہے کہ مفسدوں کی فتنہ پردازیاں اعتدال سے بڑھ گئی تھیں یہ تو ماننا پڑے گا کہ ان مفسدوں نے مسلمانوں میں خونریزی بہت کرائی اور اختلافات بھی خوب ڈالا مگر الحمد للہ کہ کوئی اصولی اختلاف وہ اسلام میں پیدا نہ کر سکے جیسا مسیحی فرقوں میں ہے اللہ تعالیٰ نے جو اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے یہ اسی کا صدقہ ہے کہ ان تمام لڑائیوں اور متفاوت گروہوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی اسلام کے اصول میں ذرا بھی اختلاف نہیں آیا قرآن کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں نماز کو روزہ کو حج کو زکوٰۃ کو فرض جانتے ہیں نبی کو اپنا نجات دہندہ یقین کرتے ہیں خدا کو ایک قادر جانتے ہیں اور اسی کو منکر کا ماننے ہیں معبودوں ... کی پرستش کو بیجا سمجھتے ہیں اور ان کا ابطال کر سکیگا

۵۷ یہ روایت صحیح نہیں [illegible]

گوشت شراب و جوا حرام اور فعل شیطان ہو نکاح۔ طلاق اور تمدن کے جو اصول ہیں سب کل فرقہ ہائے
اسلام کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کہنا کہ جعلی حدیثیں بن گئیں اور انہوں نے مسلمانوں میں اختلاف ڈالدیا محض غلط
اور لغو ہے۔ اب رہا اختلاف یہ فروعی ہے اسلام کو اس سے کچھ تعلق نہیں یہ سب خیالی اور ملکی جھگڑے ہیں جن سے
اسلام بہت دور ہے۔ مثلاً شیعوں اور سنیوں کا جھگڑا کہ حضرت علی بلا فصل خلیفہ ہیں یعنی پہلے انہیں خلافت
ملنی چاہیئے تھی وہ نہ ملی میں کہتا ہوں کہ اسلام کا ان باتوں سے تعلق کیا۔ حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو
اصول اسلام میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہوتی اور چوتھے خلیفہ ہوئے تو کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ نفس اسلام
کو صحابہ کی خلافت سے بحث کیا وہ ملکی معاملات تھے صحابہ کی کثرت رائے سے خلیفہ بنایا جاتا تھا اسمیں کیا
کسی کا دینا آتا ہے کہ پہلے حضرت علی کی طرف کثرت رائے کیوں نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ
حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور ان کے علاوہ اور ہزارہا صحابہ شہید ہوئے تو پھر اسلام کو ان
شہادتوں سے کیا تعلق ہے جبکہ ان شہادتوں سے اسلام کے اصول میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی پھر کیوں
ان شہادتوں پر مذہبی رنگ کی افشان کیجائے ہم اسکے مجاز بھی نہیں ہیں کہ ان شہادتوں کو حق و ناحق کہیں اس کا
مجاز خود خداوند تعالیٰ ہے اور وہ اُن کے رتبے آخرت میں بلند کریگا کیونکہ ہر متنفس کا معاملہ اپنے پیدا کرنیوالے
کے ساتھ ہے۔ اگر صحابہ میں باہم اتفاق تھا تو ان کے لئے تھا باہمی نا اتفاقی تھی تو انکے لئے تھی ہم کون
کہ اُن کے اتفاق و نااتفاق سے اپنی کوٹھریوں میں بیٹھ کے بیہودہ نتائج استنباط کیا کریں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ ان امور سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور میں اسی لحاظ سے یہ دعویٰ کرتا ہوں
کہ الحمدللہ اسلام میں اصولی اختلاف نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوا۔ اور اصولی اختلاف ہو کیونکر سکتا تھا
جب کہ قرآن مجید ہر فرقِ اسلام کے آگے کتاب اللہ ہے اور کسی نے اسکے کتاب اللہ ہونے میں
کبھی اختلاف نہیں کیا۔ اب میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف فروعی کے اسباب بیان کرتا ہوں
جس سے صاف طور پر احادیث کا فروعی اختلاف سمجھ میں آجائیگا۔

پہلا باب

صحابہ اور تابعین کے درمیان فروعی اختلاف ہونے کے اسباب

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ موجودگی میں فقہ مدون نہیں ہوئی تھی اور نہ

فقہا کی بحث کی طرح احکام میں بحث نہیں ہتی کیونکہ فقیہہ نہایت کوشش سے ارکان و شرائط و آداب غرض ہر ایک کو جدا جدا دلیل کیساتھ ثابت کرتے ہیں اور انکی فرض کی ہوئی صورتوں پر کلام کرتے ہیں اور جو قابل تعریف ہی اسکی تعریف بیان کرتے ہیں اور ان فرض کی ہوئی صورتوں پر کلام کرتے ہیں اور جو قابل حصر ہے اسکا حصر اور احاطہ کرتے ہیں و علی ہذالقیاس لیکن حضور کے وقت میں یہ بات نہیں تھی آپ وضو فرماتے تھے اور صحابہ بھی اسی طرح وضو کرنے لگتے تھے اسکا ذکر ہی نہ تہا کہ یہ فرض ہی اور یہ مستحب ہے اسیطرح آپ نماز پڑہتے تھے اور صحابہ آپکو دیکھ کے اسی طریقہ سے نماز پڑہنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور لوگوں نے حضور کا حج دیکھا پس جس طرح آپنے حج کیا اسی طرح انہوں نے کیا اور حضور کا اکثر حال یہی تہا آپنے یہ نہیں بیان فرمایا کہ وضو میں فرض چھ ہیں یا چار ہیں اور آپنے وضو میں موالات کی بہی کوئی قید نہیں لگائی۔

ایسی چیزیں حضور انور سے لوگ بہت کم دریافت کرتے تھے روحانیت کو ان باتوں سے کیا علاقہ ہے عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ وہ حضور انور کے صحابہ سے بہتر ہو انہوں نے تمام عمر میں حضور انور سے صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے تھے۔ یہ سب مسائل قران مجید میں موجود ہیں عبداللہ ابن عباس کہا کرتے تھے صحابہ نبی کریم اس بات کا سوال ہی نہ کرتے تھے جو انہیں فائدہ بخش نہ ہو۔

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جو چیز موجود نہیں تہی اسکے متعلق کبھی ہم نے حضور انور سے سوال ہی نہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص پر لعنت کیا کرتے تھے جو ایسی چیز سے سوال کرے جو موجود نہ ہو قاسم سے جب پے در پے سوال ہوئے تو انہوں نے جھنجھلا کے کہا کہ تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو جو ہم نہیں پوچھا کرتے تھے اور تم ایسی چیزوں کی کاوش رکھتے ہو جنکی حقیقت ہم نہیں جانتے اور اگر ہم ان کو جانتے تو انکا چھپانا ہمیں جائز نہ ہوتا۔

عمر ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ حضور انور کے اصحاب کیطرح میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو سہولت میں زیادہ ہو انکے اسلام میں پیچیدگیاں اور مشکلات مطلق نہ تھیں کسی امر میں شدت بالکل نہیں کرتے تھے یہ کل آثار دارمی نے نقل کئے ہیں۔

حضور انور کے دربار میں جب مقدمات پیش ہوتے تھے آپ انمیں فتوی دیتے تھے جب

آپ آدمیوں کو نیکی کرتے دیکھتے تھے تو انکی تعریف فرماتے تھے اور جب آپ کوئی برائی کرتے تھے تو انکی مذمت فرماتے تھے اور آپ کا ہر ایک فتویٰ اور ہر ایک فیصلہ اور برائی کرنیوالے کی مذمت مجمع عام میں ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جب کسی مسئلہ میں انہیں علم نہ ہوتا تھا تو اور لوگوں سے حضور انور کی حدیث دریافت کرتے تھے مثلاً ایکدفعہ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ دادی کا حصہ دینے کے باب میں میں نے حضور انور سے کچھ نہیں سنا۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ نے لوگوں سے ارشاد کیا کہ کسی نے تم میں سے دادی کا حصہ دینے کے باب میں کچھ سنا ہے اسپر مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اے خلیفہ برحق حضور انور نے دادی کو چھٹا حصہ دلوادیا ہے آپ نے ارشاد کیا تیرے سوائے مغیرہ کوئی اور بھی اس بات کو جانتا ہے اسپر محمد بن سلمہ نے کہا مغیرہ سچا ہے۔ پس آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا اور قصہ دیت جنین کے بارے میں حضرت عمر کے سوال کرنے اور حدیث عبد الرحمن بن عوف کیطرف رجوع کرنیکا اور اسیطرح قصہ مجوس میں حضرت عمر کا انکی حدیث کیطرف مائل ہونا اور عبد اللہ ابن مسعود کا حدیث معقل بن یسار سے خوش ہونا جبکہ وہ انکی رائے کے موافق ہوئی اور قصہ حضرت عمر کے دروازے سے ابو موسیٰ کے پھر جانے اور حضرت عمر کی حدیث پوچھنے اور ابو سعید خدری کی شہادت دینے کا غرض ایسی ہی بہت سی روایتیں صحیحین و سنن میں مروی ہیں غرض یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مبارک عادت تھی ہر ایک صحابی نے آپکی عبادات فتووں اور فیصلوں میں جو کچھ خدا نے انہیں میسر کیا انکو اپنے پاس محفوظ رکھا اور سمجھا اور قرائن کے سبب سے ہر ایک نے وجہ بیان کی بعض انہیں سے بعض کو حاجت پر محمول کیا اور بعض کو اباحت پر اور جو علامتیں اور قرینے انکے نزدیک پسندیدہ تھے وہ انہوں نے تسلیم کئے بس اختلاف کی بنیاد یہاں سے شروع ہوئی مگر غور کرکے دیکھا جائے تو یہ اختلاف امت مرحومہ کے لئے سبب رحمت تھا اور جو بوقت ہماری شامت اعمال سے سبب غضب ہو رہا ہے۔

پھر صحابہ اسکے بعد مختلف شہروں میں چلے گئے اور ہر ایک صحابی کسی نہ کسی گروہ کا امام اور پیشوا بن گیا چونکہ روز بروز اسلام کو وسعت ہوتی جاتی تھی اسلئے مقدمات بھی نئے نئے آنے لگے اور جن میں ان صحابہ کو فتوے دینے پڑے اور ہر ایک نے اپنی یادداشت یا اشتباہ کے

بموجب فتویٰ دیا اگر کسی مقدمہ میں حضور انور کی حدیث نہیں ملی تو اپنی رائے سے فرمودہ رسول کریم کے موافق اجتہاد کیا اسی طرح روز بروز صحابہ میں باہم اختلاف رائے پیدا ہوتا گیا مگر ساتھ ہی ہر صحابی کی یہ کوشش رہی کہ حضور انور کی موافقت میں جہانتک ممکن ہو کوئی دقیقہ فروگذاشت نہو نے پائے اس وقت ان میں کئی قسم کا اختلاف ہوگیا جس میں ایک قسم یہ ہے کہ ایک صحابی نے کسی حکم یا فتوے میں حکم سُنا اور دوسرے نے نہیں سُنا پس اس نے اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا اسکی بھی کئی قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ اس کا اجتہاد حدیث کے موافق ہووے اسکی مثال وہ ہے جسکو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت کے باب میں عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کہ عورت کا شوہر مرگیا اور اس کے لیے کچھ مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور انور کو اس باب میں حکم دیتے ہوئے نہیں دیکھا وہ لوگ چلے گئے مگر پھر آپ کے پاس آئے اور اصرار کیا کہ اس عورت کے متعلق کچھ حکم دیجیے جب آپ پر بہت اصرار کیا گیا تو آپ نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور حکم دیا کہ اس کے لیے مہر مثل ہے نہ کم ہو نہ زیادہ اور اسپر عدت واجب ہے اور اسکے لیے میراث ہے اسوقت معقل ابن یسار نے کھڑے ہوکے شہادت دی کہ حضور انور نے ہم میں سے ایک عورت کی نسبت یہی حکم دیا تھا پس عبد اللہ بن مسعود اس سے ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد اس سے زیادہ کبھی خوش نہوئے تھے

دوسری قسم یہ ہے کہ دونوں میں مناظرہ واقع ہوا اور حدیث اس طریق اور سند سے ظاہر و ثابت ہوئی کہ جس پر ظن غالب ہو پس وہ اپنے اجتہاد سے حدیث کی طرف رجوع کرے اسکی مثال وہ ہے جس کو ائمہ نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ کا مذہب یہ تھا کہ جب حاجت غسل میں صبح ہوجائے تو روزہ نہیں ہوتا یہانتک کہ بعض ازواج پاک نے ان کے مذہب کے خلاف انکو خبر دی اسپر انہوں نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اس کو حدیث پہنچی لیکن نہ اس سند سے کہ اسپر ظن غالب ہو پس اس نے اپنی رائے نہ چھوڑی بلکہ حدیث پر طعن کیا اسکی مثال وہ ہے جس کو اصحاب رسول نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے عمر ابن خطاب کے روبرو شہادت دی کہ مجھے تین طلاقیں دی گئی تھیں اور رسول اللہ نے مجھے نفقہ اور رہنے کا مکان نہیں دلوایا حضرت عمر نے اسکی شہادت رد کی اور فرمایا کہ ایسی عورت کے قول سے ہم نہیں جانتے ہیں کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی ہم کتاب اللہ کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں تین طلاق والی عورت

کو نفقہ اور رہنے کا مکان دینا چاہیئے جب حضرت عائشہ نے فاطمہ کی اس شہادت کو سنا تو فرمایا کہ فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے خدا سے نہیں ڈرتی اور ایسی شہادت دیتی ہے جس سے آیندہ ہزارہا عورتوں کی حق تلفی ہو۔

دوسری مثال شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ عمر ابن الخطاب کا یہ مذہب تھا کہ جس شخص کو حاجت غسل ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم اس کو کافی نہیں ہے پس عمار نے آپکے آگے روایت کی کہ میں سفر میں حضور انور کے ہمراہ تھا مجھے حاجت غسل ہوئی مگر پانی نہ ملا اسلیے میں مٹی میں لوٹا اور پھر حضور انور سے عرض کیا حضرت نے فرمایا تجھ کو ایسا کر لینا کافی تھا حضرت عمر نے یہ روایت قبول نہ کی اور ان کے نزدیک کچھ حجت نہوئی یہانتک کہ یہ حدیث دوسرے طبقون میں بہت سی سندوں سے مشہور ہو گئی اور طعن کا موجب وہم ہو گیا پس دوسرے طبقہ والون نے اس حدیث پر عمل کیا ◆

چوتھی قسم یہ ہے کہ حدیث انکو پہنچی ہی نہیں اسکی مثال مسلم کی روایت ہو کہ عبد اللہ بن عمر نہانے کے وقت عورتون کو سر کھولنے کا حکم کرتے تھے حضرت عائشہ نے یہ سن کے کہا عبد اللہ بن عمر سے تعجب ہو کہ عورتون کو سر کھولنے کا حکم کرتا ہے یہ حکم کیون نہیں کرتا کہ سر منڈوا ڈالیں میں نے نہاتے وقت کبھی سر نہیں کھولا اور حضور انور کے سامنے سر پر صرف تین بار پانی ڈال لیا کرتی تھی۔ دوسری مثال وہ ہو جسکو زہری نے نقل کیا ہو کہ ہندہ کو استحاضہ کے باب میں حضور انور کی اجازت نہیں پہنچی تھی پس وہ نماز دو پڑھنے کی وجہ سے روتی رہتی تھیں اور ان ہی اقسام میں ایک قسم یہ ہے کہ صحابہ نے حضور انور کو ایک فعل کرتے دیکھا پس ان میں سے بعض نے اس فعل کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے اباحت پر اس کی مثال وہ ہے کہ جس کو اصحاب اصول نے قصہ تحصیب یعنی منیٰ سے پھرنے کیوقت ابطح میں اترنے کے باب میں روایت کیا ہو کہ حضور انور ابطح میں اترے پس ابو ہریرہ اور ابن عمر کی یہ رائے ہے کہ یہ اترنا بطریق عبادت تھا پس انہون نے سنن حج میں سے اسکو قرار دیا اور حضرت عائشہ اور ابن عباس کی یہ رائے ہے کہ یہ اتفاق تھا سنت نہیں ہے دوسری مثال جمہور کی یہ رائے کہ طواف میں دوڑنے اور اکڑتے چلنا سنت ہے اور عبد اللہ بن عباس کی یہ رائے ہو کہ حضور انور نے محض ایک ہنگامی سبب سے ایسا کیا تھا اور وہ ہنگامی سبب یہ تھا کہ مشرک کہنے لگے تھے کہ اصحاب رسول کو مدینہ کے بخار نے شکستہ اور ضعیف کر دیا ہے اور یہ سنت ہو۔ ان ہی اقسام میں سے اختلاف وہم ہے اسکی مثال یہ ہے کہ حضور انور نے حج کیا اور لوگون نے آپ کو دیکھا پس بعض کی

یہ رائے ہوئی کہ آپ متمتع تھے اور بعض کی یہ کہ آپ قارن تھے اور بعض کی یہ کہ مفرد تھے دوسری مثال ابوداود روایت کرتے ہیں کہ سعید ابن جبیر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے بیان کیا کہ اے ابوالعباس رسول اللہ کے احرام کے باب میں اصحاب رسول کے مختلف ہونے سے میں متعجب ہوں عبداللہ بن عباس نے جواب دیا کہ مجھے اس کا خوب علم ہے حضور انور نے صرف ایک ہی بار حج کیا تھا جس سے اصحاب میں اختلاف پیدا ہوا +

(یہ بڑی لطیف بحث ہے اگر آپ اسکو غور سے پڑہیے گا تو اختلاف صحابہ اور مجتہدین کے راز کا پردہ اٹھ جائیگا)

حضور انور حج کے عزم سے نکلے جب ذی الحلیفہ میں آپ دو رکعت پڑھ چکے تو اسی مجلس میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد حج کی نیت کی اور حج کے لئے لبیک کہا بس بہت سی قوموں نے آپکے اس کو سنا اور اسکو یاد رکھا پھر آپ سوار ہو گئے جب اونٹنی کھڑی ہو گئی پھر آپ نے لبیک کہا اور بہت سی قوموں کو صرف یہی معلوم ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ گروہ گروہ آگے پیچھے آتے تھے جن لوگوں نے اونٹنی پر سوار ہونے سے پہلے آپکو لبیک کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنا وہی مذہب اختیار کر لیا اور جن لوگوں نے سواری کے بعد آپ کی زبان مبارک سے لبیک سنا ان کا وہی مذہب ہو گیا پھر حضور انور نے جب بیدا کی بلندی پر قدم رکھا کے لبیک کہا بہت سی قوموں نے اسوقت لبیک کی آواز سنی اور ان کا یہ مذہب ہو گیا کہ حضور انور نے صرف بیدا کی بلندی پر چڑھ کے لبیک کہا تھا مگر خدا گواہ ہے کہ مسجد میں نماز کی نیت کے بعد سے جو آپ نے لبیک کہنا شروع کیا تو بیدا کی بلندی تک آپ برابر لبیک کہتے رہے +

اس کے علاوہ سہو سے بھی اختلاف ہو گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے رجب میں عمرہ کیا یہ سن کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انپر سہو کا حکم لگایا +

اختلاف ضبط بھی ایک دوسری وجہ ہے جس کی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر نے حضور انور سے یہ روایت کیا کہ میت پر اگر اسکے گھر کے لوگ نوحہ کریں تو عذاب کیا جاتا ہے بس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حکم لگایا کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی اصلی وجہ پر ضبط نہیں کیا اسکی اصلی کیفیت یہ ہے کہ رسول اللہ کا ایک یہودیہ پر گزر ہوا کہ اسپر گھر والے نوحہ کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ تو اسپر نوحہ کر رہے ہیں اور

اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے پس عبداللہ بن عمر نے گمان کیا کہ نوحہ عذاب کا سبب ہے اس کے بعد اختلاف علت حکم میں مختلف ہونے سے بھی پیدا ہوگیا ہے اس کی مثال جنازہ کے لئے توکھڑا ہونا ہے پس بعض کی رائے یہ ہے کہ علت قیام تعظیم ملائکہ ہے پس مومن کافر دونوں کے لئے عام ہے بعض کی یہ رائے ہے کہ خوف موت علت ہے پس اس صورت میں بھی دونوں کو شامل ہے اور بعض نے یہ کہا کہ رسول اللہ کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا پس آپ اسکو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اس وجہ سے کہ آپ نے اس کو مکروہ جانا کہ وہ آپ سے بلند ہوجائے تو اس صورت میں کافر کے ساتھ قیام کا مخصوص ہونا ثابت ہوتا ہے ✤

اس کے بعد وجہ اختلاف دو مختلف حدیثوں کے تطبیق دینے میں پیدا ہوئی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضور انور نے جنگ خیبر میں متعہ کا حکم دیا تھا مگر پھر اس کو منع فرمایا پھر جنگ اوطاس میں اجازت دی پھر اُسے منع فرمادیا پس عبداللہ بن عباس نے کہا کہ ضرورت کے لئے اجازت تھی اور جب ضرورت جاتی رہی تو منع فرمادیا اور ہمیشہ کے لئے یہی حکم باقی ہے اور جمہور کی یہ رائے تھی کہ اجازت اباحت تھی اور نہی اس کی ناسخ ✤

دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ نے استنجا کرنے میں قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا پس ایک قوم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور منسوخ نہیں ہوا اور جابر نے وفات سے ایک برس پیشتر رسول اللہ کو قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے استنجا کرتے ہوئے دیکھا پس ان کی رائے یہ ہے کہ آپکا یہ فعل بھی سابق کا ناسخ ہے اور عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ کو قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے اور بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا پس عبداللہ بن عمر نے اس حدیث سے ان کے قول کو رد کیا اور ایک قوم نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی پس شعبی وغیرہ کی یہ رائے تھی کہ یہ قیود جنگل کے واسطے مخصوص ہیں اور جب انسان بیت الخلا میں ہو تو قبلہ کی طرف منہ کرنے یا پشت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے اور ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ کا یہ قول عام ہے اور منسوخ نہیں ہوا اور فعل رسول میں یہ احتمال ہے کہ وہ رسول کی ذات ہی کیساتھ خاص ہو پس وہ اس قول کا ناسخ ہو سکتا ہے نہ مخصص اب بیان سے ہر عاقل اور بالغ شخص صحابہ میں اختلاف ہونے کے اسباب کا بخوبی پتہ لگا لیگا ✤

ایک بات مختلف طور پر کرنے سے حضور انور کا منشا دین میں سہولت پیدا کرنے کا تھا آپ نے طہارت یا ایسی ہی اور باتوں کو جزو اسلام قرار نہیں دیا کیونکہ اگر یہ باتیں جزو اسلام میں ہوتیں تو ان کے عمل میں صورتوں کا اختلاف نہ ہوتا۔ صحابہ کا ان مسائل میں باہم مختلف ہونا ہزارہا مسایل کے انکشافات کا باعث ہوا اور ہر صحابی کے تابعین میں سے ہر تابعی کو جو کچھ میسّر ہوا ان سے اسی طرح لیا اور حدیث رسول اللہ اور مذہب صحابہ میں سے جو کچھ ملا اس کو یاد رکھا اور سمجھا اور جس طرح ممکن ہوا اختلافی مسائل میں تطبیق دی اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی ان کی نگاہوں میں بعض اقوال اگرچہ وہ صحابۂ کبار سے منقول تھے ضعیف ہوئے جیسے کہ جو مذہب تیمم جنب کے باب میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ ان کے نزدیک بسبب ان احادیث کے کہ عمار اور عمران بن حصین وغیرہ سے مشہور ہیں ضعیف ہوا اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے آزادی رائے کی ہمیشہ قدر کی ہے اور عقل کو بیکار نہیں کیا ہے۔

خیال کرنے کی جگہ ہے کہ جب روایتوں اور ان کی مصلحتوں کو آزادی رائے سے جانچ کیا گیا تو حضرت عمر کی روایت کردہ حدیث یا رائے کو ایک ادنی صحابی کے مقابلہ میں ضعیف قرار دیا گیا بلکہ اسکو بالکل ہی قابل عمل نہ سمجھا اس سے زیادہ آزادی رائے پر دنیا کا اور کوئی مذہب فخر نہیں کر سکتا عیسائیت کی طرح مذہب اسلام خاص کسی شخص کے ذاتی خیالات کا نتیجہ نہیں ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کا دارو مدار محض ایک ایسے شخص پر ہے جو نہ ناصری ہے نہ مشرقی لوباس رکھتا ہے بلکہ یورپ کا رہنے والا ہے نہ اس نے حضرت مسیح کو کبھی دیکھا۔ اور ان کے اقوال کو بڑھا محض ذاتی وجاہت حاصل کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور اسکے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا کہ حضرت مسیح کے اقوال لوگوں کے ذہن سے فراموش ہو چکے تھے۔ اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جس کو نفس علیسویت سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اس نے فریب اور شراب کو عیسائیت کا اصل الاصول قرار دیا یعنی اس نے حکم دیا کہ اگر انجیل کی اشاعت فریب سے بھی کی جائے تو جائز ہے اور اگر صحت کیلئے تھوڑی سی شراب پی لی جائے تو منع نہیں ہے یہ حضرت پولوس ہیں جن کی یہ کارستانی ہے عقل اور آزادی کا رائے کا مسیحی مذہب میں اس قدر رتیج مارا گیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ پولوس مقدس کے خیالات پر رد و قدح کر سکے۔

جب اسلام کو ترقی ہوئی تو علمائے تابعین میں سے ہر ایک عالم کا مذہب مستقل ہو گیا۔ پس ہر ایک شہر میں امام قایم ہوا جیسے سعید بن المسیب سالم بن عبد اللہ۔ ابن عمر ان کے بعد زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمٰن مدینہ میں اور عطار بن رباح مکہ میں اور حسن بصری بصرہ میں اور طاؤس بن کیسان یمن اور مکحول شام میں پس اللہ نے لوگوں کو ان کے علوم کا تشنہ لب بنا دیا اور وہ ان کی طرف راغب ہوئے اور ان سے انہوں نے حدیث صحابہ کے فتوے اقوال اور خود ان علماء کے مذاہب اور وہ تحقیقات جو انہوں نے خود کی تھی حاصل کی ان سے فتوے دریافت کئے اور ان کے مابین مسائل دائر ہوئے اور انکے روبرو مقدمات پیش کئے گئے سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی اور جو لوگ ان کی مثل تھے انہوں نے فقہ کے تمام ابواب جمع کئے اور انکے پاس ہر ایک باب میں ایسے اصول تھے کہ انہوں نے ان کو سلف سے سنا تھا اور سعید اور انکے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ مکہ مدینہ والے فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں اور انکے مذہب کی اصل حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فتوے اور فیصلے اور عبد اللہ بن عمر اور عائشہ اور عبد اللہ بن عباس کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں پس جو کچھ ان کو میسر ہوا اس میں سے جمع کیا لیکن آنکھ بند کر کے نہیں مان لیا بلکہ اپنے جمع کئے ہوئے تحقیق و تنقید کی پھر کثرت رائے خیال کیا جس پر علمائے مدینہ کا اتفاق اور اجماع تھا اس کو تو انہوں نے دانتوں میں مضبوط پکڑ لیا اور جس مسئلہ میں ان کا اختلاف تھا اس میں کثرت ارباب رائے یا قیاس قوی یا کتاب و سنت پر غور کرنے کے بعد جو رائے درست دیکھی اس پر عمل کیا اور اگر کسی مسئلہ کا جواب نہ پایا تو ان کے کلام میں سے اس مسئلہ کے جواب کو پیدا کیا اور ایما اور مقتضائے کلام کی تفتیش کی۔ پس ان کے پاس ہر ایک باب میں بہت سے مسئلے ہو گئے۔ اور ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی یہ رائے ہے کہ عبد اللہ بن مسعود اور ان کے شاگرد فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں جیسا کہ علقمہ نے مسروق سے کہا کہ کیا عبد اللہ بن مسعود سے صحابہ میں کوئی شخص افضل ہے اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ نے اوزاعی سے کہا کہ ابراہیم سالم سے فقہ میں زیادہ ہیں اور اگر فضیلت صحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ عبد اللہ بن عمر سے فقہ میں زیادہ ہیں +

اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں اور ابراہیم کے مذہب کی اصل عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے فیصلے اور فتوے اور کوفہ کے قاضیوں میں سے شریح وغیرہ کے فیصلے ہیں غرض انہیں سے جو کچھ ابراہیم کو میسر ہوا جمع کر لیا اور جسطرح مدینہ والوں نے آثار میں کیا تھا اسیطرح انہوں نے انکے آثار میں کیا اور مدینہ والوں کیطرح تخریج کی ہیں انکے پاس ہر باب میں فقہ کے مسائل ہو گئے اور سعید بن مسیب مدینہ کے فقہا کی زبان بنے ہوئے تھا حضرت عمر کے فیصلوں اور ابو ہریرہ کی حدیثوں کو سب سے زیادہ یاد رکھتے تھے اور ابراہیم کوفہ کی فقہا کی زبان بنے ہوئے تھے جسوقت سعید بن مسیب اور ابراہیم کوئی بات کہتے تھے اور اسکو قائل کیطرف نسبت نہیں کرتے تھے تو وہ بات غالباً سلف میں سے کسی کیطرف صریحاً اور ایماً منسوب ہوتی تھی غرض دونو نیز انکے شہروں کے فقہا نے اتفاق کر لیا انسے مسائل سنے اور انھیں سمجھا اور ان سے تخریج کی۔

(۲)

دوسرا باب

مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں اختلاف سبب رحمت قرار دیا گیا ہے لیکن اختلاف سے علماء کا اختلاف مراد ہے نہ کہ جہلا کا جنمیں سوائے دھینگا مشتی اور دلی بخار نکالنے اور مخالف کو زک دینے کے کچھ نہیں ہوتا علماء یا فقہائے کرام کے اختلاف کی ایک حیرت انگیز تاریخ ہے جو اسلامی حوادث طبعی کا ایک جزو اعظم ہے اور اصل پوچھیئے تو اسلامی ترقی کی ابتدا اور اسکے تمدن کی نشو و نما محض اسی اختلاف کا صدقہ ہے۔

اگر تاریخ عالم کو غور سے دیکھا جائیگا کہ وہ اسباب جنپر انسانی ترقی کا دارومدار ہے ایسے پوشیدہ ہیں کہ بغیر کھوج لگائے ان کا پتہ نہیں لگتا ہر قوم کے تنزل اور ترقی کا حال ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ تنزل اور ترقی کے کیا اسباب تھے کیونکہ ہمارے علوم جدیدہ کی الف بے یہ ہے کہ کوئی شے بغیر کسی سبب

حادثہ نہیں ہوتی۔ خواہ وہ ظاہری ہو یا چھپا ہوا۔ اسی طرح اگر ہم غور اور خوض سے اس امر کا پتہ لگائیں گے کہ مسلمانوں کی ترقی یا تنزل کے اسباب کیا تھے تو ضرور ہمیں اصلی اسباب کا انکشاف ہو جائیگا۔

ڈاکٹر موسیو لیبان نے تو مسلمانوں کے تنزل کا سبب صرف انکی جنگجو طبیعت کو بتایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب دنیا میں مسلمانوں سے لڑنے والا کوئی نہ رہا تو وہ آپس میں کٹ کٹ کے مر گئے مگر مجھے فاضل ڈاکٹر کی رائے سے اختلاف ہے میں یہ کہتا ہوں کہ ترقی و تنزل کا دارومدار محض آزادی رائے پر موقوف ہے قوم کے جو افراد ایک دوسرے کی رائے کی وقعت کرتے ہیں وہ قوم دنیا میں سرسبز ہوتی ہے جب قوم میں ذاتی اغراض کا زہر ہلاہل سرایت کر جاتا ہے تو ایسی بلا پہلے نازل ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ کسی کی رائے کی وقعت نہیں کرتی اور اسی میں تحقیق، تجربہ علمی اور استخراج مسائل کی کل شاخیں آگئیں جن بدنصیب دماغوں میں بیہودہ اور اندھی پابندی کا جنون بھرا ہوا ہوتا ہے وہ نہ خود کوئی نئی بات نکالتے ہیں اور نہ دوسروں کی ایجاد پر تحسین کرتے ہیں بلکہ انکو ایسے شخص سے دشمنی ہے جو علمائے اسلام کی آنکھ بند کرکے تقلید نہ کرے یعنی بیجا انکی ہر بات کو نہ مانے علمی تحقیق کا اندھی تقلید نے بیج مار دیا ہے اور آزادی رائے کا تو قوم میں ایسا بیج مار گیا ہے کہ دید بھی شنید ہو بیچارے مقلد تو خواہ مخواہ بدنام ہیں یہاں ہندوستان میں جتنے فرقے ہیں سب پر تقلید کا جن سوار ہے جو انہیں ایک منٹ بھی فرصت نہیں دیتا

ایک کاریگر کبھی نئی ایجاد نہیں کرے گا اسلئے کہ اسکے باپ دادا نے ایسی کوئی ایجاد نہیں کی تھی۔ ایک بڑھئی کبھی جدید اوزاروں سے کام نہیں لیگا اسلئے کہ اسکے باپ دادا نے یہ جدید اوزار نہیں استعمال کئے تھے ایک مصور کبھی جدید علمی اصول کو نہیں سیکھنے کا کیونکہ اسکے باپ دادا کی سنت کے خلاف ہے ایک سادہ کار زیور کی ساخت میں کبھی جدت نہیں پیدا کریگا کیونکہ اسکے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا ایک دولتمند کبھی ترکی یورپ یا امریکہ کی طرز کے مکانات نہیں بنائیگا کیونکہ اسکے بزرگوں کے خلاف ہوگا ایک نئی تعلیم یافتہ سرسید کے خلاف ایک بات نہ سن سکیگا کیونکہ وہ سرسید کا آنکھ بند کرکے مقلد بن چکا ہے ایک غیر مقلد جو اپنے کو تقلید سے آزاد سمجھتا ہے کبھی اپنے استاد کی بات کے خلاف کسی کی بات نہیں سنیگا نہ اسکے جانچنے کیلئے اپنی عقل پر زور دیگا

کیونکہ وہ اسکو کفر سمجھتا ہی غیر مقلد تو مقلد ہی ہیں کیا خدا کی شان ہی جس کتاب کو ہم آسمانی کتاب کہتے ہیں اور جسپر ہمارا ایمان ہی وہ تو سختی سے اس اندہی اور بیہودہ تقلید کو روکتی اور آزادی رائے کی وقعت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بغیر فکر کئے اور سمجھے تم ہرگز میری بات کو نہ مانو اور ان لوگوں کی تعریف کرتی ہے جو آسمان اور زمین میں فکر کرتے ہیں اور اسباب معاد و معاش پر غور کرتے ہیں اور ہم بدبخت اس نعمت غیر مترقبہ کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے جو خداوند تعالی نے ہمیں بخشی ہے

آپ ہندوستان میں کوئی اسلامی گروہ تو ایسا نکال دیجئے جسمیں آزادی رائے کی قدر کیجاتی ہو اور ایک شخص کے خیالات کو وقعت سے دیکھا جاتا ہو اگر ایک شخص سے یہ کہئے کہ تمہارے استاد یا پیر نے فلاں مقام پر یہ غلطی کی ہے تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑیگا اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیگا حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ جب قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کو منسوخ تسلیم کر لیا گیا ہے جب ہزارہا احادیث کو موضوع مانا گیا ہے پھر کیوں ایک شخص اپنے استاد یا پیر یا پیشوا کو انسانی کمزوریوں اور خطاؤں سے مبرا سمجھتا ہی بات صرف یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا مادہ نہیں ہے اور نہ ہم کسی بات کی تحقیق کرنا پسند کرتے ہیں بس یہی بڑی وجہ ہمارے تنزل کی ہے کیونکہ ایک شخص کی غلطی کا اسکے صدہا بلکہ ہزارہا بیوقوف مریدوں کی وجہ سے افشا نہیں ہوتا اور جس جہالت میں اس گروہ کا پیر گرفتار تھا اسی جہالت میں اسکے پیروان کا گروہ ہمیشہ گرفتار رہنا بڑا فخر جانتا ہے۔

پہلے مسلمان ایسے نہ تھے وہ اندہی تقلید کے جانی دشمن تھے ان میں تحقیق کا مادہ تھا انسانی آزادی رائے کی قدر کرتے تھے وہ اگر اپنے مقابلہ میں ایک معمولی شخص کی رائے صحیح سمجھ لیتے تھے تو فوراً اسکو مان لیتے تھے اس بات کے سمجھنے کیلئے یہ مثال کافی ہے۔ جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے صحابائے راشدین کے مقابلہ میں تابعین کی رائے کو ترجیح دی جب مسلمانوں نے اپنی فتوحات شروع کیں تو دو پرانے تمدن یعنی تمدن ایران اور تمدن روم حکومت مشرقی کے چراغ ٹمٹما رہے تھے اس نئی دنیا سے جسمیں حضرت عمر کے غلاموں نے قدم رکھا وہ نہایت ہی متاثر ہوئے اور بہت جلد اس نئی دنیا کے علوم و فنون و ادب آزادی مستعدی کیساتھ تحقیق کرنے لگے جس مستعدی سے انھوں نے ملک کو فتح کیا تھا۔ خلفائے اسلام نے حکومت کو مستقل کرنے کے بعد ہی کل بڑے بڑے شہروں میں تعلیم و تربیت کے مرکز قائم کئے

اور کل ایسے علماء کو جو مشہور تصانیف علی الخصوص تصانیف یونان کا ترجمہ کر سکتے تھے جمع کیا۔

خاص اسباب کی وجہ سے ان علماء کا جمع ہو جانا آسان ہو گیا تھا ایک مدت دراز تک یونان و روم کے علوم و فنون ایران و شام میں پھیل گئے تھے جسوقت حکومت مشرقی سے نسطوری پادری نکالے گئے تو انہوں نے عراق عرب میں مقام اڈیسیا میں ایک مدرسہ قائم کیا جسکے ذریعہ سے یونانی علوم کی اشاعت ایشیا میں ہونے لگی جب زینو ایساری نے اڈیسیا کو غارت کیا اسوقت ان علما کو ملوک ساسانیہ نے اپنے دربار میں بلا لیا اور اسکے بعد ہی جب جسٹینین نے ایتھنس اور اسکندریہ کے مدارس کو بند کر دیا یہاں کے اساتذہ بھی ایران میں جمع ہو گئے ان اساتذہ نے کتب یونانی کو جنمیں ارسطو جالینوس اور ڈیاس کریڈس کی تصنیفات شامل تھیں سریانی اور کلدی وغیرہ مشرقی زبانوں میں جو اس وقت بہت مروج تھیں ترجمہ کیا۔

جب عربوں نے ایران و شام پر قبضہ کیا تو انہیں وہاں ان یونانی علوم کے ایک حصہ کا ذخیرہ ملا عربوں نے ان سریانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور جن تصنیفات کا ترجمہ اسوقت تک ہوا تھا وہ بھی جلد عربی زبان میں آگئیں اور علوم ادب کی تحصیل نہایت مستعدی سے شروع ہو گئی + عربوں نے زیادہ عرصہ تک تراجم پر اکتفا نہ کی اور یونانی علما کی کتابیں اصلی زبان میں پڑھنی شروع کیں اور انہوں نے زبان یونانی کو اسطرح سیکھ لیا جیسا کئی صدی بعد اندلس میں زبان لاطینی اور قسطلی سیکھی اسکوریل کے کتبخانہ میں اسوقت عربی یونانی عربی لاطینی اور عربی اسپینی لغات میں موجود ہیں جنکے مولف مسلمان تھے۔

اگرچہ یہ بات ماننی پڑیگی کہ عربوں کے پہلے اُستاد یونانی تھے لیکن خود انکی طبائع میں اسقدر جدت خیال اور تحصیل علم کا ولولہ تھا کہ انہوں نے بہت دنوں شاگردی پر جو یورپ کیلئے ازمنہ متوسطہ میں کافی سمجھی گئی تھی قناعت نہ کی اور وہ اس محدود دائرہ معلومات سے بہت جلد باہر نکل آئے عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے اگرچہ اس خاص امر میں بہت سی اقوام انکے برابر ہوئی ہیں لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لیجا سکی اسلئے کہ وہ اندھی تقلید نہیں کرتے تھے اور ان میں آزادی رائے کی بہت بڑی قدر تھی اختلاف خیال کا نام مثل ہم بدنصیبوں کے انہوں نے دشمنی نہیں رکھا تھا جب وہ

کسی شہر کو فتح کرتے تو انکا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہاں ایک عالیشان مسجد اور ایک مدرسہ بنائیں شہروں میں انکے مدارس کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی تھی بنجمن ڈی تو دِل جو ۱۱۷۳ء میں مرا ہے بیان کرتا ہے کہ اُسنے اسکندریہ میں بیس مدرسے مسلمانوں کے دیکھے ہیں۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد و قاہرہ طلیطلہ اور قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دار العلوم تھے جنمیں علمی تحقیقات کے کارخانے رصد خانے عظیم الشان کتب خانے غرض علمی تحقیقات کا پورا ذخیرہ موجود تھا صرف اندلس میں ستر کتب خانے تھے۔

مورخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانہ میں جو قرطبہ میں تھا ۶ لاکھ جلدیں تھیں جنمیں سے ۴۴ جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی اسکے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ "چار سو برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتبخانہ کی بنا ڈالی تو نو سو جلد سے زیادہ نہ جمع کر سکا اور انمیں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری تھی نہ تھی" کتبخانہ کی علمی تحقیقات کے کارخانے اور آلات تعلیم و تحقیق کے لازمی وسائل ہیں لیکن یہ محض وسائل ہی ہیں اور انکا بکار آمد ہونا محض انکے طریقہ استعمال پر موقوف ہے ممکن ہے کہ کسی شخص کا دماغ دوسروں کے علوم و فنون سے بھرا ہوا ہو مگر اسمیں خود تحقیق یا اختراع کا مادہ ہی نہ ہو اور وہ شاگردی کی حالت سے اُستادی کی حالت کو پہنچ ہی نہ سکے۔ ان ایجادوں اور اختراعوں سے جنکا ذکر آگے آئیگا۔ معلوم ہوگا کہ عربوں نے اس علم سے جو انہوں نے دوسروں سے اخذ کیا کسقدر کام لیا۔

یہاں ہم محض اصول کو بیان کرینگے جنپر انہوں نے اپنی علمی تحقیق کا مدار رکھا یونانیوں کی شاگردی کرنے اور انکی تصنیفات کو پڑھنے کے بعد انہیں بہت جلد معلوم ہوگیا کہ تجربہ اور مشاہدہ کو عمدہ عمدہ کتاب پر ترجیح ہے اگرچہ یہ قول اسوقت ایک قضیہ مسلمہ ہے لیکن پہلے ایسا نہ تھا زمانہ متوسط کے علما نے ایک ہزار برس کی محنت میں اس مسئلہ کو سمجھا۔

تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل میں تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عموماً بیکن[1]

[1] فرانسس بیکن ایک بہت مشہور انگریزی امیر اور مصنف ہے اسکی تصانیف کثرت سے ہیں اور یہ اس فلسفہ جدید کا جسمیں مشاہدات اور تجربہ سے کام لیا جاتا ہے موجد سمجھا جاتا ہے علاوہ مصنف اور فلسفہ داں کے دولت میں بہت بڑی بڑی خدمتیں بھی حاصل کیں اور بالآخر لارڈ چانسلر کے عہدہ پر جو عدالتی خدمات میں سے اعلےٰ درجہ ہے مقرر ہوا سال پیدائش ۱۵۶۱ء سال وفات ۱۶۲۶ء ۔۔۔

کیطرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اسوقت تسلیم کرنا چاہیئے کہ اسکے موجد عرب تھے۔ کل محققین یورپ علی الخصوص ہمبولٹ[1] جنہوں نے عربی تصنیفات کو دیکھا ہے اب اس امر کے قائل ہیں ہمبولٹ اس لکھنے کے بعد کہ علمی ترقی کا اعلی درجہ یہ ہے کہ انسان خود اور اپنے ارادہ سے یعنے بذریعہ تحریر حوادث طبعیہ کو پیدا کر سکے بطور تمثیل لکھتا ہے، عربوں نے یہ درجہ جس سے متقدمین ناواقف تھے حاصل کر لیا تھا۔

موسیو سدی یوں لکھتے ہیں "دار العلو کی تعلیم میں بہت بڑی بات یہ ہے کہ اسکی طرز استدلال بالکل علمی اصول پر مبنی ہے یعنے معلوم کے ذریعہ سے غیر معلوم کو دریافت کرنا۔ حوادث کا درست مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعہ سے علل کو نکالنا۔ ان ہی قضایا کو ماننا جو تجربے سے ثابت ہو چکے ہوں یہ ان اساتذہ کے اصول تحقیق تھے نویں صدی عیسوی کے عربوں کو یہ پر نتائج طریقہ تحقیق معلوم تھا جو سال ہائے دراز کے بعد ہمارے حال کے محققین کے ہاتھوں میں بڑی بڑی انکشافات اور ایجادوں کا آلہ بن گیا"

عربوں کا طریقہ تحقیق تجربہ اور مشاہدہ تھا اور برخلاف اسکے زمانہ متوسط کے یورپ کا طریقہ اساتذہ کے کلام کو پڑھنا اور ان ہی رایوں کو بار بار بیان کرنا تھا ان دونوں میں بہت ہی اصولی فرق ہے اور بلا اس فرق کو مدنظر رکھے ہوئے ہم عربوں کی پوری قدر نہیں کر سکتے۔

پس عربوں ہی نے علمی تحقیقات میں تجربہ کو داخل کیا اور ایک زمانہ دراز تک صرف عرب ہی تھے جو اس طریقہ کی قدر جانتے تھے موسیو ڈیلا مبر اپنی تاریخ ہیئت میں لکھتے ہیں "کہ اگر یونانیوں میں بمشکل دو یا تین اجرام سماوی کے مشاہدہ کرنے والے تھے تو عربوں میں برخلاف اسکے بکثرت ایسے لوگ موجود تھے یونانیوں میں علم کیمیا کا تجربہ کرنیوالا کوئی نہ تھا برخلاف اسکے عربوں میں سینکڑوں تھے"

تجربہ کے طریقہ نے انکی تحقیقات میں ایک صحت اور جدت پیدا کر دی تھی جو ان اشخاص کی تحقیقات میں نہیں پائی جاتی۔ جو حوادث کو کتابوں ہی میں دیکھتے ہیں البتہ ایک ہی علم یعنے

---

[1] الگزانڈر ہمبولٹ ایک بہت ہی مشہور جرمنی سیاح اور محقق ہے اس نے مد عالم پر ایک کتاب لکھی جو کل یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے سال ولادت ۱۷۶۹ء سال وفات ۱۸۵۹ء مترجم

علم فلسفہ میں جسمیں تجربہ ممکن نہ تھا وہ محض مقلد رہے۔

تجربہ کے ذریعہ سے جسکو انہوں نے جاری کیا تھا وہ بہت بڑے انکشافات اور اختراعات کرنے والے تھے اور جو بیان انکی علمی تحقیقات کا ہم نے درج کیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے تین یا چار صدی میں اس سے بہت زیادہ انکشافات کئے جو محققین یونان اس سے کہیں زیادہ مدت میں کرنے پائے تھے۔ وہ یونان کا علمی ذخیرہ جسکو مشرقیوں نے عربوں سے پہلے پایا تھا لیکن مدت سے کھو چکے تھے اسے عربوں نے بالکل بدلکر اپنے اخلاف کو پہنچایا۔

عربوں نے محض انکشافات ہی کے ذریعہ سے علم کو ترقی نہیں دی بلکہ انہوں نے ایجاد دار العلوم اور تصنیفوں کے ذریعہ سے اسکی اشاعت بھی کی اس خاص امر میں جو فائدہ یورپ کو ان سے ہوا وہ فی الواقع غیر متناہی ہے ہماری کتاب میں اس باب میں جہاں عربوں کے علمی اثر کا ذکر ہے معلوم ہوگا کہ چند صدیوں تک اقوام عیسائی کے استاد صرف عرب ہی تھے اور محض ان ہی کے ذریعہ سے ہمیں یونان و روم کے علوم قدیمہ حاصل ہوئے۔ وہ زمانہ بہت ہی قریب کا ہے جب سے عربی کتابوں کے ترجمے یورپی دار العلوموں کی نصاب تعلیمی سے خارج ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کی اس علمی زندگی اور اختراعات پر نظر کرنے کے بعد ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں قوت ایجاد کتنی بڑھی ہوئی تھی انہوں نے کبھی آنکھ بند کر کے گذشتہ علماء کے اقوال یا فیصلوں کو نہیں مانا انہوں نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ ہر کام اور مسئلہ میں عقل کو بیکار کرنا درحقیقت ایک بہت بڑی کفران نعمت ہے حصول علم کا یہ طریقہ کہ فلاں عالم نے یہ کہا ہے اور فلاں عالم یہ کہتا ہے اور اسی پر قناعت کر لینی طالبعلم کی بڑی بدقسمتی ہے مگر بدقسمتی سے جب مذہبی تقلید کی پٹی مسلمانوں کی آنکھوں پر بندھ گئی اور انہوں نے اپنی عقل کو بیکار کر دیا تو اسکا خمیازہ یہ اٹھانا پڑا کہ وہ ہمیشہ کے لئے علم سے بے بہرہ ہو گئے اور تاریکی میں چھوڑ دئے گئے انکی عقلیں سلب کر لی گئیں انکے قوائے باطنی میں رعشہ پیدا ہو گیا اور آخر وہ درجہ انسانی سے گر کے بہائم سیرت بن گئے۔ اگر آپ انصاف سے گذشتہ علماء کی معاشرت اور آزادی رائے کا اندازہ کیجئیگے تو آپکو کھل جائیگا کہ ہمارے کسی مفسر محدث یا فقیہہ نے استنباط مسائل اور استخراج نتائج میں کبھی اپنی عقل کو بیکار کر کے بیہودہ تقلید

نہیں کی اگر اس مذہبی تقلید کا مادہ اُن میں ہوتا تو فقہ کا ایک عظیم دفتر کبھی تیار نہ ہو سکتا۔ آپ خیال فرمایئے کہ بزرگان دین کی پیروی اس صورت سے ہوتی تھی کہ جب حضور انور کی حدیثوں میں اختلاف ہوتا تھا تو لوگ صحابہ کے اقوال کیطرف رجوع کرتے تھے۔ اور اس بات کو دیکھتے تھے کہ آیا کس صحابی نے اس حدیث کو منسوخ کیا ہے یا اسمیں تاویل کی ہے یا انہوں نے اسکے ترک کرنے پر کوئی تصریح کی ہے

ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد صحابہ کے اقوال کو تسلیم کرتے تھے مثلاً پانی کے برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی حدیث کے باب میں امام مالک کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث آئی ہے مگر مجھے اسکی حقیقت معلوم نہیں اور جبتک انکی خواہش تھی کہ جو حدیث انکے آگے پیش کیجائے وہ اسکی حقیقت معلوم کرلیں اور جب تک اسکی حقیقت معلوم کرلیں ہرگز اسپر عمل نہ کریں۔ صحابہ اور تابعین میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو ہر عالم کے نزدیک اپنے شہر والوں اور اپنے استاد و استادوں کے مذہب مختار ہو جاتا تھا اسلئے کہ وہ انکے اقوال میں سے صحیح اور غیر صحیح کو خوب پہچانتے تھے اور جو اصول کہ ان اقوال کے مناسب تھے انکو خوب یاد رکھتے تھے اور انکا دل اسکے فضل اور تبحر کی طرف زیادہ مائل ہوتا تھا پس مدینہ والوں کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عمر ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور انکے شاگرد مثلاً سعید بن مسیب کے فیصلے اور فتوے زیادہ معتبر تھے اسلام میں کسی ایک شخص کی رائے کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا بخاری نے اس باب میں ایک باب منعقد کیا ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ جس بات پر مکہ و مدینہ کے علما میں باہم سخت دشمنی ہو کسی مسئلہ خاص میں کیونکر فیصلہ ہو سکتا ہے اگر آپ امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے ابراہیم کے اقوال کی تلخیص کریں اور پھر اسکا مقابلہ امام ابو حنیفہ کے مذہب سے کریں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ اپنے مذہب کی بنیاد ابراہیم کی تحقیق اور اصول پر رکھی ہے لیکن پھر بھی اکثر مقامات میں ان سے اختلاف کیا ہے پھر امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے امام ابو یوسف سب سے زیادہ مشہور رہیں۔

خراسان اور ماوراء النہر میں امام ابوحنیفہ کا مذہب پھیلا دوسرے شاگرد آپکے محمد بن حسن
جو بہ حیثیت ایک مصنف کے آپکے کل شاگردوں میں زیادہ قابل اور فاضل مشہور ہیں ۔
انہوں نے پہلے امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف سے فقہ پڑھی پھر مدینہ آکے امام مالک سے موطا
کا درس لیا پھر تحقیق کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے اصحاب کے مذہب کے ہر مسئلہ کو موطا کے
مطابق کیا اگر موافق پایا فبہا اور موافق نہ پایا اور دیکھا کہ ہمارے اصحاب کے مذہب کیطرف
صحابہ اور تابعین کا گروہ گیا ہے تو آپنے صحابہ کا مذہب چھوڑا اور اگر کسی قیاس یا تخریج کو
ضعیف پایا اور دیکھا کہ حدیث صحیح جسپر فقہانے عمل کیا ہے اسکے مخالف ہے یا اکثر علما کا عمل
اسکے مخالف ہے تو آپ نے اصحاب کے مذہب کو فوراً ترک کر دیا اور سلف کے مذاہب میں
جس مذہب کو ارجح دیکھا اختیار کر لیا ان علما کو اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے
اپنے استاد کی خواہ مخواہ تقلید کریں بکثرت ایسے مسائل موجود ہیں جنمیں امام محمد اور ابو یوسف نے
اپنے استاد امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے۔

غرض امام محمد نے کتابیں تصنیف کیں اور ان تینوں کی رایوں کو جمع کیا۔ پھر ان
تصنیفات کی تلخیص تقریب، تخریج، تائید اور استدلال کیطرف امام ابوحنیفہ کے اور شاگرد متوجہ
ہوئے پھر وہ خراسان و ماوراء النہر میں متفرق ہوگئے بس اسی کا نام مذہب ابوحنیفہ قرار پایا اب
دیکھئے کہ مذہب ابوحنیفہ مذہب ابو یوسف و محمد ایک شمار کیا گیا حالانکہ وہ دونوں مجتہد مطلق تھے
اور ان دونوں کے اصول و فروع میں بہت کچھ مخالفت ہے ان تینوں کے مذہب اصول و مجامع کبیر میں مرتب
کئے گئے ہیں ان دونوں مذہبوں کے ظاہر ہونے اور اصول و فروع کے ترتیب دینے کے وقت
امام شافعی پیدا ہوئے اب انہوں نے اگلے اماموں کی رائے غور سے دیکھا اور آنکھ بند کر کے
انکی لا مذہبی تقلید نہیں کی جو خداداد عقل اور خداوند تعالیٰ نے امام شافعی کو دی تھی اسکو انہوں نے
معطل نہیں کیا اور اس بیہودہ خیال کو دور کر دیا کہ ہمارے فلاں بزرگ نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا
آپ نے اصول سابقہ کو بطور خود جانچا تو معلوم ہوا کہ بہت سی باتیں ترک کے قابل ہیں آپنے
اکثر ایسے امور کا تذکرہ کتاب الام میں کیا ہے ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ امام شافعی نے خبر
مرسل اور منقطع دونوں پر عمل کرتے پایا اس سبب سے آپ چوکنے ہوئے اور خیال کیا کہ جب حدیث کی کل

سندیں جمع کیجائیں تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ بہت سی مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں اور بہت سی مرسل حدیثیں حدیث مسند کے مخالف ہیں اس بات کو امام شافعی نے اچھی طرح سمجھ کے یہ اصول قرار دیا کہ جبتک چند شرطیں (کہ وہ کتب اصول میں مذکور ہیں) پائی جائیں حدیث مرسل پر عمل کرنا نہ چاہیئے اور ساتھ ہی امام شافعی نے اگلوں کے اقوال میں یہ نقص نکالا کہ مختلف حدیثوں کی تطبیق کے قاعدے انکے پاس منضبط نہ تھے اس سبب سے ان کے اجتہادات میں خلل آجاتا تھا پھر امام شافعی کے قواعد تطبیق منضبط کئے اور ان کو کتاب میں جمع کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام شافعی امام محمد کے پاس آئے امام محمد کو دیکھا کہ وہ مدینہ والوں پر اس بات سے طعن کرتے تھے کہ یہ لوگ ایک گواہ اور حلف کے ساتھ حکم کر دیتے ہیں امام محمد نے کہا آپنے دیکھا کہ یہ کیسا ظلم ہے کہ کتاب اللہ پر زیادت کیجاتی ہے امام شافعی نے کہا کہ آپ پر یہ بات ثابت ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادت نہیں ہوتی امام محمد نے کہا ہاں اسپر امام شافعی نے یہ جواب دیا کہ آپ حضور انور کے اس قول کے سبب سے کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ہے یہ کیوں کہتے ہیں کہ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے حالانکہ خداوند تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ موت کے حاضر ہونیکے وقت تم پر وصیت فرض کیگئی ہے اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں پیش کیں پس امام محمد کا کلام منقطع ہوگیا اور ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ بعض حدیثیں ان علما تابعین کو جو مفتی تھے نہیں پہنچیں پس انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور عمومات کے مطیع ہوئے یا اگلے صحابہ کی پیروی کی پس انہوں نے اسکے موافق فتوے دیئے پھر اسکے بعد تیسرے طبقہ میں وہ حدیثیں ظاہر ہوئیں اور تیسرے طبقہ والوں نے اسلئے ان پر عمل نہیں کیا کہ وہ اپنے شہر والوں کے طرز عمل سے مخالف تھیں اور یہی وجہ حدیث میں موجب طعن اور علت سقوط ہے یا یہ سمجھے کہ وہ حدیثیں تیسرے طبقہ میں بھی ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ اسکے بعد جب اہل حدیث نے حدیثوں کی اسناد جمع کرنے کی تفتیش کی اور جوانب ارض کیطرف سفر کئے اور حاملان علم کا تجسس کیا تو یہ حدیثیں ظاہر ہوئیں۔ بہت سی حدیثیں ایسی موجود ہیں کہ حضور انور سے صرف دو ایک صحابی کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا ایسی حدیثیں فقہ والوں کو معلوم نہیں ہوئیں یہانتک کہ حفاظ حدیث کے زمانہ میں جنہوں نے حدیث کی سندیں جمع کیں اور بہت سی حدیثیں ایسی ہیں کہ انکو مثلاً اہل بصرہ [illegible] روایت کرتے ہیں اور باقی اطراف ممالک اس سے لاعلم ہیں غرض امام شافعی نے یہ بات بیان کی کہ علماء صحابہ و تابعین

کی ہمیشہ سے یہ حالت رہی کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کو ڈھونڈھتے تھے جب حدیث نہیں ملتی تو دلیل کی کسی اور قسم پر عمل کر لیتے تھے پھر اسکے بعد جب حدیث معلوم ہو جاتی تھی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کے حدیث ہی کیطرف رجوع کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کا حدیث پر عمل نہ کرنا موجب طعن نہیں ہے ہاں اسوقت کہ علت طعن بیان کر دیں اسکی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ وہ صحیح حدیث ہے اور بہت سی اسناد سے روایت کیگئی ہے اور اکثر سندیں ولید بن کثیر کیطرف رجوع ہوتی ہیں وہ محمد بن جعفر زبیر سے روایت کرتا ہے یا محمد بن عباد بن جعفر کیطرف رجوع ہوتا ہے اور وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کرتا ہے اور وہ دونوں ابن عمر سے روایت کہتے ہیں پھر اسکے بعد سندیں متفرق ہو گئیں۔

یہ دونوں شخص اگرچہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں لیکن مفتیوں اور ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جو مشہور تھے پس یہ حدیث سعید بن مسیب کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئی اور نہ زہری کے زمانہ میں اسکا پتہ تھا اور مالکیہ اور حنفیہ اسپر نہیں چلے اور اسپر عمل نہیں کیا اور امام شافعی نے اسپر عمل کیا۔

آپ اس بحث کو جو بہت مفید اور بڑی تحقیق و تفحص سے لکھی جا رہی ہے خوب غور سے پڑھئے اور اگر ممکن ہو تو اسکے مطالب کو اپنے خیال میں رکھئے تاکہ آپکو مجتہدین کے اختلاف کے اسباب اور اصلی وجہ معلوم ہو جائے آپکو معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف منافی اسلام نہیں ہے جیسا کہ عام جہلا سمجھتے ہیں شافعی ہو یا مالکی حنبلی ہو یا حنفی سب آپس میں بھائی ہیں اصول ان سب کے ایک ہی ہیں اور اس اختلاف سے چونکہ معاملات دین میں کوئی خلل نہیں پڑتا اس لئے اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اس فروعی اختلاف سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے آمین بالجہر یا سورہ فاتحہ خلف امام یا رفع یدین وغیرہ وغیرہ مسائل میں جو اختلافات پیدا ہوئے انکے اسباب وہی ہیں جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسلئے عام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے اماموں کے اقوال پر خاص ان معاملات میں عمل کریں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ حدیث خیار جو بہت سی اسناد سے روایت کیگئی ہے اور اس حدیث پر صحابہ میں سے ابن عمر اور ابو ہریرہ نے عمل کیا تھا اور فقہائے سبعہ اور انکے اقران پر یہ حدیث ظاہر نہیں ہوئی اسواسطے وہ خیار مجلس کے قائل نہیں ہوئے ہیں امام مالک اور ابو حنیفہ نے اسکو علت میں سے جب طعن جانا مگر امام شافعی نے اسپر عمل کیا اب بتائیے کہ امام شافعی کا مقلد کیونکر امام ابو حنیفہ یا مالک پر طعن کر سکتا ہے

میں سے ایک فرقہ کا مقلد کیونکر قصوروار ٹھیر سکتا ہے دونوں گروہوں کے پاس معقول جوابات موجود ہیں اور اس لئے دونوں گروہ حق پر ہیں اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چاروں مجتہدین کے مقلد حق پر ہیں اور ان میں کوئی گروہ ناحق پر نہیں ہے ۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ امام شافعی کے زمانہ میں صحابہ کے اقوال جمع کئے گئے پھر انکی بہت کثرت ہوگئی اور پھر وہ باہم متفرق اور مختلف ہوگئے مگر یہ بات دیکھنے کی ہے اور امام شافعی کی مذاق تحقیق پر دلالت کرتی ہے کہ امام شافعی کو جب بکثرت اقوال صحابہ دستیاب ہوئے تو آپ نے آنکھ بند کرکے تسلیم نہیں کیا بلکہ بطور خود انہیں تحقیق کی اور جانچا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے بہت سے اقوال احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں کیونکہ انکو وہ حدیثیں نہیں پہنچی تھیں اور امام شافعی نے یہ بہی تحقیق کیا کہ ایسی صورت میں سلف ہمیشہ حدیث کیطرف رجوع کرتے تھے اس ایسی حالت میں انہوں نے صحابہ کے اقوال کو بالکل ترک کردیا تہا ۔

امام شافعی نے فرمایا کہ صحابہ بہی آدمی تھے اور ہم بہی آدمی ہیں جسطرح ہم سے غلطی کا ہونا ممکن ہے اسیطرح صحابہ بہی غلطی سے بری نہیں ہیں بس یہی خیال تہا جس نے مسلمانوں میں تحقیق کا مذاق پیدا کردیا تہا جو شخص پیدا ہوتا اسکی تمام عمر یہ خواہش رہتی ہے کہ کسیطرح میں بہی تحقیق کروں اور کوئی ایسی بات پیدا کروں کہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچے ۔

انہوں نے مثل موجودہ نسل اسلام کے اپنے قوائے باطنی کو معطل نہیں کردیا تہا اور نہ اپنے علم کا انحصار محض اپنے سلف کی تحقیق پر رکہا تہا اگر ہم اتنا علم حاصل کریں کہ لاکھوں علماء کے اقوال زبر ہوں تو بہی یہ قابلیت محض فضول ہے جبتک ذاتی تحقیق کا مادہ نہو اور بطور خود یہ ثابت نہ کرسکیں کہ ان اقوال میں مادہ تحقیق اور صداقت کتنا ہے آنکھ بند کرکے ہرگز کسی کے قول کو تسلیم نہ کیجئے امام شافعی کے فیصلے کو دیکھئے کہ صحابہ جب ہماری طرح سے آدمی تھے پھر ہم کیوں آنکھ بند کرکے انکے اقوال کو مان لیں آپ ہرگز اسکی پرواہ نہ کیجئے کہ آپکے مرشد کا یہ کلام ہے آپکا ہم عقیدہ مولوی یہ کہتا ہے اس بات کو بالائے طاق رکھئے اور اپنی عقل فہم اور جوہر خمیر کو بیکار کرکے کفران نعمت نہ کیجئے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں خدا نے اپنی رحمت کسی خاص زمانہ کیلئے مخصوص نہیں کی ہے آپ کیوں اس رحمت سے محروم رہتے ہیں ۔

اور انہیں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ امام شافعیؒ نے فقہا میں سے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ رائے کو جسے شرع نے جائز نہیں قرار دیا ہے اور قیاس کو جو شرع سے آئے ہیں ملا دیتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور اپنے طور پر انہوں نے اسکا نام استحسان رکھ چھوڑا ہے۔ عضدی نے شرح مختصر الاصول میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے استحسان کرنیوالو کو سخت حقارت سے دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص استحسان کرتا ہے گویا کہ خود شارع بننا چاہتا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ یتیم کا رشید یعنی دانشمند ہو جانا ایک پوشیدہ امر ہے مگر انھوں نے پچیس برس کی عمر قرار دی کہ جب یتیم کی عمر پچیس برس کی ہو جائے تو اسکا مال اسکے سپرد کر دیا جائے اسکو استحسان کہتے ہیں اور قیاس یہ تھا کہ اسکا مال اسکے تفویض نہ کیا جائے۔

غرض یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ نے آزادانہ طور پر گزشتہ فقہا کی رائے میں کمزوری دیکھی تو انھوں نے ایک جدید فقہا کی بنیاد ڈالی اور اسکے نئے اصول قائم کئے اور فروع نکالے۔ کتابیں تصنیف کیں ٹھیک ٹھیک مسئلے بیان کئے اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا اکثر فقہا کا امام شافعی پر اتفاق ہو گیا انھوں نے امام موصوف کی کتابوں کا اختصار کیا اور شرحیں لکھیں پھر وہ مختلف شہروں میں متفرق ہو گئے اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا استخراج مسائل اور آزادی رائے کا دروازہ خداوند تعالی کیطرف سے بند کر دیا گیا یا مسلمانوں نے بطور خود اپنے اوپر بند کر لیا اگر مسلمانوں میں علم قائم رہتا اور آزادی رائے کی قدر ہوتی تو ہر زمانہ میں امام اعظمؒ امام شافعی جیسے ہزاروں علما پیدا ہو جاتے۔ مگر بدقسمتی سے اندھی تقلید نے رہا سہا مسلمانوں کا جوہر نکال دیا اور انکو کسی گھر کا نہ رکھا جو قوم اپنے بزرگوں کے اقوال پر فریفتہ ہو گی وہ کبھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی

ہم نے ابتک جو کچھ لکھا اس سے ناظرین کیلئے اختلافی اسباب کا سمجھنا بالکل کافی ہے اور ہماری اس کل بحث کو غور کرنیکے بعد یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف زمانہ کا مقتضی تھا اور یہی بنیاد ہے روایتوں میں اختلاف ہونیکی اب ہم اس باب کو ختم کرتے ہیں اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات شروع کرتے ہیں اور ساتھ ہی ہم یہ التزام کرینگے کہ حالات لکھتے وقت ساتھ ساتھ معترضوں کے جواب بھی دیتے جائیں خداوند تعالے ہمیں توفیق دے اور ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

(۳) تیسرا باب

حضور انور کی پیدائش اور بچپن

حضور انور کی پیدائش کی کوئی ٹھیک تاریخ نہیں معلوم اس معاملہ میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے مگر اندازاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول سال فیل میں پیدا ہوئے یعنی حاکم یمن کے مکہ پر حملہ کرنے کے ایک مہینہ اور بیس دن بعد آپکی پیدائش ہوئی عیسوی تاریخ ۲۰ اگست ۵۷۰ء بیان کیگئی ہے وہ معجزات کہ آپکی پیدائش سے دنیا پر ظاہر ہوئے حضرت آمنہ کی زبانی مفصلہ ذیل بیان کئے جاتے ہیں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک ہولناک آواز سنی جس سے میرے تن بدن میں رعشہ پڑ گیا کہ اتنے میں ایک سفید پرند آیا اور اس نے اپنے بازو میرے سینہ پر رکھے جس سے مجھے تسکین ہو گئی پھر مجھے پیاس کی شدت معلوم ہوئی کہ اتنے میں ایک نامعلوم ہاتھ نے ایک پیالہ ایک شئے کا بھر کے مجھے دیا وہ چیز دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی تھی پھر آسمان سے آوازیں آنے لگیں اور چاروں طرف قدموں کی آہٹ مسموع ہوئی مگر کوئی شخص مجھے دکھائی نہیں دیا پھر ایک چادر آسمان سے بچھائی گئی اسنے مجھے ڈھانک لیا بہشت بریں کے چند پرندے اور اتر آئے میرے پیٹ کے دونوں پہلوؤں کو اپنے بازو رگڑے جس سے درد کی تکلیف کم ہو گئی۔

جوں ہی محمد (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہوا آپ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اپنی امت کی مغفرت کی دعا مانگی اسکے علاوہ چھ معجزے اور بھی بیان کئے جاتے ہیں اول یہ ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپکی مسلمانی ہوئی ہوئی تھی دوسرے آپ نے صاف آواز میں اسلام کی حقیقت بیان کی۔ تیسرے آپکے شانہ مبارک پر نبوت کی مہر ثبت تھی چوتھے تین آدمی آسمان سے اترے انکے چہرے مثل آفتاب کے درخشاں تھے انکے پاس ریشم کے رومال اور چادریں تھیں انہوں نے سات دفعہ آپکو دھویا اور آپکو برکت دی اور آپکو شہنشاہ مخلوق انسانی الخ

خطاب کیا غرض اس قسم کے اور بھی معجزے ہیں۔ مثلاً کاتب الواقدی اور ہشامی میں لکھا ہے کہ دنیا میں آپکا ظہور ہوتے ہی شام اور ایران میں ایک نور طاری ہو گیا اور یہ بھی مشہور ہو کر ایران کے آتشکدے بجھ گئے اور بت اوندھے ہو گئے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی علامتیں بیان کیگئی ہیں

ہمارے دوست سر ولیم میور صاحب نے ان روایتوں پر بڑا قہقہہ اڑایا ہے۔ مگر ہم کوئی ثبوت انکے غلط ہونے کا نہیں رکھتے جو باتیں بیان کیگئی ہیں انکو دنیا نے بعد ازاں اپنی آنکھوں سے دیکھا بیشک شام اور ایران میں اسلام پھیلتے ہی انصاف اور خدا پرستی کا نور طاری ہو گیا۔ اور بت پرستی اور ظلم کی تاریکی جاتی رہی آتشکدے سرد ہو گئے اور کسریٰ کے محل کا نہ صرف کنگورہ بلکہ تمام عمارتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں۔ بت اوندھے ہو گئے یعنی اپنی جگہ سے گرا دیے گئے آسمان سے مخلوق پر برکتیں نازل ہوتے گئیں۔

حضور انور کا پیدا ہوتے ہی بارگاہ خداوندی میں سجدہ کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ آپ کی پیدائش خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کیلئے ضامن تھی اگر یہ روایتیں حضرت بی بی آمنہ کی زبان سے بیان ہوئی ہیں صحیح تسلیم کر لی جائیں تو اس شخص سے زیادہ کون روشن ضمیر ہو سکتا ہے جسکے آگے زمانہ آیندہ کے واقعات کا کامل نقشہ ہو بہو کھنچ گیا ہو یا اسکے اور نہ انکو ناحق اعتراض کی تکلیف برداشت کی مسلمانوں کے وارو مدار ان روایتوں پر نہیں ہے انکے ہاں خبر احاد کی اسقدر وقعت نہیں ہے باینہمہ اگر روایتوں کو لغو روایتوں سے تعبیر کیا جائے اور انپر توجہ کی جائے تو انہیں حضور انور کے آیندہ واقعات زندگی اور آپکی کامیابیاں جیسی ہوتی ہیں در اصل کوئی بڑا عالی دماغ شخص تھا جس نے یہ روایتیں بیان کیں جس نے اصل پوچھو تو حضور انور کی آیندہ زندگی کا فوٹو کھینچ کے دکھایا ہے اور یہ ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا سر ولیم میور یا اسکے ہمخیالوں پر افسوس ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کے معجزات کو جو خلاف قانون قدرت اور قیاس میں تو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا اور شافع روز محشر کے معجزوں پر حرف زنی کی۔

حضور انور کے پیدا ہوتے ہی حضرت بی بی آمنہ نے عبد المطلب کے پاس خوشخبری بھیجی کہ تمہارے ہاں پوتا پیدا ہوا ہے جسوقت قاصد خبر لے کر پہنچا عبد المطلب کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے اور ان کے گرد انکے بیٹے اور قبائل کے سردار حاضر تھے جوں ہی عبد المطلب نے یہ خبر سنی

مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے فوراً اٹھ بیٹھے اور سیدھے بی بی آمنہؓ کے پاس آئے بی بی آمنہ کو جو کچھ دکھائی دیا تھا انہوں نے حرف بحرف کہہ سنایا۔ عبدالمطلب بچہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا۔

مکہ کی عالی خاندان عورتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلایا کرتی تھیں بلکہ اناؤں کو بلا کے دودھ پلاتی تھیں یا اناؤں کے حوالے اپنے بچوں کو کر دیتی تھیں اس سے بچوں کو دوھرا دوھرا فائدہ ہوتا تھا کہ دودھ بھی پیتا اور پرورش بھی پاتا۔

اسی قاعدے کے مطابق حضور انور کو بھی بی بی آمنہ نے ایک بدوی عورت کے حوالہ کر دیا یہ بدوی عورت آپکے چچا ابو لہب کی لونڈی تھی جس نے امیر حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا آپ نے اور آپکی بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے انا کے ساتھ سلوک کیا اسکو کپڑے دیا کرتیں اور جب وہ آتی تو اسکی بہت خاطر و مدارات کیجاتی۔

سنہ ۷ ہجری میں جب آپ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو آپنے اپنی انا کی وفات کی خبر کو سُنا بہت ہی افسوس ہوا آپنے فوراً اسکے بیٹے اور اپنے ہمشیر کو مدینہ بلوانے کیلئے آدمی بھیجا لیکن معلوم ہوا کہ اسکے بیٹے کا انتقال ہو چکا اور اب کوئی اسکی اولاد نہیں رہی۔

چند روز تک تو ابو لہب کی لونڈی نے آپکو دودھ پلایا کہ اسی اثناء میں قبیلہ بنی سعد کا ایک گروہ مکہ میں پہنچا اسکے ساتھ دس عورتیں تھیں جنہوں نے مکہ والوں کے بچوں کو دودھ پلانیکی درخواست کی چنانچہ انہیں بچے مل گئے صرف حلیمہ باقی رہیں اور انہوں نے بڑی دقت سے ہمارے ہادی برحق کو دودھ پلانے کیلئے حاصل کر لیا۔

آپ کا شیر خوارگی کا زمانہ قبیلہ بنی سعد میں حلیمہ اور اسکے خاوند کے ساتھ بسر ہوا اور دو برس بعد حلیمہ حضور انور کو اپنے ساتھ گھر لے گئی حضرت بی بی آمنہ اپنے بچہ کی صحت و بشاشی دیکھ کے اس قدر خوش ہوئیں کہ جب ہمارے نجات دہندہ کو حلیمہ دوبارہ مکہ میں لیکر آئی تو حضرت بی بی آمنہ نے یہ فرمایا تو اسے پھر دیہی صحرا میں لیجا مجھے ڈر لگتا ہے کہ مکہ کی بُری آب و ہوا میرے بچہ کی صحت پر اثر کرے حلیمہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنے قبیلہ میں واپس لیکر چلی گئی جب دو برس اور گزر گئے تو یکایک ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یہ تھا کہ جب آپکی چار برس کی عمر ہوئی تو آپ ایک روز صبح کیوقت قطعہ بکریوں کے

صحرا میں کھیل رہے تھے کہ یکایک دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور آپکو اٹھا لیا اور ایک علیحدہ مقام پر لیجا کے آپکا پہلو چاک کیا اور پانی اور برف سے سونے کے طشت میں آپکے پیٹ کی چیزوں کو اچھی طرح سے دھو دیا پھر دیکھا کہ آپ میں ایکہزار آدمیوں کے مجموعی وزن سے زیادہ بوجھ ہو گیا اسپر جب فرشتہ دوبارہ آپکو وزن کرنے لگا تو دوسرے فرشتے نے یہ کہا کہ دوبارہ اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر اب کے وزن کیا گیا تو آپ اپنی کل قوم کے مجموعی وزن سے بڑھ جائینگے (واقدی)

اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے سورۂ الم نشرح میں اگرچہ اس واقعہ کو وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن اس بات کو صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ شافع روز محشر کا سینہ معرفت سے بھر دیا گیا تھا جو روایتیں سینہ چاک ہونے کی نسبت کتب واقدی وغیرہ میں درج ہیں انکے طرز بیان میں صرف فرق ہے مگر مطلب وہی ہے جو خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم نشرح لک صدرک الخ (ترجمہ)

(اے نبی) کیا ہم نے تمہارا سینہ (اپنی معرفت کے لئے) کشادہ نہیں کر دیا۔ اور تم سے تمہارے (گناہوں) کے بوجھ کو دور نہیں کر دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے (تمہاری دلداری کیلئے) تمہارا ذکر بلند کر دیا پس بیشک (یاد رکھو کہ) دشواری کے ساتھ آسانی ہے بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے پس جب تم اپنے کاروبار سے فارغ ہو تو ہماری عبادت میں محنت کرو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف دل لگاؤ۔

اس سورۃ کو غور سے پڑھنے کے بعد سینہ کے چاک ہونے اور ایسے چاک ہونے کا جس چاک کا مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہیں بھی اشارہ نہیں مگر جو واقدی اور دوسرے راویوں نے نقل کیا ہے وہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا صرف ہماری سمجھ کا قصور ہے کہ ہم نے اسے غلط سمجھ لیا سر ولیم میور یا اسکے ہمخیال معترضوں کی یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ فرشتے جبکہ جسم نہیں رکھتے تو انکے پاس جسم دار چیزوں کا ہونا عقل کے خلاف ہے وہ نور سے بنے ہوئے ہیں انکے پاس طشت اور چھری بھی نور کی ہوگی اور اس نوری چھری سے چاک کرنے سے سینے بھی وہ بھرے ہونگے غلط استدلال کرنا اور اپنے ہی استدلال سے دوسرے نتیجہ نکالنا بھی مضمون کا وغیرہ

اس صورت میں خداوند تعالیٰ نے حضور انور کے گناہوں کیطرف ہی اشارہ کیا ہو مگر اسکے معنے یہ نہیں ہیں جو عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں خیال میں آسکتا ہو کہ معصوم بچے سے جو ابھی شکم مادر سے عالم ظہور میں آیا ہو کیا گناہ ہو سکتے ہیں اسکا مطلب صاف طور پر یہ ہو کہ ہم نے پیدا ہوتے ہی کل انسانی کمزوریوں کو تمہاری ذات سے سلب کر دیا اور تمہیں کامل انسان بنا دیا الم نشرح سے اور سورت والضحیٰ میں اپنے احسانات خداوند تعالیٰ نے اپنے محترم نبی کو جتائے ہیں اور اس بات کو بتایا ہو کہ اللہ نے تم کو یتیم پایا اور تم کو اپنی رحمت میں جگہ دی اسیطرح کل بچپن کے حالات اور انعامات یاد دلا کے یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ ہم نے محمد (صلعم) کو ایک کامل انسان بنا کے دنیا میں بھیجا۔

سینہ کشادہ ہونے کے واقعہ کے بعد انّا کے خاوند کو خوف معلوم ہوا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اس بچہ کو لیجا اور اسکی ماں کو دے آ چنانچہ وہ بھاگی ہوئی حضرت بی بی آمنہ کے پاس آئی اور یہ سارا ماجرا بیان کیا یہ سنتے ہی حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا "افتخوفت علیہ الشیطان" یعنی کیا تجھے خوف ہوا کہ ایک شیطان نے اسپر قبضہ کر لیا ہو اس نے جواب دیا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جس بچہ کی پیدائش میں مافوق الفطرۃ باتوں کا ظہور ہوا ہو اس بچہ پر کیونکر شیطان قبضہ کر سکتا ہو حضرت بی بی آمنہ چونکہ اس قوم سے تعلق رکھتی تھیں جہاں اس قسم کے حادثات طبعیہ کو شیطانی کاموں پر محمول کیا جاتا تھا اسلئے انکی زبان سے بیساختہ یہ نکل گیا۔ اس روایت میں بھی اختلاف ہے۔ ہشامی اور کاتب واقدی دونوں آپسمیں مختلف ہیں ہشامی تو لکھتا ہو کہ حلیمہ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے حضور انور کے دوبارہ لیجانے سے انکار کیا۔ مگر کاتب واقدی اسکے خلاف ہو وہ لکھتا ہو کہ حلیمہ دوبارہ حضور انور کو اپنے ساتھ لیگئی۔ اصل یہ ہو کہ ان واقعات کی نسبت کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہو سکتی اور حضور انور کا یہ زمانہ زندگی ایسی ہی نامعلوم حالت میں گزرا ہے جیسے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پندرہ سال گمنامی میں بسر ہوگئے۔

ایک اور مورخ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہو کہ جب حلیمہ اور اسکے خاوند نے حضور انور کی کیفیت دیکھی چونکہ وہ لوگ اوہام باطلہ میں پھنسے ہوئے تھے انہیں خوف معلوم ہونے لگا اسلئے انھوں نے ارادہ کر لیا کہ اس بچہ سے نجات حاصل کریں۔ حلیمہ دوڑی ہوئی بی بی آمنہ کے پاس حضور انور کو لے گئی بعد کل واقعات بیان کئے بی بی آمنہ نے اسے تسکین دی اور کہا اس قسم کے حادثات سے

تجھے ڈرنا نہ چاہیئے تو میرے بچہ کو پھر لیجا اور پرورش کر حلیمہ کو چونکہ حضور انور سے بہت محبت ہو گئی تھی اسلئے وہ پھر آپکو اپنے گھر لے گئی۔ لیکن جب آپکی پانچ سال کی عمر ہوئی تو ایسی علامتوں کا ظہور ہوا جن سے حلیمہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اب کے اس نے ارادہ کر لیا کہ اس بچہ کو اسکی ماں کے حوالے کر دیا جائے جب وہ حضور انور کو مکہ لیکر آئی تو راستہ میں آپ گم ہو گئے حلیمہ بہت گھبرائی کہ یہ کیا غضب ہوا سارے میں ڈھونڈھتی پھری لیکن آپکا کہیں پتہ نہ لگا ناچار وہ آپکے دادا عبدالمطلب کے پاس آئی اور کہا کہ یہ واقعہ گزرا ہے عبدالمطلب نے اپنا ایک بیٹا حضور انور کو تلاش کرنے کیلئے اسکے ساتھ کر دیا جب دونوں نے ملکر تلاش کیا تو آپ کو بلندی مکہ پر پھرتے ہوئے دیکھا پھر دونوں شخص حضور انور کو وہاں سے لے آئے اور آپکی والدہ کے سپرد کر دیا۔

ہشامی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ حلیمہ ابن المطلب کے پاس نہیں آئی تھی۔ بلکہ جس شخص نے آپکو تلاش کیا، وہ مشہور ورقہ تھا مگر عبدالمطلب کو حضور انور کے گم ہو جانے کی خبر ہو ضرور گئی تھی کیونکہ انہیں کعبہ کے ایک بت سے منت مانی تھی کہ اگر میرا پوتا ملگیا تو میں نذر چڑھاؤنگا۔

حضور انور نے اپنی عمر کا چھٹا سال اپنی والدہ کی آغوش محبت میں بسر کیا۔ بی بی آمنہ ایک سال تک مکہ میں رہیں پھر آپ مدینہ روانہ ہوئیں تاکہ ننیال کے لوگوں سے آپکو ملائیں چنانچہ آپ اپنی لونڈی ام ایمن کو لیکر اور دو اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں جب آپ مدینہ پہونچیں تو آپنے اس گھر میں قیام کیا جہاں آپکے شوہر کی وفات ہوئی تھی۔ آپکی روشن ضمیری عالی دماغی اور تیز ذہنی کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ جب آپ ۴۷ سال کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہیں تو آپنے اس گھر کو پہچان لیا اور یہ فرمایا کہ اس مقام پر میں کھیلا کرتا تھا۔ یہاں میری والدہ مجھے لیکے اتری تھیں، اور خاص اس مقام پر میری والدہ کی قبر ہے۔

ایک مہینہ کے بعد حضرت بی بی آمنہ واپس مکہ روانہ ہوئیں مگر ابھی آپنے نصف راستہ طے کیا ہوگا کہ آپ یکایک بیمار ہو گئیں۔ اور آپ کا انتقال ہو گیا حضور انور کی یہ مظلومانہ حالت دیکھ کے سنگدل کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں آپکی پیدائش سے دو مہینہ قبل آپکے نوجوان باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور گویا آپنے یتیم بن کے دنیا میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب آپکی چھ برس کی عمر ہوئی اور آپ میں ماں کو ماں سمجھنے اور شفقت مادری کے محسوس کرنے کا جوہر پیدا ہوا

مہربان ماں اور گھر کی ایک لونڈی کے ساتھ مدینہ کی دشوار گزار راہوں میں سفر کر رہے تھے سنگلاخ چٹانوں اور بے آب و گیاہ صحرا میں آپکی والدہؓ کی بیماری سے تڑپ کر جان دینے نے اس معصوم اور پاک دل پر کسقدر صدمہ دیا ہوگا اس تاریخ سے گویا دوہری یتیمی کا تمغہ آپکو پہنایا گیا۔ آپ تنہا بے یار و مددگار انہیں سنگلاخ چٹانوں میں لق و دق صحراؤں اور دشوار گزار راستوں میں بچپن کی پرنم آنکھوں کے ساتھ مکہ میں پہنچے۔

یہ مختصر واقعات ہیں آپکی پیدائش پرورش اور حادثات سماویہ کے آپکے والد ماجد اسوقت مدینہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپکی والدہ ماجدہ دار النابغہ میں پڑی سوتی تھیں جسوقت ام ایمن اس دوہرے یتیم بچہ کو لیکر مکہ میں آئی ہی تو پہلے سیدھی عبدالمطلب کے پاس گئی جوں ہی شیخ نے اپنے پوتے کو دیکھا فوراً گود میں لے لیا مگر جب اس جانکاہ حادثہ کی خبر سنی تو زار زار رونے لگے اور آپ کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہوئے۔

آپ حضور انورؐ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بیداری اور خواب میں بار بار آپکے پاس جاتے تھے اور کبھی کبھی بیساختہ آپکی زبان مبارک سے یہ نکل جاتا تھا کہ اے محمدؐ تو ایکدن ضرور حاکم اور سردار بنے گا سنا ہے کہ اسی عرصہ میں ایک کاہن نے عربوں کے ایک مجمع میں بیان کیا کہ اس بچہ کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ بڑا ہو کے تم سب پر قابو پالیگا۔ یہ آواز عبدالمطلب کے کان تک بھی پہنچ گئی تھی اسلئے وہ اپنے پوتے کی اور بھی خبر گیری کرتے تھے۔

جب آپ کی سات برس کی عمر ہوئی تو قبیلہ بنی مدلج کا ایک گروہ مکہ میں آیا یہ بات مشہور تھی کہ یہ لوگ قیافہ میں بڑی مہارت رکھتے ہیں وہ سب لوگ عبدالمطلب سے آکے ملے اور کہا کہ اس بچہ کی جہانتک ممکن ہو خوب حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے مقام ابراہیم میں اس بچہ کے قدم کی برابر مشابہہ اور کوئی قدم نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ابو طالب کو بلا کے کہا سُن یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور ام ایمن کو بھی تاکید کی کہ آپکی پوری نگرانی کیا کرے پے درپے کچھ ایسے واقعات کا ظہور ہوا کہ عبدالمطلب کے خیال میں اور بھی قوت پیدا ہو گئی اور آپکو یہ یقین ہو گیا کہ میرا پوتا قطعی ایکدن قوم کا سردار ہوگا آپ صرف اس خیال سے کہ خدا کی برکت کا ہاتھ اسکے سر پر ہے حضور انور کو بارش کیلئے دعا مانگنے لیجاتے تو قوم کے لوگ بھی

بہت سے لوگ ساتھ تھے خدا کی شان آپ نے جسوقت اپنے ننھے ننھے مقدس ہاتھوں کو بارگاہ ایزدی کیطرف پھیلا کے یہ کہا ہے اے تمام دنیا کے مالک مینھ برسا تاکہ ہماری زندگی ہوجائے فوراً بارش ہونی شروع ہوئی اور جل تھل بھر گئے۔

عرب کے مورخوں نے رقیہ بنت ابی صیفی بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ چند سال سے مکہ اور مضافات مکہ میں ایسا قحط پڑ رہا تھا کہ غلہ کا نام و نشان نہ رہا تھا جب فاقہ اور مصیبت کی حد ہو گئی تو میں نے خواب میں دیکھا اور بیداری میں بھی یہ بات سُنی کہ اے قریشیوں آخر الزماں پیغمبر کا ظہور ہو گیا ہے یہ وہی پیغمبر ہے جسکی وجہ سے تم پرورش کروگے۔ بارش ہوگی تمھیں روزی دیجائیگی اسکی صورت و شکل یہ ہے اور اس حسب و نسب کا ہے تم اسے کو وہ تمہیں بچائیگا اور جسوقت وہ بارش کی دعا کرے تو سب ملکر آمین کہو ہم اسکی دعا قبول کرینگے اور مینھ برسا دینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قریش زندہ ہو گئے جس وقت قوم قریش کو معلوم ہوا کہ حضور اس بچہ کی برکت سے بارش ہوئی ہے تو ان سب آدمیوں نے عبدالمطلب کو آکے مبارکباد دی اور عبداللہ بن جدعان اور شہاب بن مغیرہ نے عبدالمطلب سے خطاب کرکے یہ کہا کہ اے ابوالبطحا یہ نعمت عظمیٰ جو تجھے حاصل ہوئی ہے مبارک ہو۔

اسوقت عبدالمطلب کی عمر ۸۰ برس کی تھی آپ نے جس شفقت سے حضور انور کو پرورش کیا ایسا آپ نے کسی بیٹے کو بھی نہیں پالا جب آپ کعبہ میں غالیچہ پر بیٹھے تھے چونکہ آپ قریشیوں کے سردار تھے اسلئے بپاس ادب بڑے بڑے عرب آپکے مسند سے علیحدہ ہو کر بیٹھتے تھے مگر حضور انور ہمیشہ پہلو بہ پہلو نشست فرمایا کرتے تھے ایک دن کثرت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ اسی طرح اپنے دادا کا پہلو دبا کے جا بیٹھے آپکے چچاؤں یعنی عبدالمطلب کے بیٹوں کو یہ برا معلوم ہوا انہوں نے چاہا کہ محمد کو وہاں سے ہٹا دیں مگر عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو منع کیا اور کہا اس سے ہرگز نہ بولو جو کچھ یہ کرتا ہے کرنے دو اسکے پاس بیٹھنے سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے اسوقت بھی حضور انور کو ام ایمن پرورش کرتی تھیں مگر آپ اسکے پاس ٹھہرتے بہت کم تھے اور جہاں آپ نے اپنے دادا کو کمرہ میں تنہا پایا فوراً بھاگ کر چلے آئے۔

عبدالمطلب کی وفات ماں کی شفقت کا سایہ یک عرصہ ہوا کہ اٹھ گیا تھا باپ مہربانی کی نظر سے

اُس تیم مقدس بچہ نے کبھی دیکھی نہ تھیں دادا جو اس غیر معمولی محبت سے پیش آتا تھا وہ بھی عنقریب جدا ہونے کو ہی تھا یکایک بیاسی برس کی عمر میں عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا آپکے دفات کے ۵۷۸ء بعد از مسیح سمجھنی چاہئیں اس مقدس تیم بچّہ کو اپنے دادا کی وفات سے اسقدر صدمہ ہوکہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی جسوقت عبدالمطلب کی وفات ہونے لگی ہو تو انہوں نے بیٹے ابوطالب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اپنے تیم پوتے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ دیکھہ کسی صورت سے اسکی دلشکنی نہ کیجیو یہ بے مادر و پدر ہے اور کوئی اسکا سرپرست نہیں تو اسپر شفقت کیجیو اور نہایت اخلاق اور محبت سے اسکو پالیو اور تربیت کیجیو دیکھہ کبھی کسی بات سے اسکا دل میلا نہ ہو۔ ابوطالب نے اس وصیت کو سُنا اور اسپر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

عبدالمطلب کی وفات سے ہاشم کے خاندان کا کوئی سردھر نہ رہا۔ جو عظمت اور قوت آپکو حاصل تھی وہ یکایک دوسرے شخص کو حاصل نہ ہو سکتی تھی کیونکہ بنی ہاشم کا پہلو کسیقدر کمزور ہو گیا تھا اسلیئے ابوسفیان کے بات کی وقعت زیادہ بڑھ گئی۔ عبدالمطلب کے صاحبزادے زبیر۔ ابوطالب ابولہب۔ عباس اور حمزہ زندہ تھے۔ مگر حارث کا انتقال ہو چکا تھا حضور انور کے پدر بزرگوار عبداللہ اور انکے بھائی ابوطالب یک ہی ماں کے بطن سے تھے اسوقت عباس اور حمزہ بہت چھوٹے چھوٹے تھے اگر اس خاندان میں کچھ وجاہت حاصل تھی تو ابوطالب کو تھی۔ کیونکہ زبیر اگرچہ ان سے بڑے تھے لیکن مفلسی کی وجہ سے وہ اس معزز سرداری کے فرائض کو انجام نہیں دیسکتے تھے اسلیئے سبنے ملکے ابوطالب کو خاندان کا سردار تسلیم کیا تو بھی سقائے حرم بننے کا عہدہ صرف اس خاندان میں باقی حاجیوں کے کھانے پینے کے سامان کرنے کا انتظام دوسرے گروہ کے ہاتھ میں آ گیا جس کا سردار نوفل پسر عبدمناف تھا۔

عباس بجائے خود دولتمند تھے اور چاہ زمزم کی نگرانی انہیں کے سپرد رہی اور جب اسلام کا ظہور ہوا ہے تو زمزم کو حضرت عباس کے خاندان نے حضور انور کے حوالہ کردیا حضرت عباس اپنی قوم میں کچھ کم وجیہ نہیں تھے آپ بڑے زبردست دل و دماغ کے شخص تھے۔ انکے مقابلہ میں ابوطالب میں گو اگرچہ تمام شریفانہ جوہر موجود تھے مگر بعض اوقات ناداری کی وجہ سے وہ اکثر اہمیت کی سربراہی نہیں کرسکتے تھے اس صورت سے رفتہ رفتہ بنی ہاشم کی وقعت و عظمت کا تنزل ہو۔ فریق مقابل بہ تدریج قوم میں مسلم ہو لی

تھی جبتک حضور انور نے مکہ کو فتح کر لیا یہاں کی حکومت یا سرداری میں یکسوئی پیدا نہ ہوئی۔ ابو طالب نے اپنے یتیم بھتیجے کی سرپرستی اس محبت اور دلجوئی سے کی جسکی وصیت عبد المطلب کر گئے تھے۔ ابو طالب کے خاندان کیلئے حضور انور کا قدم ایسا مبارک ثابت ہوا کہ مفلسی کی بلا دور ہو گئی ابو طالب اپنے بھتیجے کو مثل عبد المطلب کے اپنے ساتھ لیکر سویا کرتے تھے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور جہاں آپ جاتے تھے آپکے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ جبتک حضور انور خورد سالی کی یا پوسانہ حالت میں رہے محبت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ اگر حضور انور کے والد ماجد بھی زندہ ہوتے تو اس سے زیادہ محبت سے پرورش نہ کر سکتے تھے۔

حضور انور کا پہلا سفر

جب حضور انور کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو آپکو سفر شام پیش آیا ابو طالب کا قافلہ تجارت کیلئے شام کیطرف جانے کو تیار ہوا ابو طالب کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بھتیجے کو مکہ چھوڑ جاؤں تاکہ سفر کی مصیبتوں سے آپ امین رہیں جسوقت ابو طالب اونٹ پر سوار ہوتے ہیں حضور انور کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپنے ابو طالب کے اونٹ کی نکیل پکڑ کے کہا میرے نہ ماں ہے نہ باپ آپ مجکو مکہ میں کس پر چھوڑے جاتے ہیں یہ سنکر ابو طالب رونے لگے اور قسم کھا کر کہا کہ میں اپنے بھتیجے کو ساتھ لیچلونگا مجھے اسکی مفارقت گوارا نہیں ہوگی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب ابو طالب اونٹ پر سوار ہوکے روانہ ہونے لگے حضور انور کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور روتے روتے آپکی ہچکی بندھ گئی ابو طالب نے یہ دیکھ کے پوچھا کہ بیٹا تم اسلئے روتے ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لیجاتا کہا ہاں چچا جان ابو طالب کے بھی آنسو بھر آئے اور قسم کھائی واللہ لا افارقک ابداً غرضکہ ابو طالب نے بھتیجے کو لیا اور قافلہ کیساتھ روانہ ہوئے منازل طے کرنیکے بعد ایک راہب کے صومعہ میں پہنچے یہ راہب بہت بڑا نصرانی فاضل تھا آسمانی کتابوں کا بھی علم خوب رکھتا تھا اور اس راہب کا نام بحیرا تھا جس میں رہتا تھا اسکا نام کفر تھا اکثر راہب بوقت فرصت یہاں آکے عبادت کرتے تھے مسلمان مورخوں نے اس سفر کے متعلق بہت سے معجزات کا بھی بیان کیا ہے جنپر ہمارے دوست نصاریٰ نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ غور سے پڑھنے کے بعد نکتہ چینی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پہلا واقعہ تو یہ ہے کہ بحیرا نے خاتم النبیین کی جو علامتیں پہلی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں ہو بہو حضور انور کی دیکھیں اسلئے وہ آپکے آگے سجدہ میں گر پڑا

دوسری روایت یہ ہے کہ جب قافلہ اسکے صومعہ کے قریب پہنچا تو اسے یکایک آوازیں سنائی دیں کہ السلام علیک یا رسول اللہ وہ گھبرا کے اپنے صومعہ سے باہر نکلا تو دیکھا کہ شجر و حجر سے یہ آوازیں پیدا ہو رہی ہیں تیسری روایت یہ ہے کہ جب اس موضع میں قافلہ پہنچا تو ابو طالب حضور انور ساتھ لیکے ایک درخت کے نیچے آ بیٹھے فوراً سیاہ ابر کا ایک ٹکڑا آپ پر سایہ کرنے کیلئے نمودار ہوا اور وہ درخت جسکے نیچے آپ تشریف رکھتے تھے سرسبز ہو گیا جب بحیرا نے یہ صورت دیکھی اور اسے معلوم ہو گیا کہ حضرت رسالت مآب یہاں تشریف رکھتے ہیں اس نے سارے قافلہ کیلئے کھانا تیار کرا کے اپنے آدمیوں کے ہاتھ دعوت کا پیغام دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ امیر غریب رئیس فقیر سب کی میرے ہاں دعوت ہے قریشیوں نے راہب کی دعوت قبول کر لی اور کل قریش وقت مقررہ پر راہب کے صومعہ میں آئے راہب نے اپنے مہمانوں کو بغور دیکھا تو ان میں حضور انور کو نہ پا کر پریشان ہو کے اپنے صومعہ کی چھت پر گیا اور اس نے چاروں طرف دیکھ کر معلوم کیا کہ حضور انور اس درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں اور اسیطرح ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ فگن ہے راہب نیچے اتر آیا اور اپنے مہمانوں سے کہا کہ آپ میں سے کوئی شخص رہ گیا ہے یا سب چلے آئے قریشیوں نے جواب دیا ہم صرف ایک بچہ کو مال کی حفاظت کیلئے چھوڑ آئے ہیں راہب نے کہا کہ اگر اسے بھی بلا لیا جائے تو بہت اچھا ہے

قطرہ و شمن بہر طالب مقصود تا بو کہ یکے دوست بیاید بضیافت

غرض آپکے چچا درخت کے نیچے سے جا کے آپکو لے آئے جسوقت حضور انور نے راہب کے صومعہ میں قدم رکھا راہب نے اول قدم حضور انور کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھا اور جو علامتیں خاتم المرسلین کی آسمانی کتابوں میں لکھی تھیں سب آپ میں پائیں بڑی محبت اور دلجوئی سے حضور کو بٹھایا جب قریش کھانا کھا کے فارغ ہوئے تو ان سب کو بحیرا نے رخصت کیا مگر ابو طالب کو آنکھ کے اشارہ سے ٹھیرا لیا جب سب باہر چلے گئے تو یہ کہنے لگا کہ یہ لڑکا آپکا کون ہے ابو طالب نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے بحیرا یہ سن کے کچھ سکوت میں ہوا لیکن سوچ کے یہ کہنے لگا کہ نہیں علامتیں تو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ آپکے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اسپر ابو طالب نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے یہ میرا بھتیجا ہے راہب نے کہا تم نے سچ کہا اسکے بعد بحیرا آزمائش اور امتحان بغرض تعریف و ایقان کیلئے حضور انور کیطرف متوجہ ہوا اور کہا میں آپکو لات و عزی کی قسم دیکے کہتا ہوں کہ جو

پچھ میں سوال کروں اسکا ٹھیک ٹھیک جواب دینا حضور انور نے خفا ہوکے کہا کہ مجھے ہرگز لات عزیٰ کی قسم نہ دے میں انکا سخت مخالف ہوں اور اپنی قوم کا انہیں دشمن سمجھتا ہوں اسپر راہب نے کہا ”من اللہ سالتک“ اور اسکے بعد کچھ آپکے حالات دریافت کئے آپنے ٹھیک ٹھیک جواب سب کے دیئے پھر راہب نے آپکی مبارک آنکھوں کیطرف دیکھا اور ابو طالب سے دریافت کیا کہ آنکھ کا یہ رنگ زرد پیدائش سے چلا آتا ہے یا اسمیں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے ابو طالب نے کہا کہ کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر راہب نے مزید اطمینان کیلئے ابو طالب سے یہ درخواست کی کہ میں آپکے شانے دیکھنا چاہتا ہوں حضور انور نے محض شرم کیوجہ سے اپنے مبارک شانوں کو برہنہ کرنے سے انکار کیا مگر راہب برابر اصرار کرتا گیا اور ابو طالب نے بھی اسکی سفارش کی جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو حضور انور نے اپنے دونوں مبارک شانوں کو کھول دیا دونوں شانوں کے بیچ میں راہب نے مہر نبوت ثبت دیکھی مارے خوف کے کانپنے لگا اور بیساختہ اسکی زبان سے یہ نکل گیا ”ہذا سید العالمین ہذا الذی اللہ رحمۃ للعالمین“ جب قریشیوں کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ بحیرا نے محمد کی کچھ بہت ہی قدر ومنزلت کی بحیرا نے ابو طالب کے کان میں کہا کہ آخرالزماں پیغمبر یہی ہیں اسکی شریعت کا بچھونا تمام عالم میں بچھ جائیگا اور اسکا دین متین کل ادیان سابقہ کو منسوخ کردیگا میری صلاح یہ ہے کہ آپ انہیں شام نہ لیجائیں کہ یہودیوں کو انکے ساتھ سخت دشمنی ہے اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ مظہر موعود ہیں شاید آپ کو کچھ تکلیف پہنچائیں۔

اس بات سے ابو طالب کو خوف ہوا اور وہ اپنے تجارتی سامان کو مصر میں فروخت کرکے مکہ کیطرف روانہ ہوئے بعض مورخوں کا یہ بیان ہے کہ ابو طالب نے حضور انور کو مکہ روانہ کردیا اور آپ تجارت کیلئے شام چلے گئے اسکے علاوہ مورخوں نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ روم سے روانہ ہوا تاکہ حضور انور کو قتل کر ڈالیں اتفاق سے وہ یہودی بھی عین اسوقت کو جب بحیرا کے ہاں قریشیوں کی دعوت ہو رہی تھی اس جگہ آپہنچے اور وہ کل یہودی بحیرا ہی کے مکان میں آکے اترے شب کو یہودیوں نے بحیرا سے کہا کہ ہم نے اپنی آسمانی کتابوں میں دیکھا ہے کہ آج کے دن محمد قریشیوں کے کارواں کیساتھ خاص جگہ جہاں تم ہو پہنچیگا ہم انکے قتل کرنیکے ارادہ سے یہاں آئے ہیں تو ہمیں پورا پتہ دے کہ آیا اس قافلہ کیساتھ محمد ہیں یا نہیں بحیرا نے کہا ہاں اس گروہ میں ہیں مگر

جسکی ملفات کتب سماوی شہادت دے رہی ہیں تو اس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر اسکے قتل کرنے سے کیا فائدہ جب یہودیوں نے ایسی معقول بات سنی تو آپکے قتل سے ہاتھ اُٹھایا۔

پھر مورخوں کا یہ بیان ہے کہ اس سفر کے بعد ابو طالب کبھی حضور انور کو اپنے ساتھ کسی سفر میں نہیں لیگئے مگر بعض مورخ یہ لکھتے ہیں کہ ۱۷ برس کی عمر میں ابو طالب نے عباس بن عبد المطلب یا زبیر بن عبد المطلب کی التجا پر حضور انور کو سفر میں ساتھ کرکے یمن بھیجدیا تھا اس سفر میں بھی جو جو خوارق عادات حضور سے سرزد ہوئیں وہ مورخوں نے بیان کی ہیں۔ اسی سال ہرمز بن نوشیرواں سلطنت سے معزول کر دیا گیا اور اسکی آنکھوں میں زہر کی سلائی پھیر دی گئی اور جب حضور انور کی ۱۹ سال کی عمر ہوئی تو خسرو پرویز اپنے باپ ہرمز کی جگہ تخت نشین ہوا ۲۰ سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت اقدس کی ملازمت میں ملک شام میں تجارت کے لئے روانہ ہوئے اس سفر میں اور بھی بہت سے لوگ حضور انور کے ہمرکاب تھے جب قافلہ منزل پر پہنچا تو حضور انور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ آپکے واسطے کھانا لینے کیلئے اس گاؤں کے راہب بحیرا کے پاس گئے راہب نے دریافت کیا کہ وہ شخص جو درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے کون ہے ابو بکر صدیق نے جواب دیا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں بحیرا نے کہا یقیناً وہ پیغمبر ہیں اور خاتم الرسل ہیں میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سوا پیغمبر آخر الزماں کے کوئی شخص اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھنے کا یہ سنتے ہی ابو بکر صدیق کے دل میں حضور انور کی نبوت کی صداقت کے نقش ہو گئے۔ اکثر مورخین کی یہ رائے ہے کہ یہ سفر وہی سفر ہے کہ حضور انور نے ابو طالب کے ہمراہ کیا تھا اسکی تفصیل یہ ہے کہ قریش اسوقت ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے تھے جب ظلم حد سے گزر گیا تو مظلوموں کی ہمدردی کیلئے زبیر بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن جدعان نے قریشیوں کے بتوں کو جمع کرکے آپسمیں قسم کھائی کہ جہانتک ہو سکے کمزوروں پر ظلم نہ ہونے دینگے اس واقعہ یعنی قسم کھانے سے چند روز پہلے حضور انور پر نزول ملائکہ ہونے لگا ایک دن حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب کے پاس آ کر کہا کہ چچا جان دو تین شب سے تین چار آدمی میرے پاس آتے ہیں اور میری طرف دیکھکر آپسمیں باتیں کرتے ہیں کہ یہی وہی شخص ہے جسکے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا مجھے اس بات سے سخت ہراسانی ہے ابو طالب

نے کہا نہیں ہراساں ہونے کی کوئی بات نہیں ہے جو کچھ ہوگا اسکا ظہور دیکھ لینگے۔ پھر ایک دن حضور انور ابو طالب کے پاس تشریف لائے اور کہا چچا جان آج تو عجیب صورت نظر آئی کہ دو سپید شخص میرے پاس آئے اور مجھ پر حملہ کیا اور پھر مجھ میں ہی غائب ہو گئے جس سے ایک گونہ راحت حاصل ہوئی۔ یہ سنکر ابو طالب یہ سمجھے کہ آپکو کوئی بیماری ہو گئی ہے اسلئے حضور انور کو ساتھ لیکے ایک کاہن طبیب کے پاس آئے اور اسے ساری کیفیت بیان کی اس نے حضور انور کی نبض کو دیکھا اور ساتھ ہی سینہ اور بازوں کا بھی امتحان کیا جوں ہی اسکی نظر مہر نبوت پر پڑی۔ فوراً بول اٹھا کہ اے ابو طالب یہ لڑکا تمام عیوب سے پاک ہے اور اسپر شیطان کا وسوسہ نہیں چل سکتا جو لوگ کہ اسکے پاس آتے ہیں وہ فرشتے ہیں اور ان کا آنا محض اس غرض سے ہے کہ نبوت کے لئے اسکے حال کی تفتیش کریں اگر یہودیوں کو اسکی خبر ہو گئی تو وہ ضرور اسے قتل کرڈالیں گے۔

پھر کچھ عرصے کے بعد حضور انور نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مکان کی چھت کو کھول کے اس میں دو آدمیوں نے چاندی کی سیڑھی لگائی ہے اور اس سیڑھی پر سے نیچے اتر کے میرے پاس آئے ایک شخص ذرا دور فاصلہ پر بیٹھا اور ایک میرے پاس پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے میرا پہلو چاک کرکے میرا دل نکال لیا اور یہ کہا کہ مرد صالح اور پیغمبر کا کیا اچھا دل ہے اور پھر اس دل کو سی کے میرے پہلو میں رکھدیا اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

یہ روایتیں ہیں حضور انور کے بچپن اور سفر کے متعلق جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں سر ولیم میور اور انکے ہمخیال دوسرے یورپی مصنفوں نے ان روایتوں کو سخت لغو اور بیہودہ بیان کیا ہے میور نے تو نہایت کرختگی سے یہ کہدیا کہ مسلمان مؤرخوں نے ایسی لغو روایتیں اپنی کتابوں میں درج کرکے اپنا اعتبار ایسا کھویا کہ انکی اور روایتوں پر بھی شک ہو گیا ہے یا اس کے ہمخیالوں کی یہ بہت بڑی زیادتی ہے اگر ہم مان بھی لیں کہ روایتیں بالکل غلط ہیں تو بھی انجیلوں کی بہت سی مافوق الفطرت باتوں سے کم درجہ ہیں انجیلوں کا یہ فتویٰ دینا کہ دولتمند کبھی جنت میں جانے والے نہیں کل کی روزی کی فکر نہ کرو حضرت مسیح نے کوڑھی اور اندھوں کو دم کرکے تندرست کردیا یا حضرت مسیح زندہ بجسم آسمان پر چلے گئے یہ روایتیں اپنی نوعیت میں حضور انور کے سفر کے حالات کی

روایتوں سے اگر علومِ جدیدہ کی عقل کو کام میں لایا جائے تو کوئی درجہ ناممکن الوقوع اور بعید جا نتوا ولیل ہیں
جو روایتیں حضورِ انور کے سفر وغیرہ کی نسبت اوپر درج ہوئی ہیں اُن پر گویا اسلام کا دارومدار نہیں
ہے اور نہ صحیح حدیثوں میں اس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ حضورِ انور نے اپنے بچپن و سفر کے حالات
خود بیان فرمائے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ روایتیں اسی بھی ثبات محدود ان کہتی ہیں کہ خود
ایک اولوالعزم پیغمبر اور عظیم الشان مصلح کی وجاہت پر اس قسم کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج
کی ہیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ بالغ نظروں کے خیال میں ان میں سے کوئی بات بھی غلط نہیں کیونکہ
بیشک یہودیوں کی آسمانی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی بشارت موجود ہے اور یہودیوں کی
ابتدا سے یہ خواہش تھی کہ جو پیغمبر ہمارے ہی گروہ میں سے ہو وہ یہ سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ کسی
غیر قبیلہ میں سے کوئی شخص پیدا ہو اور اس میں پیغمبری کے اوصاف پائے جاتے ہوں یا وہ پیغمبری کا دعویٰ
کرے اور ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ اس زمانہ میں صدہا صحرا نشین راہب مختلف قسم کی
پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے اور اُنکی پیشین گوئیوں پر ایک گروہ کثیر کا ایمان تھا۔

اگر کسی صحرا نشین راہب نے حضورِ انور کے چہرہ مبارک کو دیکھ کے جسمیں ایک غیر معمولی تمکنت
اور وجاہت پائی جاتی تھی اس بات کی پیشین گوئی کردی ہو کہ آپ آئندہ نبی ہونگے یا آپ کے
پاکیزہ خیالات اور غیر معمولی صداقت کو دیکھ کے یہ حکم لگایا ہو کہ جس پیغمبر کی پیشین گوئی یہودیوں
کی آسمانی کتابوں میں درج ہے وہ پیغمبر آپ ہی ہیں یہ بات سُنکے یہودی آپکو ایذا پہنچانے کیلئے آمادہ
ہو گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں رہا اب اس بات میں اختلاف کہ حضورِ انور سفر میں کب کب
گئے اور کس کس کے ساتھ گئے یہ بہت ہی معمولی بات ہے جبکہ قریشیوں میں کوئی دفتر یا تاریخ
نویسی کا سلسلہ جس میں قافلوں کے سفروں کا حال درج ہو موجود نہ تھا نہ حضورِ انور نے اپنے بچپن
اور سفر کے حالات مفصل طور پر صحابہ سے بیان فرمائے پھر کونسی تعجب کی بات ہے کہ جو واقعات
تین سو برس کے بعد قلمبند کئے جائیں اُنمیں خاص ایسے معاملات پر اختلاف پیدا ہو جائے چونکہ حضورِ انور
تمام دنیا کے مصلح اور وہ بھی آخری ہونگے دنیا کے سامنے پیش ہونے والے تھے اسلئے مورخین عرب کا
فرض ہوا کہ ان غیر معمولی رسالت رکھنے والے کامل انسان کے واقعات بچپن جب قلمبند کریں
تو ایسے واقعات کا بیان کریں جو مافوق الفطرت ہوں یا کم سے کم معمولی شخص کی زندگی

سے ان میں ضرور امتیاز پیدا ہو سر ولیم میور کا یہ لکھنا کہ عرب مورخوں نے ایسی باتیں لکھکر بیجا اعتبار کھو دیا محض تعصبانہ اور لغو ہے ایک غیر معمولی نفس یا ایک عظیم الشان مصلح یا ایک اولوالعزم سردار کے حالات زندگی خواہ بچپن کے ہوں یا جوانی کے یا بڑھاپے کے ضرور معمولی آدمیوں کے واقعات زندگی سے ممیز ہونگے۔ ہم نے لندن بلکہ یورپ کے بہت سے نامورونکے حالات دیکھے ہیں جنکا بچپن جوانی اور بڑھاپا معمولی آدمیوں کے واقعات زندگی سے بالکل ممتاز ظاہر کیا گیا ہے۔

اب رہی دوسری بحث کہ آیا حضرت بی بی آمنہ کو عالم بیداری یا بحالت خواب میں اس قسم کی غیر معمولی صورتیں دکھائی دیں جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے انکی سند مسلمانوں کی معتبر کتابوں میں نہیں ملتی اور نہ اسپر اسلام کا دارومدار ہے یا اس قسم کی اور روایتیں محض اس وجہ سے بنائی گئی ہیں کہ حضور انور کا ظہور غیر معمولی طور پر دکھایا جائے اور آپکے معتقدوں کی محض دل خوشی ہے کہ حضور انور سردار کائنات محبوب خدا ہیں اسلئے آپ کا ہر فعل خواہ پیدائش سے تعلق رکھتا ہو خواہ بچپن اور بڑھاپے تعلیم یا تلقین سے اور آدمیوں بلکہ گذشتہ انبیا سے انکی حیثیت امتیاز ضرور پیدا کیا جائے۔ یہ کوئی بڑا جرم مسلمانوں نے نہیں کیا جبکہ انکے مستند علما ایسی روایتوں کو وثوق کے ساتھ نہیں بیان کرتے پھر کیوں خواہ مخواہ انکی مورخوں یا غیر معتبر راویوں کے خیالات پر یورپی محقق قہقہہ اڑاتے ہیں یہ نرا تعصب و بے علمی نہیں تو اور کیا ہے۔

اب دوسرا پہلو ان روایتوں کا یہ ہے کہ ہم ان سب کو عیسائیوں کے مقابلہ میں صحیح تسلیم کریں پھر دیکھیں کہ ہمارے عیسائی دوست اسکا کیا جواب دیتے ہیں جبکہ اناجیل مروجہ میں حضرت مسیح کی پیدائش اس سے بھی زیادہ مافوق الفطرت طریقہ سے بیان کیگئی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو انجیل متی باب آیت ۱۵-۲۵- اور باب ۲ اخیر تک۔

باب ۱ آیت ۱۸- اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف
کے ساتھ ہوئی تو انکے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی ۱۹ تب اسکے شوہر
یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اسے تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اسے چپکے سے چھوڑدے
۲۰ وہ ان باتوں کے سوچ ہی میں تھا کہ دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے اسپر خواب میں ظاہر

ہو کے کہا اے یوسف ابن داود اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو
اسکے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے ۲۱ اور وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع
رکھیگا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو انکے گناہوں سے بچائیگا ۲۲ یہ سب کچھ ہوا کہ جو خداوند نے
نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو ۲۳ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی بیٹا جنے گی اور اسکا نام
رکھیں گے جسکا ترجمہ یہ ہے خدا ہمارے ساتھ ۲۴ تب یوسف نے سوتے سے اٹھ کر جب
خداوند کے فرشتے نے اسے فرمایا تھا کیا اور اپنی جورو کو اپنے ہاں لے آیا ۲۵ پر اسکو نہ جانا۔
جبتک کہ وہ اپنا پلوٹھا نہ جنی اور اس نے اسکا نام یسوع رکھا۔

باب ۲ **آیت** ۱۔ اور جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے وقت یہودیہ کے بیت لحم
میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسیوں نے پورب سے یروشلم میں آکے ۲ کہا کہ یہودیوں کا بادشاہ
جو پیدا ہوا سو کہاں ہے کہ ہم نے پورب میں اسکا ستارہ دیکھا ہے اور اسے سجدہ کرنیکے لئے آئے
ہیں ۳ جب ہیرودیس بادشاہ نے یہ سنا تب وہ اور اسکے ساتھ تمام یروشلم گھبرایا ۴ تب
اس نے سب سردار کاہنوں اور قوم کے فقیہوں کو جمع کرکے ان سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا
ہوگا ۵ انہوں نے اس سے کہا یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا ہے کہ
۶ اے بیت لحم یہوداہ کی سرزمین تو یہوداہ کے سرداروں میں ہرگز کمترین نہیں ہے کیونکہ تجھ
میں سے ایک سردار نکلیگا جو میری قوم اسرائیل کی رعایت کریگا ۷ تب ہیرودیس نے مجوسیوں
کو چپکے سے بلا کر ان سے تحقیق کی کہ وہ ستارا کب دکھائی دیا ۸ اور انہیں یہ کہہ کے بیت لحم
میں بھیجا کہ جاکر اس لڑکے کی بابت ٹھیک دریافت کرو اور جب اسے پاؤ مجھے خبر دو کہ میں بھی
جاکے اسے سجدہ کروں ۹ وے بادشاہ سے یہ سنکے روانہ ہوئے اور دیکھو وہ ستارہ جو
انہوں نے پورب میں دیکھا ان کے آگے آگے چل رہا تھا اور اس جگہ کے اوپر جہاں وہ
لڑکا تھا جاکے ٹھیرا ۱۰ وے اس ستارہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔
۱۱ اور اس گھر میں پہونچکر اس لڑکے کو اسکی ماں مریم کے ساتھ پایا اور اسکے آگے گر کے
اسے سجدہ کیا اور اپنی جھولیاں کھول کے سونا اور لوبان اور مُر اسے نذر گذرانا ۱۲ اور خواب
میں آگاہی پاکے کہ ہیرودیس کے پاس نہ جائیں وے دوسری راہ سے اپنے ملک کو پھر گئے۔

۱۳ جب وے روانہ ہوئے تو دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی
دیکے کہا اٹھ اس لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور وہاں جب تک میں تجھے
خبر نہ دوں کیونکہ ہیرودیس اس لڑکے کو ڈھونڈھے گا کہ مار ڈالے ۱۴ تب وہ اٹھ کے رات
ہی کو لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکر مصر روانہ ہوا ۱۵ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں
رہا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا۔
۱۶ جب ہیرودیس نے دیکھا کہ اس نے مجوسیوں سے فریب کیا تھا تو نہایت غصہ
ہوا اور لوگوں کو بھیج کے بیت لحم اور اسکی ساری سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے
اور اس سے چھوٹے تھے اس وقت کے موافق کہ اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی قتل کروایا ۱۷
تب وہ جو یرمیاہ نبی نے کہا تھا پورا ہوا کہ ۱۸ رامہ میں ایک آواز سننے میں آئی ہاہاکار اور رونے اور
بڑے ماتم کی کہ راخل اپنے لڑکوں پر روتی اور تسلی نہیں چاہتی اسلئے کہ وے نہیں ہیں۔
۱۹ جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں خواب میں یوسف کو دکھائی
دیکے ۲۰ کہا اٹھ اور اس لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں جا کیونکہ جو اس
لڑکے کی جان کے خواہاں تھے مر گئے ۲۱ تب وہ اٹھا اور اس لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ
لیکے اسرائیل کے ملک میں آیا مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ پر
بادشاہت کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں آگاہی پاکر جلیل کی اطراف میں روانہ ہوا
۲۳ اور ایک شہر میں جسکا نام ناصرت تھا جا کے رہا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا۔

اب فرمائیے کہ ان واقعات میں جو بعید از فہم ہیں کونسی شاخ زعفران لگی ہوئی ہے کہ
ہم حضور انور کے واقعات پیدائش تو تسلیم نہ کریں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ دور از قیاس
باتیں مان لیں کہاں ہیں سر ولیم میور اور انکے ہمخیال جو ان باتوں کا ہمیں جواب دیں کہ اسوقت
دو نبیوں کے واقعات پیدائش وغیرہ ہماری آنکھوں کے آگے موجود ہیں اور دونوں خرق العادۃ
رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کس کو مانیں اور کس کو نہ مانیں۔

حضرت مسیح کی اس قسم کی پیدائش جو انجیل میں لکھی گئی ہے ایسے شرمناک طریقہ پر ہوئی ہے
کہ خود حضرت مسیح کے باپ کو بھی شبہ ہوا اور وہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا اور اس شرمناک امر کی انکی شہرت

دینی نہ چاہی کیونکہ وہ راست باز تھا۔ وہ تو خدا بچارے فرشتہ کا بھلا کرے کہ اسنے یوسف نجار کو خواب میں آکے سمجھایا کہ تو اپنی جورو پہ شبہ کیوں کرتا ہے اسکو اپنے گھر میں لے آ کیونکہ جو اسکے رحم میں ہے وہ روح القدس سے ہے۔ یوسف بڑھئی یہ خواب دیکھ کے بی بی مریم کو اپنے گھر میں لے آیا مگر پھر بھی اسکی طرف التفات نہ کیا اور رہا بچارا پریشان یہانتک کہ مریم اپنا پلوٹھا بیٹا جنی۔

اب عیسائی خیال کریں کہ انکے خداوند کی ایسی پیدائش ہے جس سے ان کے خداوند کا باپ یوسف بڑھئی ہمیشہ پریشان رہا اور اس بچارے کو اس پریشانی اور شرم سے نجات نہیں ملی پھر مجوسیوں کا پورب میں ستارہ کو دیکھنا اور یروشلم میں آکے دریافت کرنا کہ یہودیوں کا بادشاہ کہاں ہے ہم نے پورب میں اس کا ستارہ دیکھا اور اب اس کو سجدہ کرنے آئے ہیں۔

بھلا انصاف سے خیال تو کرو کہ یہ کیسے بے جوڑ واقعات ہیں مجوسیوں کا ستارہ کو دیکھنا جبکہ اور لاکھوں ستارے آسمان پر موجود ہیں اور پھر اس ستارہ سے یہ مطلب سمجھ لینا کہ یہیں انکا بادشاہ پیدا ہو گیا یروشلم میں چل کے اسکو سجدہ کرو ایک ایسا غلط استدلال اور لغو بیان ہے۔ کوئی شخص بشرطیکہ اسپر عقیدہ کا بھوت نہ چڑھا ہو کبھی یقین نہیں کر سکتا اسکے بعد ہیرودیس شاہ کو پہلے تو حضرت مسیح کا معتقد بنایا ہے کیونکہ اسلئے تلاش میں آدمی روانہ کئے تھے۔ کہ بیت لحم میں اسکو جاکر ڈھونڈھیں۔ اور مجھے خبر کریں تاکہ میں بھی اسکو جاکر سجدہ کروں اور پھر اسی بادشاہ کو حضرت مسیح کا دشمن بنا دیا اور فرشتہ سے یوسف بڑھئی کو یہ کہلایا کہ تو اس لڑکے یعنے مسیح کو لیکر مصر روانہ ہو جا کیونکہ ہیرودیس اسکے قتل کرنیکی فکر کر رہا ہے۔

پھر حضرت مسیح کی پیدائش کو خونی جامہ پہنایا گیا ہے یعنے صرف انکی وجہ سے بیت لحم اور اسکی ساری سرحد کے شیرخوار بچوں کو جو دو برس کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل کر ڈالا گیا ہے گیا ایک شخص کی پیدائش ہو جبکہ معصوم شیرخوار بچے ماؤں کی گودیوں میں ذبح کرنے گئے خوفناک کوئی پیدائش اس سے زیادہ ہو سکتی ہے آفت کیسی خونی پیدائش ہو وہ اور جو کہ حضرت عیسیٰ اپنی شیرخوارگی کی حالت میں تھے کہ ہزار ہا بچوں کا خون ہو گیا یہ آثار ہیں عیسائیوں کے خداوند کی پیدائش کے اور نئی بات ملاحظہ ہو کہ ہیرودیس نے جب لوگوں کو مسیح کی تلاش میں بھیجا جو ستارہ انہوں نے دیکھا وہ ساتھ ساتھ چلنے لگا وہ بیت لحم میں انکے ساتھ تھا چلا آیا یہ بھی عجیب شکل ہو کر آ رہا بچے کے گھر میں بھلا کرنے میں ایک بچہ پکڑ لایا کہ دو دو مر گیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جادو گر میرے سا

اِس قسم کی باتیں دنیا میں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں کہ ستارہ ساتھ ساتھ چلے اور پورب سے چند آدمیوں کے ساتھ بیت اللحم تک پہنچے۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر مذہب نے اِس قسم کی مافوق الفطرت باتیں تسلیم کرلی ہیں مگر افسوس اُس وقت ہوتا ہے کہ جب یہ مذہب والا ایسی ہی باتوں پر دوسرے مذہب والے پر اعتراض کرے اور خوش ہو کہ میں نے بڑا تیر مارا سر ولیم میور یا ان کے دوست اسپرنگر عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر تعجب یہ ہے کہ جو باتیں ان کے مذہب میں مسلم ہیں ان ہی باتوں پر وہ دوسرے مذہب کو اچھا نہیں سمجھتے حضرت مسیح اور ان کے باپ یا حواریوں کے پاس فرشتوں کا مجسم آنا قبول کرتے ہیں لیکن اس بات کے معترض ہیں کہ محمد عربی فخر دو جہاں کے پاس خدا کے احکام دے کے کیوں فرشتے آتے ہیں اگر سر ولیم میور یا اُن کے دوست اسپرنگر صاحب حضرت مسیح کی پیدائش کا حال غور سے انجیلوں میں پڑھ لیتے تو انہیں بھولے سے بھی اُن واقعات پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا جو حضور انور کی پیدائش، بچپن اور سفر کے متعلق بیان ہوگئیں

چوتھا باب (۴)

حضور انور کے حالات چودہ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک

ہر سال ماہ ذیقعد تمام عربی قبائل طائف اور نخلہ کے بیچ میں بمقام عکاظہ جمع ہوتے تھے اور یہ گویا ایک بہت بڑا مذہبی میلہ مکہ میں لگتا تھا۔ ہر قسم کے عطریات، لوبان، عنبر اور مشک وغیرہ دور دور سے سوداگر لاتے تھے اور اس میلہ میں آکے فروخت کرتے تھے، ہر قسم کا جواہر اور تمام قسم کے ملبوسات اور مویشی وغیرہ کی خوب گرم بازاری سے تجارت ہوا کرتی تھی۔

ساتھ ہی اس کے ایک بڑی بات اس میلہ میں یہ بھی ہوتی تھی کہ عرب کے بہت بڑے بڑے سربرآوردہ شاعر مجالس میں اپنے اپنے قصائد پڑھا کرتے تھے اور امرا یا شیوخ قبائل کی طرف سے اِن کو داد کے ساتھ عمدہ اشعار پر انعامات بھی دئے جاتے تھے، سبعہ معلقات اسی میلہ کی بہت بڑی یادگار ہے چونکہ اس نظم کے مصنف کو اِس بات کا بہت بڑا غرہ تھا کہ مجھ سے بہتر نظم دوسرا شخص موزوں نہیں کرسکتا اس لئے اس نے کعبہ کے دروازہ پر اپنے عمدہ قصائد کو آویزاں کردیا اس کے علاوہ اور بھی شاعر اپنی اپنی نظمیں محض مقابلہ کیلئے آویزاں کرتے تھے۔

یہ مہینہ جس میں یہ میلہ ہوا کرتا تھا عربوں میں بہت مبارک گنا جاتا تھا۔ کسی قسم کی لڑائی کسی قسم کا جھگڑا اور فساد کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ سے نہیں کرتا تھا صدیوں کا عناد اور نفرت یہاں آ کے ختم ہو جاتی تھی اور اس قانون کی تمام قبائل کو یکساں پابندی کرنی پڑتی تھی۔ اسوقت عرب کے دو قبائل میں باہم کشمکش پیدا ہو رہی تھی ایک قبیلہ بنی ہوازن اور دوسرا قریش کا تھا بنی ہوازن کا مسکن مکہ اور طائف کے بیچ میں تھا قریش زیادہ تر مکہ میں رہتے تھے ہوازن نے اس مقدس قانون کو جسکا عملدرآمد تمام ملک میں ہو رہا تھا یک لخت توڑ دیا یعنی قریش کے ایک شاعر سے جس نے اپنے خاندان کی اپنی ایک نظم میں تعریف کی تھی خواہ مخواہ اس سے جھیڑ خانی کر کے اس پر حملہ کیا اور اسے خوب مارا یہ بات دیکھ کر تمام قریشیوں میں آگ لگ گئی اور ایک موقع پر طرفین میں تلواریں کھنچ گئیں۔ اگر قبائل کے شیوخ بیچ میں پڑ کے طرفین کو ٹھنڈا نہ کرتے تو عام جنگ ہو جانی لازمی تھی اس لحاظ سے چونکہ بنی ہوازن والوں نے مقدس مہینہ کا احترام نہیں کیا اور انہوں نے حرم کی توہین کی اس لئے یہ فجار کہتے ہیں ہنگامی صلح اس صورت سے ہوئی تھی کہ دونو قبائل کے شیوخ نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ دونوں فریق اپنے اپنے ہتھیار امانتاً قریشیوں کے ایک سردار کے پاس رکھوا دیں چنانچہ یہ انتظام ہو گیا اور دونوں فریق ٹھنڈے پڑ گئے یہ صلح کئی سال تک قائم رہی مگر اتفاق سے بنی ہوازن کا ایک قافلہ جو تجارتی سامان لے کر آتا تھا قریشیوں نے قافلہ پر حملہ کر کے سردار قافلہ کو مار ڈالا اور حملہ اور قتل سے عام جنگ کی بنیاد پڑ گئی۔ سردار ہوازن کے قتل ہوتے کے ساتھ ہی عکاظہ میں آگ کی طرح سے یہ خبر پہنچ گئی بنی ہوازن کو بہت غصہ آگیا اور انہوں نے مکہ پر حملہ کیا قریش بھاگ کے حرم میں جمع ہو گئے بنی ہوازن نے مقام کی حرمت کا خیال نہیں کیا اور لڑائی شروع کر دی غرضکہ مدت تک قریش اور ہوازن میں لڑائیاں ہوتی رہیں چار برس کی جنگ و جدل کے بعد عتبہ بن ربیع نے صلح کا پیغام بھیجا اور دونوں قبائل میں صلح ہو گئی شرط صلح میں ایک شرط یہ تھی کہ جتنے آدمی بنی ہوازن کے مارے گئے ان کا خون بہا ادا کریں ❖

جب قریش بنی ہوازن سے لڑ رہے تھے تو ان کا قبیلہ علیحدہ علیحدہ ایک ایک سردار کی ماتحتی میں لڑنے نکلتا تھا۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد کا سپہ سالار حرب بن امیہ تھا۔ بنی ہاشم۔ زبیر کی ماتحتی میں موجود تھے مگر انہوں نے جنگ میں کچھ زبردست پہلو نہیں اختیار کیا تھا ❖

بیان کیا گیا ہے کہ ان لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حضور انور بھی موجود تھے اگرچہ اس وقت آپکی عمر پوری بیس سال کی تھی لیکن آپ قتال میں شریک نہیں ہوئے نہ آپ نے مسلح ہونا بہتر جانا کیونکہ قدرتی طور پر آپکو انسانی خونریزی سے نفرت تھی۔ اور اسی لئے زمانہ وفات تک آپنے کبھی جنگ کی ابتدا نہیں کی اور جب تک آپ مجبور نہ کر دیئے گئے آپ نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ بعض مورخوں کے بیان کے بموجب بنی ہوازن کی جنگ میں آپ نے صرف اس قدر کیا تھا کہ جو تیر مخالف مارتے تھے۔ ان تیروں کو آپ جمع کر کے اپنے چچاؤں کو دیتے جاتے تھے۔

سر ولیم میور اور ان کے ہم خیال انگریزی مورخ یہ تحریر کرتے ہیں کہ عکاظ کے میلے میں چونکہ ہر مذہب اور ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اس لئے آنحضرت کو سب کے عقائد اور معاشرت کے جانچنے کا موقع ملا تھا یہاں نجران کے عیسائیوں کا بشپ بھی تھا جس نے مسیحی عقائد کے متعلق بارہا وعظ کہے تھے اور وہ عقائد جو نجران کے بشپ نے مسیحی عقائد کے متعلق بیان کئے تھے قریشیوں کے بت پرستی کے خیالات سے بدرجہا بہتر اور صاف تھے۔ چونکہ آنحضرت کے خیال میں عالم طفلی ہی سے یہ بات پڑ گئی تھی کہ بت پرستی ایک نہایت ہی لغو چیز ہے اور لات و عزیٰ محض بیکار بت ہیں جن کی پرستش سے سوائے اوقات ضائع ہونے کے اور کچھ نہیں حاصل ہوتا آپ نے بشپ کی تقریر کو بہت غور سے سنا ہوگا۔ اور اسی تقریر کی وجہ سے آپ کے دل میں جدید مذہب قائم کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہوگا۔

اس کے بعد میور افسوس کرتا ہے کہ اگر اس زمانہ میں عیسائیوں کی معاشرت درست ہوتی اور ان کے خیال اصلی انجیل کے خیالات ہوتے تو ضرور آنحضرت عربی مسیحی مذہب کے ایک زبردست مصلح اور پیشوا بن جاتے مگر نصرانیوں کی غیر معتدل معاشرت نے آپکے دل میں انکی طرف سے نفرت پیدا کر دی اور اسی وجہ سے آپ ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالنے کیلئے مجبور ہوئے۔

سر ولیم میور کی ان خام خیالیوں کی داد کیا تو یورپ کے ناتجربہ کار ناظرین دینگے یا ہندوستان میں گرجاؤں کی محدود چار دیواریوں سے مرحبا کی صدائیں بلند ہوں گی مگر محقق اور بالغ نظروں کے خیال میں فاضل میور کی یہ خام خیالیاں چانڈو خانوں کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں

سر ولیم میور کا فرض تھا کہ وہ پہلے کسی معتبر تاریخ کے ذریعہ سے اِس بات کو ثابت کرتا کہ بخران کا کونسا بشپ اِس میلہ میں آکر شریک ہوا تھا اور اِس نے طائف سے لیکر مکہ تک کس مقام پر اپنے ڈنڈے ڈیرے ڈال کے وعظ کہے تھے۔ جب میور اِس بات کو ... ثابت کر لیگا تو اُسے یہ بات ثابت کرنی پڑے گی کہ حضور انور اِس کے وعظ میں کے بار شریک ہوئے تھے آیا آپ تنہا جاتے تھے یا اپنے چچا جون کے ساتھ مگر اِس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ میور اور اِس کے ہم خیال اگر ایڑی چوٹی کا بھی زور لگا لیں گے جب بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک کو بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

ہم اِس رمز کو سمجھ گئے کہ اِنہوں نے اپنے خداوند مسیح کے مقابلہ میں یہ بات بنائی ہے جسطرح اُن کے خداوند حضرت یحییٰ کے وعظوں میں جاتے جاتے اور نصیحت کی باتیں سنتے سنتے خود جوش میں بھر کے منادی کرنے لگے اور آسمانی بادشاہت کا راگ گانے لگے تھے اسی طرح وہ اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے حضور انور کے سر یہ بات تھوپتا ہے کہ آپ کو جو یہ مذہبی جوش پیدا ہو گیا وہ کسی بشپ کے وعظ کا اثر تھا حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیلی حالت کو غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقرہ کہ ”آسمان کی بادشاہت قریب ہے“ حضرت مسیح نے یحییٰ یا یوحنا سے اُڑایا تھا اور یہ اصل میں ان ہی کی ایجاد ہے۔ جیسا کہ انجیل متی باب ۳ میں لکھا ہے ✤

”اِن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے۔ ۲۔ اور یہ کہنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے ۳۔ کہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی نے یہ کہہ کے کیا کہ جنگل میں ایک پکارنے والے کی آواز ہے کہ خداوند کی راہ کو درست کرو اور اس کے راستوں کو سیدھا بناؤ۔ ۴۔ اس یوحنا کی پوشاک اونٹ کے بالوں کی تھی اور چمڑے کا کمربند تھا اور ٹڈی اور جنگلی شہد اُس کی خوراک تھی۔ ۵۔ تب یروشلم اور سارے یہودیہ اور یردن کے سب آس پاس کے رہنے والے اُس پاس چلے آئے ۶۔ اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے یردن میں اس سے بپتسمہ پایا ✤

۷۔ پس جب اس ... کہا کہ بہت سے فریسی اور صدوقی بپتسمہ پانے کو اس پاس آتے ہیں تو انہیں کہا کہ اے سانپوں کے بچو! تمہیں آنیوالے غضب سے بھاگنا کس نے سکھلایا ہے ۸۔ پس توبہ کے لائق پھل لاؤ۔

۹ اور اپنے دل میں ایسا کہنے کا خیال مت کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں
کہ خدا انہیں پتھروں سے ابرہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے ۱۰- اور درختوں کی جڑ پر اب کلہاڑا
رکھا ہے پس ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے ۱۱- میں تمہیں توبہ
کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زورآور ہے کہ میں اس کی
جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا ۱۲- اس کا
سوپ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کریگا اور اپنے گیہوں کو کھتے
میں جمع کریگا۔ پر بھوسے کو اس آگ میں جو ہرگز نہیں بجھتی جلا دیگا ÷
۱۳- تب یسوع جلیل سے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس آیا تاکہ اس سے بپتسمہ پاوے
۱۴- پر یوحنا نے اسے منع کیا اور کہا کہ میں تجھ سے بپتسمہ پانے کا محتاج ہوں اور میرے پاس
آیا ہے ۱۵- یسوع نے جواب میں اس سے کہا اب ہونے دے کیونکہ ہمیں مناسب ہے
کہ یوں ہی سب راستبازی پوری کریں تب اس نے ہونے دیا ۱۶ اور یسوع بپتسمہ پا کے وہیں
پانی سے نکل کے اوپر آیا اور دیکھو کہ اس کے لئے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو
کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو کہ آسمان سے ایک آواز یہ کہتی آئی کہ میرا
پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں فقط

حضور انور کا ابتدائی زمانہ نہایت خاموشی اور سکوت سے بسر ہوا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے پندرہ سال کے واقعات زندگی نامعلوم ہیں اسی طرح حضور انور رسول خدا کے حالات زندگی ابتدائی زمانہ کے نہیں بیان کئے گئے ہیں ÷

آپ بچپن میں مکہ کے پہاڑوں پر ریوڑ چرایا کرتے تھے اور صبح سے شام تک اس کام کی انجام دہی کرتے تھے۔ جو موسیٰ اور داؤد نے نبوت سے پہلے کئے تھے۔ بکریوں اور بھیڑوں کا ریوڑ چرانے کا طریقہ مکہ میں کچھ ایسا رائج تھا کہ امیر و غریب سب اس کام کو کرتے تھے حضرت ابوبکر خلیفہ ہونیکے بعد بھی بوقت فرصت ریوڑ چرانے نکل جایا کرتے تھے بڑے بڑے سرداران قریش کے بچے شوق سے بھیڑ بکری چرانے تھے اور اہل مکہ کے تمدن کا جزو اعظم اسکو خیال کرکہا تھا مگر سر ولیم میور اور اسکا دوست اسپرنگر حضور انور کے ریوڑ چرانے سے سخت ناراض ہے

وہ کہتا ہے کہ جب محمدؐ میں زندگی کے اعلےٰ فرائض کی انجام دہی کی قابلیت نہ تھی اسی وجہ سے وہ ایک ایسا ادنےٰ درجہ کا کام کرتے تھے۔ اسپرنگر کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ کرنے ایسے کام تھے جو حضور انور نے نہیں کئے نبوت کے اعلان کا وقت ابھی نہیں آیا تھا اس لئے اس سے پہلے خداوند تعالےٰ کی یہی مرضی تھی کہ آپ زندگی کے کل مدارج کم و بیش طے کریں۔ چنانچہ ریوڑ آپ نے چرائے اپنے چچا کی بکریوں کا دودھ آپ نے دوہا۔ جنگ میں تیر سمیٹنے کا کام آپ نے دیا۔ صلح آپ نے کرائی۔ تجارت آپ نے کی۔ سفر آپ نے کئے غرض اس زمانہ کی محدود زندگی کے جتنے مدارج تھے۔ سب آپ نے طے کر لئے تھے۔ پھر ان کاموں کے ختم ہونیکے بعد آپ نے اس عظیم الشان کام کی تیاریاں کیں جو آپ کو ملنے والا تھا اور جس کے لئے آپ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔

ایسے بیہودہ اعتراضات جو عیسائی مورخوں نے حضور انور کی زندگی پر کئے ہیں ان کی فطرت ایسی کمزور ہے کہ اگر ذرا اُن میں تراش خراش کی جائے تو وہ اوندھے منہ گر پڑیں۔ یہ نادان مورخ جس پر یورپ کو بہت بڑا گھمنڈ ہے حضور انور کو ناقابل بتاتا ہے کیا قابلیت کی یہی دلیل نہیں ہے کہ آناً فاناً میں ہوا کا رخ اُدھر سے اُدھر پھیر دیا اور قدیمی مذاہب کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بڑی زبردست سلطنتیں قائم کردیں۔ اگر لیاقت کا دارومدار اس پر ہے کہ تمام عمر منادی کرنے اور تکالیف اٹھانے کے بعد بمشکل چند مچھوے مرید ہوئے اور ان میں بھی ایک مچھوے نے چند روپے لے کے اپنے پیر کو پکڑوا دیا اور اس مظلوم نوجوان کو سولی دلوادی تو بیشک یہ بات ٹھیک ہے اس قابلیت کے مقابلہ میں حضور انور ضرور ناقابل تھے۔ بدنصیب متعصب مورخ اپنے گریبان میں تو منہ ڈالتے نہیں جو کچھ جی میں آتا ہے اناپ شناپ لکھ مارتے ہیں۔

حضور انور کا بچپن ایسا ستھرا ہوا اور پاکیزہ تھا اور آپکی صداقت ایسی مشہور ہوگئی کہ لوگ آپ کو الامین کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے آپکی راستبازی اور صفائی قلب۔ آپکا صبر اور تحمل اور سیرچشمی۔ آپ کی غیر معمولی فرمانبرداری جو آپ اپنے چچا ابوطالب کی کرتے تھے مکہ میں حیرت ناک طریقہ سے دیکھی جاتی تھی۔

ابوطالب کی حالت اس دقت معاش کی وجہ سے بہت تنگ ہو گئی تھی اور آپ اپنے کنبہ کا

بوجہ نہیں اٹھا سکتے تھے حضور انور کی عمر اس وقت پورے پچیس سال کی تھی ایک دن ابو طالب نے اپنے بھتیجے سے یہ کہا " محمد جیسا کہ تم جانتے ہو میں ایک قلیل معاش کا شخص ہوں اور یہ وقت مجھ پر بڑا گزر رہا ہے اب اس وقت تیرے ہی قبیلہ کا ایک کارواں شام کو روانہ ہونے والا ہے اور خدیجہ بنت خویلد کو اپنا تجارتی مال فروخت کرنے کیلئے ایک شخص کی تلاش ہے اگر تم درخواست کرو تو خدیجہ تمہاری خدمات منظور کرلیگی حضور انور نے جواب دیا جو آپ کی مرضی ہو مجھے اس میں کچھ عذر نہیں۔ " یہ سنتے ہی ابو طالب خدیجہ کے پاس گئے اور کہا کیا تم میرے بھتیجے محمد کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ شام بھیجنا منظور کرتی ہو یہ سن کے خدیجہ نے منظور کر لیا مگر دوسری روایت یہ ہے مگر زیادہ یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ابو طالب نے قلت مال اور کثرت عیال کی حضور خواجہ عالم میں شکایت کی اور کہا کہ خدیجہ بنت خویلد اپنا مال مضاربہ کے ساتھ لوگوں کو فروخت کرنے کیلئے دیتی ہیں (فقہا نے اس شرکت مضاربہ کے معنی نفع میں نصف نصف کی شرکت کے بیان کئے ہیں اور اس قسم کی شرکت کو جائز بتلایا ہے) اگر آپ خدیجہ سے درخواست کریں تو وہ آپکی درخواست فوراً منظور کرے گی اور چونکہ آپکی امانت اور دیانت داری مشہور آفاق ہو رہی تھی تو اس کی توجہ آپ کی طرف فوراً مبذول ہو جاوے گی اس کا جواب حضور انور نے یہ دیا۔ فلعلہا ترسل الیہ فی ذلک ابو طالب نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس عرصہ میں دوسرا شخص تجویز نہ ہو جائے۔ ابھی اسی طرح کی چچا بھتیجے میں گفتگو ہوتی رہی کہ اس کی خبر خدیجہ کو پہنچی۔ اس خاتون نے فوراً پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کا ارادہ تجارت کرنیکا ہے۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو محض اس وجہ سے کہ آپ میں حسن گفتاری حسن کرداری سوفور امانت اور کمال دیانت کی صفات ہیں میں بہ نسبت اور لوگوں کے آپکو مضاعف دونگی حضور انور نے اپنے چچا سے جا کے بیان کیا کہ خدیجہ نے یہ پیغام بھیجا ہے ابو طالب بہت خوش ہوئے اور بیساختہ انکی زبان سے یہ نکل گیا۔ ان ھذا لرزق ساقہ اللہ الیک یعنی رزق ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہیں ارزانی فرمایا ہے۔ غرض کل باتیں تجارت کے متعلق طے ہو گئیں۔ خدیجہ نے اپنا غلام میسرہ آپکی خدمت کے لئے دیا بعض مورخ لکھتے ہیں وہ شخص خزیمہ بن حکیم تھا جو خدیجہ کا قریبی تھا اور حضور انور کے ساتھ کیا گیا تھا :

یہ قافلہ سیدھا مصر کی طرف روانہ ہوا بعض مورخوں کا بیان ہے کہ ایک اونٹ پر خزیمہ اور حضور انور

سوار تھے تھوڑی دور چلنے کے بعد اونٹ کے پیر رہ گئے اور وہ چل نہ سکا خزیمہ نے کہا یا محمد اونٹ
تو چل نہیں سکتا اب کیا کیا جائے آپ یہ سن کے نیچے اتر آئے اور اونٹ کے پیر پکڑ کے خداوند تعالےٰ
کے حضور میں دعا کی کہ اتنے میں اونٹ کے پیر کھل گئے اور وہ بے چلنے لگا عرب کے مورخ لکھتے ہیں
اونٹ بار نبوت کا متحمل نہ ہو سکتا تھا مورخوں کا یہ لکھنا غلط نہیں ہے بیشک آپ نبی ہونیوالے تھے
اور آپ میں وہ کل جوہر موجود تھے جو ایک نبی کی ذات میں ہونے چاہئیں اونٹ کی ٹانگیں نبوت کے
بوجھ سے بیکار ہو جائیں کچھ تعجب کی بات نہیں ہے جن لوگوں کو مسمریزم آتا ہے وہ اگر چاہیں تو ایک
شخص پر صرف اپنے ہاتھ کے ذریعہ سے کئی من بوجھ ڈال سکتے ہیں اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مسمریزم
جو ایک کسبی چیز ہے اور نبوت کی روحانی قوت سے اس کو کچھ بھی مناسبت نہیں ہے پھر یہ کونسی حیرت
کی بات ہی کہ بار نبوت کا اونٹ متحمل نہ ہو سکے اور چلتے چلتے اسکی ٹانگیں رہ جائیں اگرچہ یہ روایت مسلمان
محدثوں نے زیادہ معتبر نہیں تسلیم کی اور نہ کوئی جلیل القدر صحابی اس کا راوی ہی نہ اسکی روایت ہم
مسلمانوں کے کسی مذہبی رکن کا دار و مدار ہے تو بھی اگر تھوڑی دیر کیلئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں
تو ہمارے خیال میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ؞

جس وقت خزیمہ نے یہ بات دیکھی تو بیساختہ اسکے منہ سے یہ نکل گیا کہ محمد آئندہ شان عظیم پیدا
کرینگے جب حضور انور حدود مصر میں پہونچے تو ایک نصرانی راہب کی خانقاہ کے پاس آپ نے قیام
فرمایا اس راہب کو نسطورا کے نام سے بھی پکارا گیا ہے جب کارواں نے یہاں قیام کیا تو حضور
انور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے وہ درخت خود اسی سبز اور شاداب ہو گیا اور حضور انور پر سایہ کر لیا
نسطورا نے جب یہ حال دیکھا تو سناٹے میں آگیا اپنی خانقاہ سے باہر نکلا اور حضور انور کی خدمت
میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دیکے کہتا ہوں کہ آپ کا نام کیا ہی یہ الفاظ سنکر
حضور انور کو بہت برا معلوم ہوا حضور انور نے ارشاد کیا دور ہو میرے آگے سے اے بدنصیب
شخص مجھے اس سے زیادہ کوئی بات ناگوار نہیں معلوم ہوتی نسطورا کے پاس ایک لکھا ہوا حریرہ
تھا اثنائے گفتگو میں کبھی وہ اس لکھے ہوئے ٹکڑے کی طرف دیکھتا اور کبھی حضور انور کے چہرہ
مبارک کی طرف نظر کرتا تھا کچھ دیر وہ یوں ہی کرتا رہا اس کے بعد بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا
کہ اس خدا کی قسم جس نے مسیح پر انجیل نازل کی یہ تو وہی ہے جس کی پیشین گوئی کتب مقدسہ میں

چونکہ خزیمہ بہت غور سے ان سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کیونکہ قدرتی طور پر حضور انور کی محبت دل کی جاگزین تھی اسے خوف ہوا کہ نسطورا کی طبیعت میں کچھ برائی نہ ہو اور وہ حضور پر حملہ کرنے کی غرض سے نہ آیا ہو یہ سوچتے ہی اس نے تلوار نکالی اپنے قافلہ والوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا نسطورا مارے خوف کے اپنی خانقاہ میں بھاگ گیا اور چھت پر چڑھ کے قافلہ والوں کو آواز دے کے کہا کہ تم مجھ سے کیوں ڈرتے ہو تم سے زیادہ عزیز کوئی قافلہ آج تک یہاں نہیں آیا جو شخص درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اس میں کل علامتیں پیغمبری کی موجود ہیں یہ بیشک پیغمبر خدا ہے اور خاتم المرسلین ہے ہمارے مذہب میں جو علامتیں لکھی ہوئی ہیں وہ اس میں سب پائی جاتی ہیں اس مقدس شخص کی اطاعت میں نجات ہے اور اس کی مخالفت سبب ہلاکت ہے

اس کے بعد اس نے خزیمہ سے پوچھا کہ تیرا تعلق آپ کے ساتھ ہے اس نے کہا کہ میں حضور کا خادم ہوں اور پھر ساری حکایت اونٹ کے بیہرہ جانے کی اور پھر آپ کے ہاتھ رکھنے سے چل نکلنے کی بیان کر دی۔

راہب نے کہا میں ایک بھید کی بات تجھ سے کہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تو اس کو پوشیدہ ہی رکھے گا خزیمہ نے جواب دیا کہ میں قسم کھاتا ہوں کسی سے وہ بات نہیں کہوں گا اس پر راہب نے اس سے کہا کہ اس حریر کے ٹکڑے میں لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص ان تمام ملکوں پر غلبہ پائے گا اور کل لوگوں پر اس کو فتح حاصل ہو گی اور کوئی شخص اور کوئی گروہ اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور چونکہ لوگ اس کی بزرگی کو نہ پہچانیں گے اس لیے اس کے مخالف ہو جائیں گے۔ اور سب سے زیادہ دشمنی اس سے یہودی کریں گے اس لیے یہودیوں کے شر سے خوف کرنا چاہیے۔ خزیمہ نے بہت غور سے ان باتوں کو سنا اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ میں چند ایسی صفتیں پاتا ہوں جو آج تک کسی دوسرے شخص میں میں نے نہیں دیکھیں اور میرا خیال ہے کہ پیغمبر موعود کہ آخر زمان میں مبعوث ہوگا وہ تو ہی ہے میں خلقت کو تیرا عاشق پاتا ہوں اور تیرے سے زیادہ کسی کو عزیز رکھتا ہوں اور اب میری نگاہ میں تیرے دشمن میرے دشمن ہیں۔

کہتے ہیں کہ اثنائے سفر میں حضور انور کو ایک یہودی سے مباحثہ کرنے کا اتفاق ہوا یہودی نے کوئی سوال حضور انور سے کرنا چاہا۔ اس نے سب سے پہلے حضور کو لات و عزیٰ کی قسم دی حضور انور نے ارشاد کیا کہ تو مجھے لات و عزیٰ کی قسم کیوں دیتا ہے ان کی تو مجھے نفرت ہے

کہ جب میں ان کے پاس سے ہو کر گذرتا ہوں مجھے ایسی سخت نفرت ہے کہ میں ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہوں۔ یہودی نے کہا بیشک آپ حق پر ہیں اور ایسے شخص سے جو حق پر ہو مجھے مباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر اس نے خزیمہ سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر ہے جس کی صفات پہلے علماء نے توریت میں دیکھی ہیں۔

غرض جب تجارت کا مال حسب دلخواہ فروخت ہو گیا تو حضور انور نے اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ منزلوں کو طے کرنے کے بعد عین اُس وقت حضور انور مکہ میں پہونچے کہ جب بہت شدت کی گرمی پڑ رہی تھی آپ کے سر مبارک پر اس تیز دھوپ میں قدرتی طور پر ایک ابر سایہ کئے ہوئے تھا۔ خدیجہ بہت سی مکہ کی عورتوں کے ساتھ اپنے مکان میں بیٹھی ہوئی کھڑکی میں سے قافلہ کو آتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ انہیں یہ حال دیکھ کر تعجب ہوا۔ ادھر خزیمہ نے سفر کی ساری کیفیت اور راہب کا بیان بی بی خدیجہ سے دُہرایا۔

یہ خاتون نہایت عقلمند تھی اس نے حضور انور سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی بعض مورخوں کا بیان ہے کہ بی بی خدیجہ کی فطنت خوش کلامی اور دولتمندی کی وجہ سے بڑے بڑے عرب کے سردار شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر آج تک اس خاتون اعظم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ حالانکہ شادی کی درخواست کرنیوالے بہت سے دولتمند عرب تھے مگر یہاں سب سے انکار کر دیا جاتا تھا مگر حضور انور کے حالات اور غیر معمولی دیانتداری نے اس کے دل میں ایسا گھر کیا کہ اس نے خود ایک عورت نفیسہ نامی کے ہاتھ حضور انور کے پاس پیغام بھیجا یہ عورت بھی نہایت ہی عقلمند اور ہوشیار تھی پیغام لے کر سیدھی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نہایت دانائی اور ہوشیاری سے عرض کیا کہ بی بی خدیجہ حضور سے شادی کرنا چاہتی ہیں کیا حضور اس درخواست کو منظور فرماتے ہیں۔ حضور نے کچھ دیر تامل کیا اور معمولی گفتگو کے بعد اپنی رضامندی ظاہر فرمائی یہ سنکر نفیسہ خوشی خوشی بی بی خدیجہ کے پاس آئی اور کہا مبارک ہو حضور انور نے تمہیں منظور کر لیا ہے۔ غرض شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی اور حضور انور اپنے چچا حضرت ابو طالب اور دوسرے چچاؤں کی ہمراہی میں عین وقت مقررہ پر بی بی خدیجہ کے مکان پر تشریف لائے ادھر خاندان بی بی خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل اور علماء نصاریٰ میں سے

چند لوگ موجود تھے ۔

ابوطالب نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اس مجلس میں خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا ۔ کہ وہ حمد و سپاس اس خدا کے لئے سزاوار ہے جس نے ہمیں ابراہیم اور اسمٰعیل کی اولاد میں پیدا کیا اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور حرم کا پیشوا بنایا اور اس گھر کو کہ خلق اللہ کا مطاف ہی ہمارے لئے امن کی جگہ بنائی ۔ اما بعد میرا بھتیجہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ایسا مرد ہے کہ اگر اس کا مقابلہ کسی دوسرے نوجوان قریش سے کیا جائے تو فضیلت اسی کو حاصل ہو گی اگرچہ وہ دولتمند نہیں ہے تو اس کی ہمیں پروا نہیں کیونکہ مال شرافت و دیانت و درایت اور بزرگی کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا ۔ اور محمد وہ شخص ہے کہ جو کچھ اس کو میرے ساتھ قرابت ہے وہ تم سب لوگوں کو معلوم ہے اب اس وقت وہ خدیجہ بنت خویلد کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہے ۔ خدا کی قسم کہ محمد کو بڑا مرتبہ اور بزرگی درپیش ہے ۔ یہ کہہ کر ابوطالب نے اپنے خطبہ کو ختم کیا اس کے بعد ورقہ ابن نوفل نے خطبہ پڑھنا شروع کیا جس میں پہلے خدا کی حمد کی گئی اور اس کے بعد ابوطالب کے بیانات کی تائید کی اور کہا کہ میں خدیجہ کو بعوض مہر چار سو مثقال طلا محمد کی زوجیت میں دیتا ہوں ۔ اس وقت ابوطالب نے ورقہ سے کہا ۔ کہ اس خطبہ میں خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد تیرے ساتھ شریک ہو تو مناسب ہے ۔ چنانچہ ورقہ نے اپنے ساتھ عمرو بن اسد کو کر لیا اس نے بھی وہی الفاظ دہرائے جو ورقہ نے کہے تھے ۔ بکثرت مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت خدیجہ کا باپ زندہ نہ تھا ۔ غرض جب نکاح ہو گیا تو خدیجہ نے اپنی لونڈیوں کو حکم دیا کہ دف بجائیں اور گائیں ۔ چنانچہ انہوں نے شادی کی خوشی میں دف بجائے اور خوب جلسہ کیا ۔

مہر میں مورخوں کا اختلاف ہے ۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ خدیجہ کے مہر میں بیس اونٹنیاں دی گئی تھیں اور بعض مورخ یہ لکھتے ہیں کہ چار سو مثقال طلا کا مہر بندھا تھا ۔ اور بعض مورخ مہر کی رقم کی مقدار پانسو درہم بیان کرتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر میں نہ صرف نقد رقم دی گئی تھی بلکہ اونٹنیاں بھی ضرور دی گئی تھیں ۔ سرولیم میور نے کہیں سے نکاح کے متعلق ایک جھوٹی اور جعلی روایت نقل کر کے بہت کچھ چمکایا اور وہ روایت ہے کہ وہ خدیجہ نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف حضور انور سے شادی کرنی چاہی تھی ۔ کہاں

جس وقت نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی ہے اس نے ایک گائے ذبح کی اور اپنے باپ کی دعوت کی۔ اور دعوت میں اس کو خوب شراب پلوائی۔ جب وہ نشہ میں چور ہوگیا تو اسی وقت آنحضرت کو نکاح کے لیے بلا بھیجا۔ خدیجہ کے باپ نے نشہ کی حالت میں اپنی بیٹی اپنی وکالت سے آنحضرت کی زوجیت میں دیدی۔ مگر جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے اپنے چاروں طرف نظر کی اور کہا گائے کا ذبح ہونا اور دعوت کا ہونا اور برات کا یہاں آنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے بیان کیا گیا کہ محمد تیرے داماد ہیں اور تو نے ابھی اپنی بیٹی ان کی زوجیت میں دیدی۔ یہ سنتے ہی خدیجہ کا باپ مارے غصہ کے کانپنے لگا اور اس نے کہا کہ میں ہرگز ایک معمولی لڑکے کو اپنی ایسی بیٹی جس کے خواہش مند بڑے بڑے عرب کے رئیس ہیں نہیں دینے کا۔ اس بات پر حضور انور کے چچاؤں کو غصہ آیا اور انہوں نے نہایت درشت لہجہ میں یہ جواب دیا کہ ہم نے اس کی خود خواہش نہیں کی تھی۔ خود تیری بیٹی خدیجہ کی تحریک سے یہ شادی ہوئی ہے۔ غرض طرفین اس قدر تیزی برتی گئی کہ تلواریں کھینچ گئیں مگر یکایک خدیجہ کا بوڑھا باپ ٹھنڈا پڑ گیا اور باہم مصالحت ہوگئی۔

یہ جھوٹی اور بیہودہ روایت میور نے بہت خوش ہوکر اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مسیحی مورخ کی معراج تحقیق اس قدر ہے۔ جہاں وہ بڑے بڑے معتبر اور مستند روایتوں کو وحشی فسانہ لکھتا ہے وہاں اس کو اس بے بنیاد قصہ کے لکھنے میں شرم نہیں آتی۔ اس کے انصاف تحقیق اور فضیلت کی پوری قلعی کھل گئی اور اس روایت کے نقل کرنے سے یہ بھی ہوگیا کہ اس سے زیادہ کوئی متعصب مورخ شاید انگلستان میں نہ ہو۔ تمام واقعات جو تاریخوں میں مذکور ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ روایت محض گھڑی ہوئی ہے۔ حضرت بی بی خدیجہ بذات خود دولتمند مشہور تھیں۔ اور وہ خود بنفس نفیس تاجروں سے لین دین کیا کرتی تھیں۔ کبھی یہ نہیں سُنا گیا کہ ان کے معاملات میں ان کے باپ خویلد نے دخل دیا ہو۔ یہ حضور انور کے ساتھ جو معاملہ تجارت کا ہوا اس میں خویلد کا کہیں ذکر آیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ نہایت خود مختارانہ طور پر زندگی بسر کرتی تھیں اور مثل اپنی عرب بہنوں کے انہیں شوہر کے انتخاب میں آزادی حاصل تھی۔ اس بات کا ذکر ہوچکا ہے کہ بہت سے امیر قریش کے

بی بی خدیجہ سے اپنی شادی کی درخواست کی تھی اور انہوں نے اپنے اختیار سے اس کو منظور کر دیا تھا۔ یہی روایت خود سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شوہر کے انتخاب کرنے کا اختیار بالکل بی بی خدیجہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ خدیجہ نے اپنے باپ کو صرف اس غرض سے شراب پلائی تھی کہ وہ بیہوشی کے عالم میں مجھے محمد کی زوجیت میں دینا قبول کرے۔ چنانچہ ان کا کرتب چل گیا اور خویلد نے بیہوشی میں حضور کو اپنی دامادی میں قبول کر لیا۔ شراب کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی جب کہ نشہ تھوڑی دیر میں اتر گیا۔ جب شراب کے نشہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس نے خویلد کو بالکل اندھا کر دیا تھا اور نہ وہ دولہا کو پہچان سکتا تھا اور نہ جو کچھ کہتا تھا اس کو سمجھتا تھا۔ پھر ایسا سخت نشہ چند منٹ میں کیسے اتر گیا۔ سر ولیم میور باوجودیکہ شراب خور قوم میں سے ہیں اور انہیں شراب کے نشہ کی پوری کیفیت معلوم ہو گی اور وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ شراب کا زیادہ نشہ سارے سارے دن بھی نہیں اترتا پھر بھی انہوں نے اس بے بنیاد قصہ کو اپنی کتاب میں درج کر کے ناظرین سے اپنا مخفی آزار ایا کیا۔ اسی پر تمام متمدن کے مورخ جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخیں لکھی ہیں فخر کرتے ہیں کیونکہ جس انگریزی مورخ کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھو اس میں سر ولیم میور کی کتاب کے حوالے ضرور ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں اسلامی واقعات کا شعور کس درجہ گہرا ہوا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ ولیم کے اس اندھیر کو دیکھئے کہ یکایک گرم پانی کے بعد تلواریں کھچوادیں اور پھر آناً فاناً میں مصالحت کرا دی۔ اگر ہم خویلد کو زندہ اور ان کے مورخ پر نشہ کی حالت میں بھی تسلیم کر لیں تو ان کے رشتہ داروں اور ساتھیوں نے تو شراب نہ پی تھی جب کہ خویلد کا دوسرا بھائی نکاح میں موجود تھا جس نے خطبہ پڑھا اور نکاح میں شریک ہوا وہ کہہ سکتا نہ تھا میرے بھائی کے ساتھ یہ بدعت ہوئی ہے ذرا تامل کیا جائے اور جب تک دو ایک روز میں وہ صحیح و سالم نہ ہو جائے نکاح نہ ہونا چاہئے جب ان لوگوں کی رضامندی سے نکاح ہوا پھر ہوشیار ہونے کے بعد انہوں نے تو خویلد کو حمزہ یا عباس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں سے جنت بحث کیوں کرنے دی اور کیوں نہیں روکا غرض اس لغو اور نہایت بودے واقعہ پر جس قدر غور کیا جائے گا اس کی لغویت ثابت

ہو تی جاوے گی۔ اصل واقعہ وہی ہے جو ہم نے نکاح کے متعلق بیان کیا ہے اور قریب قریب کل مورخ مثلاً ابن ہشام۔ ابن اسحٰق اور طبری اس کے ساتھ ہم زبانی کر رہے ہیں۔ طبری اور کاتب الواقدی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ عمرو ابن اسد بی بی خدیجہ کے چچا نے خطبہ پڑھا اور اس وقت خویلد خدیجہ کا باپ نہ تھا کیونکہ اس واقعہ سے پہلے خویلد کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر میور کو اس پر اطمینان نہیں ہے وہ کہتا ہے اور روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ خویلد زندہ تھا اور اس نے اپنی بیٹی کے نکاح کا خود خطبہ پڑھا لیکن اس کا بیان ہے کہ خویلد کے مرنے کی روایت گھڑی گئی ہے تاکہ اس کا شراب پینا اور نکاح کی اور نکاح کی مخالفت کرنا ثابت ہو اور میور یہ بھی لکھتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے شراب کی دوکانیں مکہ کے بازاروں میں عام طور پر کھلی ہوئی تھیں گر ہم یہ کہتے ہیں کہ شراب کی دوکانوں سے اس واقعہ کو کیا نسبت کیا خویلد نے کسی دوکان پر بیٹھ کے شراب پی تھی کہ دوکانوں کی ایجاد میور کو کرنی پڑی۔ میور نے طبری۔ کاتب الواقدی ابن ہشام اور ابن اسحٰق کی تکذیب تو کر دی۔ لیکن اس تکذیب کے لئے کوئی دلیل نہیں پیش کی۔ اس سے زیادہ خبط اور ہو نہیں سکتا۔ اس طرح تو ہر شخص کو مجاز ہے کہ بلا دلیل بیان کر کے کل واقعات کو جھٹلا دے۔ یہ باتیں ذی ہوش آدمیوں کی نہیں ہیں۔

شادی ہونے کے وقت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی چالیس برس تک پہنچ گئی تھی عمر کی اس نامناسبت پر بھی جس سلوک اور محبت سے حضور انور نے اپنی بی بی کے ساتھ زندگی بسر کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی کا نام نہیں لیا آپ کی محبت کی اونے دلیل یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی یہی بی بی آپ پر ایمان لائیں آپ سے بہتر شوہر آج تک کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ سوائے ابراہیم کے اور کل بچے بی بی خدیجۃ الکبریٰ ہی سے ہوئے اس زمانہ نکاح سے وحی نازل ہونے تک آپ کے حالات پر زیادہ بحث نہیں ہوتی ہے سوائے بعض واقعات کے جن کا ذکر نیچے کیا جاتا ہے۔

کعبہ کی تعمیر

جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پینتیس ۳۵ سال کی عمر ہوئی تو کعبہ کی تعمیر کا خیال قریشیوں میں پیدا ہوا اور انہوں نے متفق ہو کے کعبہ کو ڈھا دیا اور دوبارہ اس کی تعمیر شروع کی دیواریں پہلے کی نسبت بہت بلند بنائیں اور چھتیں بھی نہایت مضبوط تعمیر کیں کعبہ کے منہدم ہونے اور دوبارہ تعمیر ہونے کی دو وجہیں بیان کی ہیں اول تو یہ کہ دیواریں قد آدم سے زیادہ نہ تھیں اور ساتھ ہی کوئی چھت ہی نہ تھی جس سے ایک محفوظ مکان کی صورت بن جاتی ایک بار پانی کی رَو ویسی آئی تھی جس نے سوراخ دیواروں میں کر دیا تھا بلکہ دیواروں سے بھی پانی گزر گیا تھا جب دیواروں کی یہ کیفیت ہوئی تو قریشیوں کو خوف معلوم ہوا مبادا پانی آگے بڑھے اور خانہ کعبہ گر رہے اس لئے بلند مضبوط دیواروں کے بنانے کی ضرورت پڑی دوسری وجہ مورخوں نے یہ لکھی ہے کہ خانہ کعبہ میں ایک کنواں بنا رکھا تھا اور اس میں کل مال و متاع اور مقدس چیزیں رہا کرتی تھیں۔ ایک دن رات کو چند بدمعاش دیواروں کو پھلانگ کے چلے آئے اور کل مال چرا کے لے گئے بیچارے قریش بہت پریشان ہوئے اور اب انہوں نے نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر کرنی چاہی ❊

اسی اثنا میں انہوں نے سنا کہ روم سے ایک جہاز جدہ میں آ کے ٹوٹ گیا ہے اس سے وہ وہیں ٹھہرا ہوا ہے اس میں اعلیٰ درجہ کے معمار ہیں جو کہیں جاتے ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ سرداران قریش کا ایک گروہ ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں جدہ آیا اور ان لوگوں سے التجا کی کہ ہمارے ساتھ مکہ چلئے ہمیں کعبہ کی تعمیر میں مدد دیجئے چنانچہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور مکہ آ کر کعبہ کی تعمیر میں مشغول ہو گئے قریش پتھر جمع کرتے جاتے تھے اور وہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے حضور انور کو آپ کے چچا عباس نے پتھر اٹھانے کے لئے کہا آپ بھی اس کام میں مصروف ہو گئے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے جن سے ایک دن تمام دنیا کو آپ نے اٹھا لیا پتھر ڈھونے شروع کئے مگر قریشیوں نے ایک یہ بات کی کہ کعبہ کی چار جہات کو چار قبائل میں تقسیم کر دیا اور جسکی باقاعدہ تقسیم قرعہ سے اس طرح عمل میں آئی کہ رکن حجر الاسود سے رکن عراقی تک عبد مناف و بنی زہرہ کے حصہ میں آئی اور رکن عراقی سے رکن شامی تک بنی اسد بن عبد العزی و بنی

عبد الدار مقرر ہوئے اور رکن شامی سے رکن یمانی تک بنی تیم نامزد ہوئے اور رکن یمانی سے حجر اسود تک بنی سہم وغیرہ متعین کئے گئے۔ جب دیوار بنتے بنتے اتنی بلند ہوگئی کہ حجر اسود تک پہنچی تو قریش میں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور ہر قبیلہ نے یہ چاہا کہ یہ مبارک پتھر ہم میں سے کوئی شخص نصب کرے تُو تُو میں میں ہوتے ہوتے مقاتلہ کی نوبت پہنچی۔ بعد بڑی ردوکد کے یہ فیصلہ پایا کہ جو شخص اول باب بنی شیبہ میں سے ہوکے نکلے وہی اس متبرک پتھر کو نصب کرے اور پھر کوئی اس سے اختلاف نہ کرے۔ جب یہ فیصلہ ہو چکا تو سب سے پہلے حضور انور صلعم اس دروازے میں داخل ہوئے۔ جوں ہی قریشیوں نے یہ سُنا مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور بیساختہ ان کی زبان سے یہ نکل گیا کہ محمد امین دروازے میں داخل ہو گئے ہیں اب ہمیں ان کی اطاعت واجب ہے جو کچھ وہ فرمائینگے اُس معاملہ میں ہمیں انکار نہیں ہوگا۔ حضور انور کو عرض کیا کہ ہم میں یہ بات طے پائی تھی آپ نے سنتے ہی اپنی مبارک چادر زمین پر بچھادی اور سنگ اسود کو اٹھا کے اس کی جگہ نصب کر دیا۔

اس کے ابتدا کی روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ حضور انور نے پہلے سنگ اسود کو اپنی چادر پر رکھا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص آئے اور چادر کے کونے پکڑ کے اُٹھائے چنانچہ حکم ہوتے ہی عبد اللہ بن شیبہ، ابو زمعہ، ابو حذیفہ بن مغیرہ، عدی بن قیس خدمت میں حاضر ہوئے حضور انور نے اشارہ سے فرمایا کہ چادر کے کونوں کو پکڑو سب نے حکم کی تعمیل کی اور حضور انور کے ارشاد کے مطابق اس پتھر کو اٹھا کے اس کی جگہ پر قائم کر دیا۔

یہ بڑا کام جس سے خونریزی کا اندیشہ تھا حضور انور کے مبارک ہاتھوں سے بسہولت انجام پا گیا۔ تعمیر کعبہ برابر ہو رہی تھی جب کعبہ کی دیواریں ۱۸ گز کے قریب بلند ہو گئیں تو ان پر چھ ستونوں کے سہارے چھت پاٹی گئی جس طرز سے کعبہ تعمیر کیا گیا یہ طرز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بالکل مخالف تھی اس لئے حضور انور نے ایک بار حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

"لولا ان قومک حدیث عہد بالکفر لنقضت الکعبۃ وبنیتہا"

"علی قواعد ابراہیم وجعلت لہا بابا شرقیا وبابا غربیا"

اس حدیث کی بنا پر عبداللہ بن زبیر نے اپنے زمانہ حکومت میں قریشیوں کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا کے حضور انور کے منشاء کے مطابق طرز ابراہیم علیہ السلام پر اس کی تعمیر کر دی تھی۔ لیکن جب حجاج بن یوسف عبدالملک مروانی خلیفہ کے گورنر کو ابن زبیر پر فتح حاصل ہوئی تو اس نے خلیفہ کے حکم سے کعبہ سہ بارہ منہدم کر کے پہلی صورت پر تعمیر کر دیا۔ مگر جب خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت ہوئی تو انہوں نے چاہا کہ مروانی عمارت کو ڈھا کے کعبہ کو اسی طرح بنا دوں جسکی حضور انور نے خواہش ظاہر فرمائی تھی اور جو ابن زبیر نے بنوایا تھا اس امر میں خلیفہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ امام مالک نے کہا اے امیر المومنین کعبہ کو اسکی حالت پر رہنے دے کیونکہ اگر یہ توڑنے پھوڑنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تو خانہ خدا بازیچہ طفلاں بن جائے گا اور جو جو بھی خلیفہ ہوگا وہ اپنے خیال کے مطابق اس کی تعمیر کرتا رہے گا۔ خلیفہ یہ سن کے دم بخود ہو گیا اور اس نے کعبہ کو توڑنے اور دوبارہ بنانے کا پھر خیال نہ کیا۔

حضرت ابوطالب کی بے سروسامانی

اتفاق سے ابوطالب کی تجارت میں کچھ ٹوٹا آگیا اور انکی حالت ایسی خراب ہو گئی کہ وہ اپنے بچوں کی کافی طور پر پرورش نہ کر سکے چونکہ آپ کا خاندان بہت وسیع تھا اس لئے ایسی حالتیں انہیں سخت دقت ہوئی کہ وہ کیونکر اپنے اتنے بڑے کنبہ کی پرورش کر سکتے۔ حضور انور رسول خدا سے آپ کی یہ مصیبت چھپی ہوئی نہیں تھی۔ آپ نے اپنے فطری رحم اور طبعی مہربانی سے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح اپنے مہربان چچا کو خرچ کے بار سے ایک حد تک نجات دی جائے چنانچہ حضرت رسالت مآب اپنے دوسرے چچا حضرت عباس کے پاس گئے۔ اور فرمایا کہ اے چچا آپ کے بھائی ابوطالب پر کنبہ کا بہت بوجھ ہے اس وقت مناسب ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کیجائے میں اور آپ دونوں مل کر ان کے پاس چلیں۔ اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے بچوں کے لئے ہماری مدد قبول کریں ایک بچہ میں اپنی نگرانی میں لونگا۔ اور ایک بچہ کو آپ پرورش کیجئے گا یہ سن کر عباس راضی ہو گئے اور حضور انور کے ساتھ ابوطالب کے پاس گئے اور اپنی خواہش ظاہر کی۔ پھر ابوطالب نے جواب دیا کہ صرف عاقل اور طالب کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ باقی بچوں کا تمہیں اختیار ہے۔ چنانچہ سرور کائنات نے حضرت علی کو اپنے ساتھ لے لیا اور آپ کے چچا

حضرت عباس نے جعفر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ طالب کی نسبت مورخوں کا اختلاف ہے بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے پاس حرف الف کا بچہ عاقل ہی رہا تھا۔ طالب کا ذکر کسی تاریخ میں مفصل طور پر نہیں ملتا صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ مشرکین مکہ کے کہنے سے طالب جنگ بدر میں بت پرستوں کی طرف سے مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑا تھا۔ حضرت علی کی عمر پانچ یا چھ سال کی تھی۔ حضور سرکار کائنات نے آپ کو بچوں کی طرح سے پرورش کیا اور آپ ایسی ہی محبت کرتے تھے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے۔ حضرت علی کو بھی سرور کائنات سے ایسا ہی انس تھا اور آپ اپنے مثل مہربان باپ کے حضور انور کو سمجھتے تھے

عیسوی کے آغاز میں حضرت علی کی پیدائش بیان کی گئی ہے۔ یعنے آپ ۶۰۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۶۰ء میں آپکی شہادت ہو گئی۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر انسٹھ یا ساٹھ برس کی ہوتی ہے مگر بعض راویوں نے آپکی عمر ۶۳ برس کی بیان کی ہے ان صورت سے آپ کا سال چالیس ۵۹۷ء یا ۵۹۸ء ہونا چاہیے ؛

اس کے بعد ایک لڑکا زید نامی حضور انور کے پاس آیا۔ زید ایک غلام تھا جو بی بی خدیجہؓ حضور انور کو خدمت کے لیے دیا تھا۔ یہ غلام اگرچہ نہایت بدصورت اور پستہ قد تھا مگر اپنی نمک حلالی اور قابلیت خدمت گزاری کی وجہ سے حضرت سرور کائنات کے دل میں اس نے اپنی طرف سے محبت پیدا کر دی تھی زید حارث کا بیٹا تھا اور اس کا تعلق قبیلہ بیٹھے سے ہی ہوتا تھا اتفاق سے قبیلہ بنی کلب کا ایک گروہ مکہ میں حج کی غرض آیا اس نے زید کو پہچان لیا کہ یہ حارثہ کا بیٹا ہے چنانچہ جب وہ اپنے وطن میں آگئے تو انہوں نے حارثہ سے جا کر کہا کہ ہم تیرے بیٹے کو بہت اچھی حالت میں دیکھ آئے ہیں وہ محمد بن عبداللہ کے پاس رہتا ہے۔ اور وہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ حارثہ اپنے بیٹے کی جدائی کے صدمہ میں گھلا جاتا تھا اور تلاش کرتے کرتے تنگ آگیا تھا چنانچہ وہ مکہ میں آیا اور اس نے بطور فدیہ کے ایک بہت بڑی رقم حضور انور کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ حضور یہ رقم قبول فرمائیں اور میرے بچے کو آزاد کر دیں سرور کائنات نے یہ سنتے ہی زید کو بلایا اور ارشاد کیا کہ میری طرف سے تو بالکل آزاد ہے خواہ باپ کے ساتھ چلا جا یا میرے پاس رہ زید نے نہایت خوشدلی وفاداری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ میں

حضور کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا میں اپنا ماں باپ حضور ہی کو سمجھتا ہوں۔ غلام کی اس غیر معمولی محبت اور وفاداری پر حضور سرور کائنات بے انتہا خوش ہوئے اس لڑکے نے سرور کائنات کو اپنا باپ کہا تھا۔ اسی طرح حضور انور نے محض اس کی محبت کو مدنظر رکھ کے یہ فرمایا کہ بیشک میں تجھے اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اور تو میرا بیٹا ہے یہ عام دستور ہے کہ ہر غیر شخص کا بچہ اگر اس کے چال چلن درست ہوا اور اس میں صلاحیت موجود ہو تو جس شخص سے اس کو تعلق ہوگا اور لڑکا اس کو اپنا باپ کہہ کر پکارے گا تو وہ بھی اسے اپنا بیٹا کہنے لگے گا۔ اس کی نظیریں اب بھی اکثر زمانے میں موجود ہیں کہ لوگ اپنے غلام کو جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اپنا بیٹا کہہ پکارتے ہیں اس بیٹا کہنے سے اصلی بیٹا کسی صورت سے مقصود نہیں ہوتا۔

سر ولیم میور نے اس واقعہ کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جب زید نے سرور کائنات کو اپنا ماں باپ کہا تو حضور سرور کائنات اس بچہ کی وفاداری سے ایسے خوش ہوئے کہ اسی وقت زید کو اپنے ساتھ کعبہ میں سنگ اسود کے قریب لے گئے اور یہ فرمایا۔ کہ اے لوگوں با جو تم یہاں موجود ہو اس بات کے گواہ رہنا کہ زید میرا بیٹا ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور یہ میرا وارث ہوگا۔

ہمیں اس روایت سے بالکل اختلاف ہے اور جہاں تک ہم نے دیکھا ہے صحیح بخاری یا اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں یہ الفاظ نہیں نظر پڑے۔ وارث ہونے سے کیا غرض جب ایک صحیح حدیث موجود ہے کہ انبیا علیہم السلام کے مال اور سامان کا کوئی وارث نہیں ہوتا پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ضعیف اور غلط روایت میور نے کس بنا پر اپنی کتاب میں درج کر دی اور یہ حدیث نہ صرف سنیوں کی کتابوں میں ہے بلکہ شیعی علما بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری کتاب الفرائض میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ عن ابی شہاب عن عروۃ عائشۃ ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اردن ان یبعثن عثمان الی ابی بکر یسئلنہ میراثھن فقالت عائشۃ الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ (ترجمہ) عروہ ابن زبیر عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج نے جب کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی یہ ارادہ کیا کہ عثمان کو ابو بکر کے پاس بھیجیں اور میراث ان سے

طلب کریں عائشہ بولیں کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ (ہم کسی کو اپنا) وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ (مال) چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

پھر شیعوں کی مستند ترین کتاب اصول کافی باب العلم وفضلہ وفضل العلماء میں حضرت امام جعفر صادق کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے "عن ابی عبداللہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم" (ترجمہ)

ابو عبداللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے (کسی کو) درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے اصول کافی کی یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ ہم نے داؤد کا سلیمان کو وارث بنایا۔ یہ وراثت علم کی وراثت سے مراد ہے۔ مال سے کچھ تعلق نہیں دوسرے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ یہ جو میور نے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات نے یہ فرمایا کہ میں تیرا وارث ہوں اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے کہ آیا باپ کس صورت سے وارث ہو سکتا ہے جب کہ بیٹے کی اپنی اولاد قانوناً اپنے باپ کے مال کی وارث ہو سکتی ہے۔ دنیا میں آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے سے یہ نہ کہا ہوگا کہ میں تیرا وارث ہوں ہاں اگر وارث کے مجازی معنے شفقت کرنے والا یا سرپرست یا نگران حال لئے جائیں تو بیشک ایک حد تک صحیح ہو سکتے ہیں۔

ہمارے دوست سر ولیم میور ہمیشہ ایسی ضعیف روایتوں کی تلاش میں رہتے تھے جن کے ذریعہ سے انہیں اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملے کتاب لکھنے میں انہیں اس بات کی جستجو نہیں ہوئی۔ کہ کوئی غیر معمولی معتبر و ضعیف روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ انہوں نے محض وہ داستانوں کہانیوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ مگر ان معتبر روایتوں کو بالکل پس پشت ڈال دیا جن سے ان کا مطلب برآری نہیں ہوتی تھی اب ہم اس کے متعلق کہ زید کے باپ کے آنے پر آنحضرت صلعم کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا صحیح اور معتبر حدیثیں درج کرتے ہیں۔ جن سے میور کے کذب و بہتان کی قلعی کھل جائے گی +

صحیح بخاری میں تو باب مناقب میں صرف اس قدر لکھا ہے "زید بن حارثہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال البراء عن النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انت اخونا ومولانا" اس کی مفصل کیفیت

اور توضیح کرمانی کے فتح الباری شرح صحیح البخاری اور عمدة القاری میں یہ لکھی ہے کہ زید بن حارثہ کان من بنی کلب خرجت بہ امہ تزور قومہا فاتفق غار فیہم فاحتملوا زیدا و قدموا بہ الی سوق عکاظ فعرضوہ علی البیع فاشترہ حکیم بن حزام لعمتہ خدیجۃ بارلعمائۃ درہم فلما تزوجہا النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہبتہ لہ فحضر ابوہ حارثۃ فخیر النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بین المقام عندہ و الرجوع الیہم فاختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی اباؤ تبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زوجہ ام ایمن بولدت اسامۃ ومن فضائل ان اللہ سماہ فی القرآن وقتل فے غزوۃ امیر الجیش ؛

ان روایت میں کہیں بھی سوائے معمولی باتوں کے کہ زید بن حارثہ بنی کلب میں سے تھا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ چلا آرہا تھا کہ رستہ میں پکڑا گیا اور پھر عکاظ کے بازار میں آکر فروخت ہوا۔ اور اس کو حکیم بن حزام حضرت بی بی خدیجہ کے بھتیجے نے خرید کے اپنی پھوپی کو دیدیا۔ پھر حضرت سرور کائنات نے اس کا نکاح ام ایمن کے ساتھ کردیا۔ اس کے بعد اس کا باپ حارثہ مکہ میں آیا۔ اور اس وقت حضور انور نے زید کو آزادی دیدی کہ خواہ یہاں رہے یا اپنے باپ کے ساتھ چلا جائے۔ زید نے منظور نہیں کیا۔ اس کی بیوی ام ایمن کے ہاں اسامہ پیدا ہوا۔ اور سپہ سالاری کی حالت میں غزوہ موتہ میں شہید ہوا۔ کہاں ہیں وہ الفاظ جو میور نے ادہر ادہر سے اپنی کتاب میں درج کروئے ہیں روائتیں سینکڑوں ضعیف اور جعلی ہیں لیکن محقق کا تو یہ فرض ہے کہ بطور خود ان کو تحقیق کرے۔ اور سوائے معتبر اور مستند کتابوں کے معمولی قصہ کہانیوں کی کتابوں پر نظر نہ ڈالے ؛

اس کے بعد ہم صحیح بخاری کے الفاظ کی طرف ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اخی اور مولیٰ کا لفظ زید کی نسبت استعمال کیا ہے۔ اس حدیث میں بھی ابن کا لفظ نہیں ہے نہ قرآن مجید میں ابن کا لفظ آیا ہے۔ خدا معلوم یہ غلط روایت اتنی مشہور کیوں ہوگئی اور کس طرح حضرت زید کو ابن محمد کہنے لگے۔ ایک صحیح حدیث میں تو آیا ہے کہ حضور سرور کائنات نے اپنے کو تمام مسلمانوں کا باپ کہا ہے۔ اس لحاظ سے زید بھی بیٹا ہوا اور نہ اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت زید میں نہ تھی ؛

اب ہمارا متبنیٰ کرنا۔ صحیح احادیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے جس طرح صدہا جعلی حدیثیں گھڑی

تھیں۔ ان میں ایسی بھی کوئی غلط روایت ہوگی جس کو اپنے مطلب کا دیکھ کر مخالفوں نے چمکا دیا اور ہم زید کے معاملہ کی نسبت موقع پر بالتفصیل بحث کریں گے یہاں وہی قدر کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب زید کی عمر میں بھی مورخوں کا اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں۔ کہ زید جب حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں رہنے لگے تو بہت چھوٹا تھا بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ خاصہ جوان تھا کیونکہ اس کی شادی ام ایمن سے ہوگئی تھی عیسائی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ زید جوان تھا۔ اور اس کو عیسائیوں کا مذہبی علم بہت تھا اور نصاریٰ کے مذہب کی تعلیم سرورِ کائنات نے زید سے پائی تھی۔ فاضل امیر نگر تو اس قدر بڑھے کہ انھوں نے یہاں تک لکھدیا۔ کہ مسلمان مورخوں نے زید کی عمر جو چھوٹی بتائی ہے یہ صرف اسلئے ہے کہ کسی کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ نصاریٰ کی مذہبی کتابوں کی تعلیم سرورِ کائنات کو زید کرتا تھا وہ کہتا ہے کہ جن مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ زید رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دس برس چھوٹا تھا۔ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن معتبر روایت انگریزی مورخوں کے خیال میں یہ آئی ہے کہ جب ۸ ہجری میں زید شہید ہوا ہے تو اسکی عمر ۵۵ سال کی تھی۔ اس لحاظ سے وہ چھ برس حضور سرورِ کائنات سے چھوٹا تھا۔

میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب عربوں نے قافلہ کو لوٹا اور زید کو گرفتار کیا ہے زید بچہ نہیں تھا کیونکہ ایسا چھوٹا بچہ اپنی ماں یا خاندان کے ساتھ سفر میں نہیں نکل سکتا تھا۔ ان قیاسات کو نظر کر کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب خدیجۃ الکبریٰ نے زید کو لیا ہے۔ اس کی عمر ۲۰ سال سے کم کی تھی۔ پھر میور لکھتا ہے کہ بعض روایتوں میں حکیم شام سے چند غلام لایا تھا۔ جب وہ اپنی پھوپھی خدیجہ کے پاس آیا تو اس نے کل غلام پیش کر دئے۔ کہ جو نسا آپ چاہیں ان میں سے پسند کر لیں خدیجہ نے زید کو پسند کیا تھا۔

اس بیان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور سرورِ کائنات نے نصرانی عقائد کا حکم زید سے حاصل کیا تھا یہ خیالی پلاؤ جو عیسائی مورخوں نے پکایا ہے۔ ان کی محض خام خیالی ہے زید کے عالم ہونے کی نسبت کسی مسلمان مورخ نے اشارہ تک نہیں کیا نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی کلب کے قبیلہ میں علم کا اس قدر رواج تھا کہ عمر کی چھوٹ کے بھی عالم بنجاتے تھے۔ سلسلہ

جو اپنے افق پر حق کو امی کہتے ہیں۔ عیسائی اس سے برافروختہ ہیں اور وہ اسی کے متعلق بہت کچھ الٹی سیدھی باتیں بناتے ہیں مگر کوئی بات ان کی جچتی نہیں اس قسم کی باتیں بازاری گپیں ہیں جنہیں واقعات سے کچھ تعلق نہیں ہے +

ایک یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ اس زمانہ میں نہ کتابوں کی اشاعت کا کوئی سلسلہ تھا اور باقاعدہ کوئی تعلیم گاہ تھی علاوہ بریں کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک وحشی قبیلہ کا بچہ بچہ ایسا تعلیم یافتہ ہو کہ وہ دوسروں کو سکھا سکے۔ اس زمانہ میں حالانکہ تعلیم کا پورا عروج ہے اور اشاعت اناجیل کی یہ کیفیت ہے کہ عیسائیوں کے ہاتھوں سے گزر کے پنساریوں کی دوکانوں میں ان کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور انکی پڑیاں بندھتی ہیں کوئی کرشتان ہمیں ایسا آجتک نظر نہیں آیا جس کو اناجیل پر پورا عبور ہو اور وہ کل عقاید مسیحیت کسی کو تعلیم کر سکے۔ اسپرنگر نے تو بہت زور مارا لیکن بیچارہ ثابت نہ کر سکا کہ مخزوجہاں کا معلم زید غلام تھا +

اب دوسرا حملہ ورقہ بن نوفل کا سنکے لیا گیا ہے جو نصرانیت کا ایک عالم مشہور ہے اور بیان کیا ہے کہ نصرانی اصول کی تعلیم اسی نے سرور کائنات کو دی تھی چنانچہ سر ولیم میور صاحب مسلمان مورخوں کے اقوال ورقہ کے عالم ہونے کی نسبت بیان کرتا ہے۔ (و ہو ہذا)

ابن ہشام لکھتا ہے ”فاستحکم فی النصرانیہ واتبع الکتب من اہلہا حتی علم علما من اہل الکتاب۔“ پھر طبری لکھتا ہے ”وقد کان تنصر واتبع الکتب حتی ورب فکان فی ما طلب من ذالک انہ کائن لہذہ الامۃ نبی من بنی اسمعیل“ یعنی نصرانیہ قبول کر کے اس نے نصرانیوں کی کتابوں کو مطالعہ کیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا اس نے کتابوں میں یہ بھی دیکھا تھا۔ کہ بنی اسمعیل میں سے ایک مبعوث ہونیوالا ہے +

ان روایتوں کے نقل کرنے کا نتیجہ اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا کل مسلمان حرزح یک زبان ہیں کہ ورقہ کو انجیل اور توریت کا بہت بڑا علم تھا۔ اور اس نے ان الہامی کتابوں میں حضور انور سرور کائنات کے مبعوث ہونے کی خبر دیکھی تھی اس لئے وہ ایسے نبی کا راستہ دیکھ رہا تھا جب حضور انور نبی ہوئے اور آپ پر وحی نازل ہوئی ورقہ نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق اور آرزو کی کہ اگر میں زیادہ زندہ رہوں تو ضرور حضور کے مخالفوں سے دوش بدوش جنگ کرونگا

اس سے نتیجہ ہی بتایا تھا کہ جو فرشتہ وحی لے کے نازل ہوا جبرئیل ہے اور یہ وہی فرشتہ ہے۔ جو موسیٰ اور ابراہیم کے پاس وحی لے کے آیا تھا یہ ساری باتیں تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں مگر ان روایتوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ورقہ کسی وقت حضور سرورِ کائنات کو عقائدِ نصرانیت کی تعلیم دیا کرتا تھا جب وہ یہ شہادت دے چکا کہ الہامی کتابوں میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے وہ تو ہی ہے۔ پھر ایسی صورت میں تعلیم کرنا کیسا۔ دوسرے ورقہ نابینا اور ایک ضعیف شخص تھا جو چند روز کے بعد انتقال کر گیا کیا اس نے چند روز میں نصرانیوں کے کل عقائد کی سرورِ کائنات کو تعلیم دے دی تھی یا چند عقائد کی نبوت سے پہلے ہی (چونکہ وہ بی بی خدیجہ کی طرف سے آپکا رشتہ دار تھا آپ اکثر ملا کرتے تھے) یا موت کے بعد ورقہ کو حضور سرورِ کائنات کا شرفِ حضوری حاصل ہوا تھا۔ غرض سر ولیم میور اور اسپرنگر اس کوشش میں بھی بالکل کامیاب نہیں ہوئے؛

ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ عیسائی مورخ بلحاظ اس کے کہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اگر وہ اعتراض کرتے وقت عیسائی بنے رہیں تو اس قسم کے مہمل اعتراضات بھی ان کی زبان سے نہ نکلیں کہیں زید کو آسمان پر چڑھایا ہے کہ وہ سچے مذہب ابراہیم کی تلاش میں عراق عرب اور شام میں پھرتا رہا اور کہیں ابن ربیعہ سے اس کی گفتگو کا حال لکھا ہے اور طبری کا حوالا دیا ہے اگرچہ میور خود بھی طبری کی اس روایت کی تردید کرتا ہے اور یہ روایت نقل کر کے قدیم مسلمان مورخوں پر منہ آیا ہے۔ پھر بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ میور جیسے ہوشیار اور تعلیم یافتہ شخص نے یہ دوراز کار باتیں لکھ کے کیوں اپنی کتاب کے صفحے برباد کئے؛

یہ قیامت تک ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن شریف فلاں فلاں آدمیوں نے بنایا ہے اور جو واقعات اس میں درج نہیں فلاں شخص نے سرورِ کائنات کو بتایا تھا۔ یہ باتیں بھانڈ و خانہ کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں؛

پانچواں باب (۵)

سرور کائنات کی عمر کا چالیسواں سال

(آغاز نبوت)

ابتدا سے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا تھا یہودیوں کا یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ضرور ہم میں مسیح پیدا ہوگا۔ اور ان کے اس خیال کا اثر تمام ان بت پرست قوموں پر بھی پڑ گیا تھا جن سے روز مرہ ان کے تجارتی اور تمدنی معاملات رہتے تھے۔ یہ بت پرست قومیں بھی مثل یہودیوں کے اس بات کا خیال کرنے لگی تھیں۔ کہ ہم میں ایک ہدایت کرنیوالا ضرور پیدا ہوگا اور اسکے پیدا ہونے کا بہت بیتابی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ یہودیوں کے تعلقات مکہ اور مدینہ کے بت پرست قوموں سے انتہا درجہ بڑھ گئے تھے چنانچہ خاص یثرب میں جس کا نام بعد ازاں مدینۃ النبی رکھا گیا کئی بستیاں یہودیوں کی موجود تھیں اور قریب قریب یہودیوں کا تمام یثرب پر پورا قبضہ تھا۔ اگرچہ عربوں کے دو بڑے قبائل بھی یثرب میں بستے تھے لیکن اقتدار یہودیوں ہی کا حاصل تھا۔ انہوں نے وہاں مستقل گڑھیاں بنا رکھی تھیں بہت سی زمینوں میں کھجور وغیرہ کی کاشت کیا کرتے تھے اگرچہ اسوقت کوئی خاص حکومت یثرب میں نہ تھی اور نہ فوجداری اور دیوانی معاملات کے فیصلہ کرنے کے لئے عدالتیں قائم تھیں تو بھی ان معاملات کا فیصلہ جن میں تنازع ہوتا تھا۔ یہودی قبائل کے سرغنہ اور دوسرے عربی قبائل کے سردار مل کے کر دیا کرتے تھے۔ یہ قوم دراصل مثل مہاجنوں کے تھی۔ ان کے ہاں سود پر روپیہ دینے اور تجارت کرنے کا بھی طریقہ جاری تھا اسی وجہ سے مکہ کے بت پرست عربوں سے لین دین اور تجارت اور آمد و رفت برابر جاری رہتی تھی اس میل جول نے ایک بہت بڑا اثر بت پرستوں کی معاشرت پر ڈالا تھا۔ ساتھ ہی یہودیوں میں پیشین گوئی کرنیوالے اکثر موجود تھے اور ان کی پیشین گوئیاں نہ صرف یہودی ہی شوق سے سنتے تھے۔ بلکہ بت پرست عرب بھی بڑی رغبت سے پیشین گوئیوں کو گوش گذار کیا کرتے تھے۔

مکہ میں حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت راستبازی اور دیانت کا بہت

کچھ غل مچا تو بعض بعض یہودیوں اور عربوں کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگیں اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ جس نبی کی پیشین گوئی کی جاتی ہے۔ چونکہ اس کی کل صفتیں آپ میں پائی جاتی ہیں ممکن ہے کہ وہ نبی آپ ہی ہوں۔ چنانچہ سلمان کی روایت کے بموجب ایک دن مجلس بنی عبد الاشہل میں احبار یہود میں سے ایک حبری بعثت قیامت اور حساب کا ذکر کر رہا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس کا ثبوت کیا ہے۔ اسنے جواب دیا کہ مجھ سے تم ثبوت نہ پوچھو۔ عنقریب حرم میں سے ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ وہ تمہارے آگے میرے اس قول کی تصدیق کریگا۔ انہوں نے دریافت کیا اس کی بعثت کا زمانہ کونسا ہوگا۔ سلمہ کہتے ہیں کہ اس حبر نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ غلام اس پیغمبر کی ملازمت کا شرف حاصل کریگا اور اتنی عمر کو پہنچیگا کہ اس آنیوالے پیغمبر کی خدمت بجالائے۔ سلمہ کہتے ہیں جب سے میں نے حبری کی زبان سے یہ سنا دن اور رات انتظار میں رہنے لگا کہ کب وہ پیغمبر مبعوث ہو اور کب میں اسکا شرف ملازمت حاصل کروں۔ جب حضور انور کا ظہور ہوا اور سلمہ مشرف بہ اسلام ہوا تو فرماتے ہیں کہ میں نے ایکدن حبری کی چادر پکڑ لی اور اس نے کہا کہ خود تو نے ہی بشارت دی تھی کہ ایسا ایک نبی پیدا ہوگا اور جب نبی پیدا ہو گیا تو تو کیوں نہیں اس پر ایمان لاتا۔ یہ سن کر اس یہود نے یہ کہا کہ جس کی میں نے تجھے بشارت دی تھی یہ وہ نبی نہیں ہیں۔ یہ سن کے سلمہ چپ ہو رہے اور خیال کیا کہ ایک نابینا جب شمع کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا تو روشنی کا کیا قصور ہے +

اگر چہ شمع دیں دودے ندارد　　چو چشم اعمی بودے سودے ندارد

عاصم بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے مسلمان ہونیکی وجہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب کی اور ہماری دشمنی تھی اور اسی وجہ سے باہم جدال و قتال رہا کرتا تھا اور وہ یہود بہ تہدید یہ کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کے جنگ کریں گے اور پھر تمہیں تمہاری دشمنی کا جو تم ہمارے ساتھ رکھتے ہو پورا مزا چکھائیں گے۔ چنانچہ جب حضور فخر المرسلین کی دعوت اسلام ہم تک پہنچی تو ہمارا سارا قبیلہ ایمان لے آیا۔ مگر اس جماعت نے انکار کیا۔ اور اپنے کفر کی تاریکی میں پڑے رہے +

قبیلہ بنی قریظہ کے ایک بوڑھے شخص نے بیان کیا کہ ہمارے اسلام لانے کا یہ سبب ہے کہ ہم اور قبیلہ بنی ذہیل ایک جگہ مکہ میں رہتے تھے۔ ایک دن یہودیوں کا ایک ہیشو ابن الجنان سے دس برس پہلے ہم میں آیا۔ اتفاقاً وہ آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ اور جب اس کی حالت مرنے کے قریب پہنچی تو اس نے اپنی سب قوم والوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کے اس اجنبی ملک میں اس لئے آن کے رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ اور اس مبارک شہر میں ہجرت فرما کے یہاں دائمی قیام فرمائے گا۔ میرا آنا صرف اسی وجہ سے ہوا تھا کہ میں اس کی ملازمت کا شرف حاصل کروں۔ اور اس کے مبارک قدموں پر اپنی جان نثار کروں۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اور یہ آرزو میرے دل ہی دل میں رہی۔ مگر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب اس نبی کا ظہور ہو۔ اور وہ اس شہر میں قدم رنجہ فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لے آنا۔ اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرنا اس کی دوستی دین اور دنیا کی بہبودی کا باعث ہو گی اور اس کی مخالفت برباد کر دے گی۔ یہ کہہ کے وہ آرزومند بوڑھا دنیا سے چل بسا۔

جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ تو وہ شخص اس وقت موجود تھے۔ جنہوں نے اس بوڑھے کی وصیت کو سنا تھا۔ انھوں نے باہم کہا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت بنی ذہیل کے بوڑھے نے دی تھی۔ ہم قلعہ سے فوراً باہر نکل آئے اور ہم نے حضرت رسالت مآب کے دست مبارک پر بیعت کر کے حضور کی غلامی کا فخر حاصل کیا۔ جب سے ہمارا مال بھی اور ہمارے بال بچے بھی محفوظ ہیں۔

طلحہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں بصرہ کے بازار میں کچھ خرید و فروخت کر رہا تھا کہ ایک راہب اس طرف سے گذرا اور اس نے دریافت کیا کہ حرم کا رہنے والا کوئی شخص یہاں ہے میں نے جواب دیا کہ میں حرم کا رہنے والا ہوں اور ابھی کعبہ سے آیا ہوں اس راہب نے کہا کیا کعبہ میں احمد کا ظہور ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا احمد کون شخص ہے۔ راہب نے کہا احمد پسر عبد اللہ بن عبد المطلب سے میری غرض ہے وہ اسی مہینہ میں مبعوث ہوگا۔ اور وہی

خاتم النبیین ہے اور اس کا ظہور حرم سے ہوگا۔ اور پھر اس زمین تک ہجرت کریگا کہ اس جگہ کے پتھر سفید رنگ کے ہوں گے اور اس کی مٹی شور ہوگی۔ اور وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت ہوں گے ✣

طلحہ کہتے ہیں کہ اس راہب کی یہ باتیں میرے دل میں گھر کر گئیں۔ جب میں مکہ واپس آیا تو میں نے اس بات کی تلاش کی کہ آیا میری غیر حاضری میں کوئی نئی بات یہاں پیدا ہوئی یا نہیں لوگوں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ اور ابو بکر بن ابو قحافہ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سارا حال بیان کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے مجھے ساری باتیں سمجھائیں اور میں سچے دل سے مسلمان ہوگیا ✣

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بنی خثعم ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنی بیہودہ رسوم کے متعلق اس بت سے التجا کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آواز آئی۔ کہ اے لوگو! تم جو بتوں کے آگے اپنی فریاد لیجاتے ہو اور ان سے دادرسی اور مدد اور داد چاہتے ہو یہ تمہاری جہالت اور غفلت ہے اور تمہارے آگے نور چمک رہا ہے۔ مگر تم نے کیوں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور وہ نور اس پیغمبر کا ہے جو بنی آدم کا سردار ہے۔ اور قبیلہ بنی ہاشم میں بلند مرتبہ ہے۔ اور وہ بنی اسرائیل کے کام میں ظاہر ہوا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ کفر کو اسلام کے ساتھ بدل دے۔ حق تعالے نے اسے بزرگ بنایا ہے۔ وہ شائستہ پیشوا ہے اور قابل رہنما ہے۔ اس غیبی آواز کے الفاظ پھر ایسے آہستہ آہستہ کانوں میں سنائی دیتے تھے کہ میں نے انہیں اذبر کر لیا۔ یہ آواز سن کے وہ کل لوگ اٹھ کے چلے گئے۔ تین دن کے بعد میں نے حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت اور دعوت اسلام کا حال سنا ✣

ابو ہریرہ سے لوگوں نے پوچھا کیا تم بھی بت کی خدمت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا ہاں مگر حضرت رسالت مآب فخر دو جہاں کی برکت نے اس شقاوت سے مجھے نجات دیدی ✣

دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آیا اور پوچھا کہ ایک شخص سواد بن غار قیس نامی میں کا رہنے والا نہایت ہی ہوشیار اور ذہین شخص ہے جنات میں سے اس کے ایک ہمزاد نے اُسے اطلاع دی ہے۔ کہ عنقریب ایک آخر الزمان پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے یہ سنتے ہی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سواد کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ تو ہی شخص ہے جس کے ایک جن ہمزاد نے کسی پیغمبر کے ظاہر ہونے کی خبر دی ہے۔ اُس نے کہا کوئی جن میرا ہمزاد نہیں ہے۔ مگر یہ خبر بالکل صحیح ہے فاروق اعظم نے اس سے کہا کہ پھر یہ تو بتا کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور تجھے کیونکر اس کا علم ہوا۔ سواد نے کہا کہ میں ایک شب سوتا تھا کسی شخص نے میرا پیر ہلا کے مجھے جگایا اور کہا کہ اٹھ کہ بنی ہاشم میں سے ایک رسول پیدا ہوا ہے اور وہ خدا کی طرف خلقت کو بلا رہا ہے اور اس نے خدا کی پرستش کی شمع روشن کر دی ہے یہ کہہ کر اس عجیب کے آدمی نے میرے آگے چند شعر پڑھے۔ جن کا مضمون یہ ہے جو یہاں فارسی کی نظم میں لکھا ہے:

شگفتی دردلم از جنیاں است	کہ راہ کعبہ شان مقصود جاں است
بداں چوں جن کہ از نیکاں نباشد	پری و آدمی یکساں نباشد
ہمہ از غایت گشتہ طالب	کہ تا بر گمرہاں گردند غالب
تو نیز از سوئے پیغمبر شتابی	ہر آں کامے کہ می جوئی بیابی

سواد کہنے لگا کہ میں نے ان باتوں کا کچھ اعتبار نہیں کیا۔ اور میں نے اس شخص سے کہا کہ بھائی مجھے سونے دے میں کل رات سے جاگا ہوا ہوں۔ کیوں مجھے پریشان کرتا ہے چنانچہ وہ شخص چلا گیا۔ دوسری شب پھر اسی طرح آیا اور وہی باتیں مجھ سے کہیں جو پہلے کر گیا تھا میں نے پھر اس کی باتوں پر کچھ خیال نہیں کیا۔ وہ اُسوقت چلا گیا۔ اور تیسری شب سہ بارہ میرے پاس آیا اور پھر اُس نے وہی باتیں کہیں آخر اسلام کی محبت میرے دل میں جگہ پکڑ گئی۔ میں فوراً حضور نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ میری باتیں سنیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے مجھے پاس بلایا۔ جب میں قریب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اور آگے آؤ میں اسقدر قریب ہوا کہ میرے دونوں زانو حضور انور

صلے اللہ علیہ وسلم کے زانوؤں مل گئے اور میں نے پھر کل کیفیت حضور نبوی میں عرض کردی جس کی باتوں کو بعض مورخین اسلام نے نظم میں تحریر کیا ہے۔ جس عربی نظم کا ترجمہ فارسی میں اس طرح کیا گیا ہے ؛

بہ تحقیق دیدم یکے خواب دوش ... کہ می گفت در گوش جام سروش
کہ آمد رسولے بابل زمیں ... ز قوم کوئی بن غالب یقیں
شب دیگر آمد ہمیں راز گفت ... سوم شب یکایک دگر راز گفت
چو تحقیق گشت آن سخن در زماں ... بجان آمدم سوئے حضرت دواں
گواہی دہم من کہ ایزد یکیست ... بہ حقش جز او در اسزاوار نیست
رسولے بامت زرحماں توئی ... گرامی ترین رسولاں توئی
مرا رہنماے امام سبل ... بامر شریعت ز جزو و ز کل
ازاں روئے گشتم ترا من مطیع ... کہ تا روز حشرم تو باشی شفیع

یہ سنتے ہی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ بہت خوش ہوئے اور میرے اسلام لانے پر سب نے اظہار مسرت کیا۔ جوں ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت سنی۔ سواد کو گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں یہ ساری کیفیت خاص تیری زبان سے گوش گزار کروں ؛

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو مختلف تاریخوں میں ہمیں ملتی ہیں ان روایتوں پر اسلام کی صداقت یا اصول کا کچھ دارومدار نہیں ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ خواہ ان روایتوں کو سچ سمجھے یا غلط۔ مگر یہ بات ماننی پڑیگی۔ کہ آخر الزماں نبی کے ہونے کا خیال نہ صرف یہودیوں میں بلکہ عرب کے بت پرستوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس کو ہم بوضاحت گزشتہ صفحوں میں ثابت کر چکے ہیں ؛

اس قسم کے خیالات جو ہمیشہ ہر قوم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہرگز قابل نفرت نہیں انسانی طبائع کا یہ خاصہ ہے۔ کہ اشد ضرورت کے وقت ایک مددگار کی تلاش ہوتی ہے اور دل خود چاہتا ہے کہ ان مصائب اور خرابیوں کا دور کرنے والا کوئی پیدا ہو جائے

چونکہ اس زمانہ میں تمدن کی خرابی اخلاق کی زبونی اور بتوں کی پرستش کی انتہا ہو گئی تھی۔ اسلیے زمانہ خود چاہتا تھا کہ ایک مصلح پیدا ہو جو ان تمام بداعمالیوں کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ نے حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔

آپ زمانہ نبوت سے پہلے اکثر اوقات غار حرا میں تشریف لے جا کر خدائے واحد مطلق کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات رات رات بھر وہیں گزار دیا کرتے تھے غار حرا مکہ معظمہ سے دو یا تین میل جانب شمال واقع ہے۔ کبھی کبھی آپ کے ہمرکاب آپ کی بیوی خدیجۃ الکبریٰ بھی جایا کرتی تھیں ابن ہشام اس کے متعلق یہ لکھتے ہیں "حضرت رسالت مآب کی یہ عادت تھی کہ آپ سال میں ایک مہینہ غار حرا میں جا کے عبادت کیا کرتے تھے قریشیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ خاص خاص دنوں میں اس مقام میں جاتے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اسی طرح حضور انور بھی غار حرا میں تشریف لے جاتے اور غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاتے اور جب آپ اپنی عبادت کا وقت پورا کر چکتے تو وہاں سے واپس آ کے سات بار کعبہ کا طواف کرتے۔ اور اکثر آپ کا یہ دورہ رمضان میں ہوتا تھا۔ بعض مورخوں کا یہ بیان ہے کہ عبدالمطلب نے یہ بات ایجاد کی تھی کہ جب رمضان کا چاند ہوتا تو یہ بزرگ قریش خدا کی عبادت میں اپنا سارا مہینہ غار حرا میں گزار دیتا تھا۔ مگر طبری نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ قریش جو اعلےٰ درجہ کے زاہد اور پرہیزگار ہوتے تھے۔ وہ ماہ رجب میں تنہا عبادت کرنے کے لیئے غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ اور ہاشمیوں کا گروہ اس طریقہ عبادت کا بہت پابند تھا۔ غرض ہر خاندان یا قبیلہ نے اس مقام پر اپنی علیحدہ علیحدہ عبادت گاہیں بنا رکھی تھیں جہاں وہ لوگ تنہا بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ مردیم میور کو ان روایتوں پر شبہ ہے وہ کہتے ہیں کہ طبری کے عربی نسخہ میں عربی قبائل کے متعلق میں نے کوئی بات لکھی ہوئی نہیں دیکھی۔ بہر حال ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ اسلام سے پیشتر عربوں کا یہ طریق تھا یا نہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت کے لئے جاتا بالکل صحیح ہے اور جس کا ثبوت تواتر سے ہوتا ہے آپ وہاں جب تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ

کئی دن کا کھانا ہی رکھ لیتے تھے۔ اور جب تک وہ کھانا کفایت کرتا تھا۔ اس وقت تک وہاں رہتے تھے اس کے بعد پھر اپنے مکان چلے آتے تھے۔

اور یہاں سے دوبارہ تازہ کھانا لے کے تشریف لیجاتے تھے۔ طبری کلاں صفحہ ۲۰۸ میں یہ سارے حالات درج ہیں۔

حضرت بی بی خدیجہ بعض اوقات حضور انور کے اس طرح کئی کئی روز غار حرا میں تنہا بیٹھے رہنے سے سخت پریشان ہو جاتی تھیں وہ پریشانی اس لئے تھی کہ آپ کو کوئی آسیب نہ پہنچے اسی لئے جب طبیعت زیادہ پریشان ہوتی تھی تو آپ کے ہمراہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے غار حرا میں چلی جاتی تھیں۔

اس غار کے مشرق اور جنوب کی طرف بلند بلند پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ لیکن شمال اور مغرب کی طرف کھلا ہوا میدان ہے۔ اس کے اطراف کی مجموعی صورت ایسی خوفناک ہے کہ دل دہل جاتا ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے سبز گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آتا بنجر سیاہ اور بھوری پہاڑیاں اور سفید چٹیل وادیاں ہر طرف دکھائی دیتی ہیں۔

اس سنسان غیر آباد اور خوفناک سلسلہ کوہ کے غار میں حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتے تھے اور آپ اس عظیم الشان مہمان کی تیاری فرما رہے تھے۔ جو خالق کون ومکان کی طرف سے آنے والا تھا۔ قوم کی حالت کی زبونی اور تمدن کی ابتری اور مذہب کی خرابی کا اثر آپ کے معصوم دل پر پڑ رہا تھا۔ آپ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی صورت سے قوم کی حالت درست ہو جائے اور بت پرستی عرب کی سرزمین سے مٹ جائے۔ جب سے آپ سفر شام میں تشریف لے گئے تھے اس وقت سے آپ قوم اور ملک کی بری حالت دیکھ کے مغموم رہتے تھے۔ آخر چاند نے غار حرا سے کھیت کیا اور نبوت کے روشن آفتاب کی کرنیں چاروں طرف پڑنے لگیں۔

اے ذات تو از صفات پاک ‌ ‌ کنہ تو بروں زعقل وادراک
آدم بتو شد مکرم از عز ‌ ‌ پیدا ست مقام ذرہ خاک
ہر مہر تو بر دیدہ دم چرخ ‌ ‌ دراغہ نیلگوں زند چاک

پروردہ ابر رحمت تست | ہمچوں گل ولالہ خار و خاشاک
در صیف گہ ولا درانبت | ارواح قدش شکار فتراک
راہیست پراز خطر راہ عشق | آنجا ہمہ زہ زنان بیباک
بے بدرقہ عنایت تو | نتوان شتن ازیں رہ خطرناک
یارب بجمال آنکہ دارد | برکسوت جان طراز لولاک
کز جام صفا و خم وحدت | در بزم مجردان چالاک
آن بادہ حوالہ کن بہ جامی
کز وصمت ہستیش کند چالاک

چھٹا باب

تکمیل نبوت

آخر خداوند تعالی کا وعدہ پورا ہوا۔ اور نبوت کے چاند نے غار حرا سے ایک مدت کے بعد نکلت آیا۔ اور عالم کا نجات دہندہ دنیا کے آگے پیش ہوا۔ کفر کی ظلمت فوراً دور ہوگئی اور خدا پرستی کی آوازیں مشرق و غرب جنوب و شمال میں گونجنے لگیں۔

صحیح بخاری شریف میں نزول وحی کی کیفیت مفصلہ ذیل احادیث میں اس طرح درج کی گئی ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے بخاری شریف کی احادیث نقل کریں تاکہ نزول وحی کی پوری کیفیت صحیح احادیث سے معلوم ہو جائے اسکے بعد ہم معتبر تاریخوں سے مضامین نقل کریں گے

پہلی حدیث حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما بدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزود لذلک ثم ترجع الی خدیجۃ فیتزود لمثلہا حتی جاءہ الحق وھو

فی غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ قال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد
ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانية حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی
فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربك الذی
خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم
یرجف فؤاده فدخل علی خدیجة بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع
فقال لخدیجة واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجة كلا والله ما یخزیك الله
ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق
فانطلقت به خدیجة حتی اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خدیجة
وكان امرأ قد تنصر فی الجاهلیة وكان یكتب الكتاب العبرانی فیكتب من الانجیل بالعبرانیة
ما شاء الله ان یكتب وكان شیخا كبیرا قد عمی فقالت له خدیجة یا ابن عم اسمع من ابن اخیك
فقال له ورقة یا ابن اخی ماذا تری فاخبره رسول الله صلی الله علیه وسلم خبر ما رای فقال له
ورقة الناموس الذی نزل الله علی موسی یا لیتنی فیها جذعا یا لیتنی اكون حیا اذ یخرجك
قومك فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم او مخرجی هم قال نعم لم یأت رجل قط بمثل
ما جئت به الا عودی وان یدركنی یومك انصرك نصرا مؤزرا ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی

ترجمہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے (روایت ہے) کہ انہوں نے کہا سب سے پہلے وحی جو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوئی وہ سچے خواب تھے پس جو خواب آپ دیکھتے تھے وہ
صاف صاف صبح کی روشنی کے مثل ظاہر ہو جاتا تھا پھر خدا کی طرف سے خلوت آپ کے نزدیک
محبوب بنا دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں آپ تحنث کرتے تھے یعنی
کئی رات لگاتار عبادت کرنا پہلے اسکے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آئے اور آپ اسکے لئے
زاد راہ ہمراہ لیجایا کرتے تھے پھر جب وہ ختم ہو جاتا تو خدیجہ کے پاس لوٹ کر آتے اور اسی قدر زاد
لے لیجاتے یہاں تک کہ آپکے پاس وحی آگئی اور آپ غار حرا میں تھے یعنی فرشتہ آپکے پاس
آیا پھر اس نے آپ سے کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں
پھر فرشتہ نے مجھے پکڑا اور مجھے زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا

اور کہا کہ پڑھیے تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر فرشتہ نے مجھے پکڑ لیا اور (زور سے) دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے تو میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے مجھے پھر پکڑ لیا۔ اور سہ بارہ مجھے زور سے دبایا اور کہا کہ

اپنے پروردگار کے نام (کی برکت) سے پڑھو۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا اور یقین کر لو کہ تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اس واقعہ کے سبب سے مارے خوف کے دھڑکنے لگا۔ اور آپ خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں لوگوں سے کہا کہ مجھے کمل اڑھا دو مجھے کمل اڑھا دو تو ان لوگوں نے آپ کو کمل اڑھا دیا یہاں تک کہ (رعب) آپکے دل کا دور جاتا رہا تو آپ نے خدیجہ سے سب حال (جو غار میں گزرا تھا) بیان کر کے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے خدیجہ بولیں اگر آپ کو اس قسم کا خیال کرنا ہرگز نہیں چاہیے خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی پریشان نہ کریگا یقیناً آپ غریب کی پاسداری کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں تکلیف اٹھاتے ہیں اور محتاج کو مال دیتے ہیں اور مہمانداری کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں پھر خدیجہ آپ کو لیکر چلیں اور ورقہ بن نوفل اپنے چچا کے بیٹے کے پاس آپ کو لائیں اور ورقہ ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور عبرانی کتاب لکھا کرتا تھا یعنی جس قدر اللہ کو منظور ہوتا تھا۔ انجیل کو عبرانی میں لکھا کرتا تھا اور بڑا بوڑھا ہوا تھا اور اس کی بینائی جاتی رہی تھی تو اس سے خدیجہ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا حال سنو ورقہ بولے کہ اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو ورقہ نے آپ سے کہا یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا اے کاش میں اس زمانہ میں (جب آپ نبی ہونگے) جوان ہوتا اے کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جبکہ آپ کو آپ کی قوم مکہ سے نکالے گی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر بہت تعجب کیا) فرمایا کہ کیا لوگ مجھے نکال دینگے ورقہ نے کہا ہاں جس شخص نے آپ کی جیسی بات بیان کی اس سے ہمیشہ دشمنی کی گئی اور اگر مجھے آپ کی نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپکی بہت زور دار مدد کرونگا مگر چند ہی روز میں ورقہ کی وفات ہو گئی اور وحی کی آمد چند روز کیلئے بند ہو گئی۔

(دوسری حدیث) قال ابن شہاب واخبرنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن ان جابر بن عبد اللہ

الانصاری قال وهو يحدث عن فترة الوحی فقال فی حديثه بينا انا امشی اذ سمعت صوتا من
السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی كرسی بين السماء والارض
فرعبت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل الله تعالیٰ يا ايها المدثر قم فانذر الی قوله
والرجز فاهجر فحمی الوحی وتتابع تابعه عبد الله بن يوسف وابو صالح وتابعه هلال بن رداد
عن الزهری وقال يونس ومعمر بوادره ترجمہ زہری کہتے ہیں مجھ سے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن
انصاری نے اور انہوں نے جابر سے نقل کیا کہ آنحضرت علیہ السلام وحی کے بند ہو جانیکا حال بیان کرنے لگے
تو اسی بیان میں یہ بھی فرمایا کہ ایک دن اس حال میں کہ میں چلا جا رہا تھا یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے
اپنی نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ ایک کرسی پر آسمان اور زمین
کے درمیان میں بیٹھا ہوا ہے میں اس کے دیکھنے سے ڈر گیا پھر لوٹ آیا تو میں نے گھر میں آکر کہا کہ مجھے کمل
اڑھا دو مجھے کمل اڑھا دو پھر اسی حال میں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یا ایہا المدثر۔ یعنی اے کپڑے
اوڑھنے والے اٹھو کھڑا ہو اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑوں کو
پاک رکھ اور ناپاکی یعنی بتوں کی پرستش کو چھوڑ دے پھر وحی کی آمد خوب گرم ہو گئی اور لگاتار آنے لگی ہو

تیسری حدیث حدثنا موسیٰ بن اسمعيل قال حدثنا ابو عوانة قال حدثنا موسیٰ بن
ابی عائشة قال حدثنا سعيد بن جبير عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ لا تحرك به لسانك لتعجل به
قال كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يعالج من التنزيل شدة وكان مما يحرك شفتيه فقال
ابن عباس فانا احركهما لك كما كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يحركهما وقال سعيد
انا احركهما كما رأيت ابن عباس يحركهما فحرك شفتيه فانزل الله تعالیٰ لا تحرك به
لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه قال جمعه لك صدرك وتقرأه فاذا قرأناه فاتبع
قرآنه قال فاستمع له وانصت ثم ان علينا بيانه ثم ان علينا ان تقرأه فكان النبی صلی الله عليه
وسلم بعد ذلك اذا اتاه جبريل استمع فاذا انطلق جبريل قرأه النبی صلی الله عليه وسلم كما قرأ
ترجمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلام الٰہی تحرک بہ لسانک کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے نازل ہونے سے سخت محنت اٹھاتے تھے منجملہ ان کے یہ تھا کہ آپ اپنے دونوں
ہونٹ ہلاتے جاتے تھے تاکہ وحی یاد ہو جائے، ابن عباس نے سعید سے کہا کہ میں اپنے ہونٹوں کو

تمہارے سمجھانے کے لئے اسی طرح حرکت دیتا ہوں جسطرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے (اور سعید نے موسےٰ سے کہا کہ میں تمہارے سمجھانے کے لئے اپنے ہونٹوں کو اسطرح حرکت دیتا ہوں جسطرح میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر سعید نے اپنے ہونٹوں کو ہلا کر بتلایا۔ الغرض آنحضرت علیہ السلام کی یہ حالت دیکھ کر اللہ پاک نے یہ آیتیں اتاریں لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ
ترجمہ۔ اے محمد قرآن کو جلد یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یعنی قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھنا۔ پھر جسوقت ہم اس کو پڑھ چکیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یعنی اس کو سنو اور چپ رہو پھر یقیناً اس کے مطالب کا بیان ہمارے ذمہ ہے پھر بیشک ہمارے ذمے ہے یہ کہ تمہیں یاد ہو جائے تاکہ تم اس کو پڑھو۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد یہ حالت رہی کہ جب آپ کے پاس جبرئیل الکلام الٰہی لیکر آتے تھے تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبرئیل چلے جاتے تو اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے جس طرح جبرئیل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا۔
اس کے علاوہ مختصر تاریخ ملک میں نزول وحی کے حالات جو چھپ گئے ہیں وہ بجنسہ اختصار کے طور پر ہم درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد کل مطالب کی توضیح کریں گے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال تھا جب خداوند تعالےٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وحی دے کے آپ کے پاس بھیجا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا سترہ تاریخ اور پیر کا دن تھا کہ یکایک جبرئیل کوہ حرا پر ظاہر ہوئے اور سورہ اقرا کے پڑھنے کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایش کی پھر اپنی ایڑیں زمین پر رگڑیں جس سے پانی کا چشمہ بہنے لگا اس سے جبرئیل نے خود بھی وضو کیا اور سرور عالم کو بھی وضو کرایا۔ اور حضور فخر المرسلین کو نماز کی تعلیم کی ؎

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت ختمی پناہ غار حرا میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل آدمی کی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اقرا حضرت رسالت مآب نے فرمایا تھا انا بقاری پڑھنے میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس پر حضرت جبرئیل نے سرور کائنات کو گلے لگا کے ایسا بھینچا جس سے رسالت پناہی کو بہت تکلیف ہوئی۔ پھر کہا اقرا حضرت رسالت پناہی نے اس کا بھی وہی جواب دیا پھر حضرت مقدس نبوی کو بھینچا۔ اور اب کے بھی آپ کو سخت صدمہ ہوا غرض تین بار

ویسا ہی ہوا۔ آخر چوتھی دفعہ جبرئیل نے یہ پڑھا "اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم" ایک عالم کا یہ مذہب ہے کہ اول بار بغلگیر ہونے وقت ہاتھوں میں سے نفس امارہ کی برائیوں کو کھو دیا اور دوبارہ بغلگیر ہونے میں نفس لوامہ کی برائیاں آپ کے جسد مبارک سے دور ہو گئیں اور تیسری بار بغلگیر ہونے سے قلب میں خداوند تعالےٰ کے وحی کے نقوش قلمبند کرنے کی قابلیت پیدا ہو گئی۔ پھر یہی فاضل لکھتا ہے کہ حضرت نبی صلعم کا دل اگرچہ پہلے ہی سے بالکل صاف اور دنیا کی کدورتوں سے پاک تھا لیکن خفت انسانیت اور مائت بشریت سے جو باتیں ممکن ہو سکتی تھیں ان سے بھی سرور دو عالم کو منزہ کر دیا۔

عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد کہ دار الملک معنی را مجرد بیند از غوغا

اکثر مورخین یک زبان ہو کر یہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسالت مآب نے اپنا یہ حال مشاہدہ کیا تو آپ کو گمان ہوا کہ کہیں صفات نالائم مثل کہانت جنوں کے تو پیدا نہیں ہو گئیں اس خیال سے حضرت رسالت پناہی کوہ حرا کی طرف چلے تاکہ وہاں سے اپنے کو نیچے پھینکدیں جب حضرت سرور کائنات پہاڑ کے قریب پہونچے تو ایک آواز آئی یا محمد یا محمد سرور دو عالم نے فوراً آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو جبرئیل کو آدمی کی صورت میں دیکھا کہ اس کے دونوں قدم افق پر رکھے ہوئے ہیں اور وہ یہ کہہ رہا ہے "یا محمد انت رسول اللہ وانا جبرئیل" جس طرف سرور کائنات نظر مبارک اٹھاتے تھے یہی آواز گوشگزار ہوتی تھی۔ حضور پرنور اسی حالت میں اپنے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت بی بی خدیجہ صورت دیکھتے ہی فرمانے لگیں آپ کہاں تشریف فرما تھے۔ میں کئی آدمی آپ کی تلاش میں بھیج چکی ہوں لیکن انہیں آپ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ رسالت پناہی نے کل کیفیت بیان کر دی کہ یہ یہ گزرا اور یہ یہ ہوا۔ پھر رسالت پناہی فرمانے لگے "انی اخاف ان اکون کاھنا" بی بی خدیجہ نے یہ سن کے کہا معاذ اللہ خداوند ذوالجلال آپ کے ساتھ سوائے خیر و خوبی کے اور کوئی بات نہیں کرنے کا۔ بلکہ امید ہے اور میں خیال کرتی ہوں کہ رسالت حضرت کو ملی ہے۔ پھر بی بی خدیجہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ اور ساری کیفیت بیان کی۔ ورقہ بن نوفل سند لکھاتے

نصاریٰ میں سے تھا۔ اور اس کو الہامی کتابوں میں خوب دستگاہ تھی۔ اس نے سنتے ہی اپنی بہن بی بی خدیجہ سے کہا بہن اگر تم سچ کہتی ہو تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت ملی ہے اور وہ اس امت کے پیغمبر ہوں گے۔ جبرئیل ناموس اکبر ہے۔ جو موسیٰ اور عیسےٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ یہ سنکر بی بی خدیجہ چلی آئیں ✤

اس کے بعد خود حضرت رسالت پناہی ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی زبان مبارک سے کل حالات اور وقوعہ بیان فرمائے ورقہ نے سُن کے قسم کھائی کہ جبرئیل ناموس اکبر ہے جو موسےٰ کے پاس وحی لایا تھا تو یقیناً اس امت کا پیغمبر ہے کاش تجھے قوم کی طرف سے بہت بہت ایذائیں پہنچیں گی تجھے تیری قوم وطن سے بے وطن کرے گی۔ اور تجھ سے مقابلہ کرے گی۔ کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہوں ضرور تیری مدد کروں۔ اس تقریر سے حضرت رسالت پناہی مطمئن ہو گئے اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے ✤

ایک دن سرور عالم غار حرا میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ پیچھے سے جبرئیل علیہ السلام چلے آئے اور آپ کا پہرا بلایا آپ فوراً امید سے ہو کے بیٹھ گئے اور چاروں طرف نظر کی۔ مگر کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ پھر آپ اسی طرح تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ پھر دوبارہ جبرئیل نے پہرا بلایا اور کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھو آپ اٹھ کھڑے ہوئے ایک شخص کو رسالت پناہی نے دیکھا کہ آگے آگے باہر کی طرف چلنے لگا۔ سرور دو عالم بھی اس کے پیچھے پیچھے ہوئے جب صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں پہنچے وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر آسمان تک پہنچا تھا اور اس کے بازوؤں نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا تھا۔ اسکی دو آنکھوں کے بیچ میں کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا حضرت رسالت پناہی کو اس شکل و صورت سے ڈر معلوم ہوا فرمایا رحمک اللہ تو کون ہے کہ میں نے اس سے پہلے اتنی جسامت کا اور نیک کسی کو نہیں دیکھا اس شخص نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں اور روح الامین ہوں کہ کل نبیوں اور مرسلین کے پاس نازل ہو رہا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ۔ حضرت مقدس نبوی نے فرمایا کیا پڑھوں اس سے کہتے ہیں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرئیل نے اسکے بعد ایک حریر جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اپنے پروں میں سے نکالا۔ اور آپ کے روئے مبارک پر وہ کپڑا اوڑھا

کر بغلگیر ہوئے اور اس قدر بھینچا کہ آپ بیہوش ہو کے گرنے کو تھے کہ جبرئیل نے چھوڑ دیا اور پھر دبا کر کے بھیر یہی کہا کہ اس کو پڑھو۔ حضرت ختمی پناہی نے وہی پہلا عذر کیا۔ جبرئیل نے بار ثانی پھر آپکو گلے لگا کے بھینچا اور رسالت پناہی کی پھر وہی کیفیت ہو گئی غرض تین بار یہی کیفیت ہوئی۔ چوتھی دفعہ جبرئیل نے کہا: اقراء باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت رسالت مآب سے حضرت جبرئیل نے کہا کہ اقرا، چونکہ آنحضرت کو حد سے زیادہ تکلیف پہونچ رہی تھی۔ آپ نے موت کی تمنا کی تا کہ دوبارہ بغلگیر کی تکلیف نہ برداشت کریں۔ اسی اثنار میں حضرت جبرئیل نے زمین پر پیر مارا۔ اور اس سے پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ اور حضرت جبرئیل نے اس پانی سے وضو کیا اور حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی وضو کرایا۔ پھر حضرت جبرئیل نماز پڑھنے کے لئے آگے کھڑے ہوئے اور ان کی اقتدا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کی نماز کی صرف دو رکعتیں پڑھی گئیں اور گویا آج کی تاریخ سے فخر دو عالم پر نماز فرض ہوئی اور جب تک پانچ وقت کی نماز کا حکم نہ ہوا آپ صرف دو رکعتیں نماز کی پڑھتے رہے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام غائب ہو گئے۔ حضرت اقدس نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے دروازہ کھولا حضرت رسالت مآب کی صورت دیکھتے ہی خاتون اعظم نے معانقہ کیا اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس وقت آپ کے روئے مبارک پر ایسا نور چمک رہا ہے کہ میں نے اس کا مثل کبھی نہیں دیکھا۔ اور ایسی خوشبو آپ میں سے آرہی ہے کہ جو میں نے کبھی نہیں سونگھی۔ آپ اپنا حال مجھ سے بیان فرمائیں۔ حضرت اقدس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری کیفیت بیان فرما دی۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کیا کہ خدائے عزوعلا نے آپکو گرامی کیا ہے آپ کسی مکان میں تشریف رکھیں اور جب حضرت جبرئیل آپ پر منکشف ہوں تو آپ اس کی اطلاع مجھے ضرور کر دیں۔ آپ نے خاتون اعظم کی اس درخواست کو قبول فرما لیا چنانچہ جب حضرت جبرئیل منکشف ہوئے۔ تو حضرت رسالت مآب نے خاتون اعظم کو اطلاع دی۔ اس پر بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے حضرت

رسالت مآب کو اپنے بائیں زانو کی طرف بٹھا کے دریافت کیا کہ آیا اب بھی آپ جبرئیل کو دیکھتے ہیں آپ نے ارشاد کیا کہ ہاں۔ پھر اپنے سیدھے زانو کی طرف بھی بٹھا کے اسی طرح پوچھا۔ آپ نے اسی طرح جواب دیا۔ پھر بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی چادر آپ کو اوڑھا دی اور صرف سر مبارک کھول دیا اور پھر دریافت کیا کہ آیا اب بھی آپ جبرئیل کو دیکھتے ہیں آپ نے ارشاد کیا کہ نہیں بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کیا آپ کو بشارت دیتی ہوں کہ یہ فرشتہ تھا۔ جو حضور خداوندی میں گرامی اور مقدس ہے

اس کے بعد بی بی خدیجۃ الکبریٰ سرور کائنات کو گھر میں چھوڑ کے ورقہ کے پاس گئیں۔ یہ وہ شخص تھا جو ایک زمانہ سے نصرانی ہو گیا تھا۔ پہلے بت پرست تھا اور قریشیوں میں ملا ہوا تھا لیکن بعد ازاں نصرانیت قبول کر کے اس نے گزشتہ الہامی کتابوں میں بڑی قابلیت پیدا کر لی تھی جب بی بی خدیجۃ الکبریٰ ورقہ کے پاس پہنچیں تو یہ دریافت فرمایا "اے میرے چچا کے بیٹے مجھ سے جبرئیل کا کچھ بیان کرو۔ ورقہ نے اس کے جواب میں یہ کہا "قدوس قدوس بھلا جس شہر میں خدا پرستی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ وہاں جبرئیل کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے خاتون اعظم نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا یہ بیان ہے کہ مجھ پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں۔ ورقہ نے جواب دیا کہ اگر جبرئیل زمین پر نازل ہونے لگیں گے۔ تو انتہا درجہ کی خیر و برکت پیدا ہو جائیگی وہ ناموس اکبر ہے۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوتے تھے اور خدا کی وحی پہنچاتے تھے" خاتون اعظم نے پھر ارشاد کیا مجھے اس بات کی خبر کرو کہ آیا توریت و انجیل میں ایسی کوئی پیشین گوئی بھی ہے کہ اس زمانہ میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوگا۔ اور وہ پیغمبر یتیم فقیر ہوگا۔ اور خدائے عزو علا اس کو غنی بنا دیگا اس سے بہتر حسب میں کوئی نہیں نکلے گا۔ ورقہ نے جواب دیا "ہاں ان صفتوں کے علاوہ اور صفتیں بھی ہوں اس میں ہونگی منجملہ اور صفات کے ایک صفت یہ ہوگی کہ مثل عیسےٰ کے پانی پر چلے گا۔ مُردے اس سے باتیں کرینگے جس طرح حضرت عیسیٰ سے کرتے تھے۔ پتھر اس کو سلام کرینگے۔ درخت اس کی نبوت پر گواہی دینگے ❊

ان سب باتوں کے بعد ورقہ نے یہ کہا ذرا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو میرے پاس بھیج دینا کہ میں ان کی زبان مبارک سے ان کی پوری کیفیت سنوں۔ خاتون اعظم اپنے چچازاد بھائی ورقہ کے پاس سے چلی آئیں اور حضرت مقدس نبوی کی خدمت میں عرض کر دی کہ ورقہ کے پاس

تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ ورقہ کے پاس آئے اور ساری کیفیت بیان کر دی یہ سن کے ورقہ نے تین دفعہ یہ کہا "اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو مژدہ ہو کہ آپ وہی پیغمبر ہیں۔ جن کے قدوم کی حضرت عیسے علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک پیغمبر ہوگا اور ان کا نام احمد ہوگا اور فرشتہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا وہی آپ پر بھی نازل ہوا ہے یہ کہہ کے ورقہ آگے کی طرف جھکا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی اور مقدس پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کیا آپ عنقریب بت پرستی کے مٹانے کے لئے مامور ہوں گے کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے بے وطن کریگی تو میں ضرور آپ کے سینہ سپر ہوتا۔ حضرت ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میری قوم مجھے وطن سے باہر کر دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا بیشک کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جو آپ کا دشمن نہ ہو یہ سن کے ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو کے اپنے گھر چلے آئے ✦

تھوڑی مدت ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ افسوس ہے بیچارہ زمانہ دعوت میں موجود نہیں رہا۔

حضرت سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ "لقد رایت القس فی الجنة علیه ثیاب خضر لانه امن بی وصدقنی" اس حدیث میں قس سے مراد ورقہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ورقہ بن نوفل کو اس میں شک نہیں کہ اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ میں اپنا خون آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گراؤں اور حضرت ختمی پناہ کی مدد کروں اس آرزو سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ حضرت سرور کائنات پر ایمان لے آئے تھے۔ چونکہ زمانہ دعوت آپ کو نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے حسب قاعدہ انہوں نے بیعت نہیں کی۔ لیکن ان کے مسلمان ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا اگرچہ عام طور پر پہلا ایمان لانے والا حضرت بی بی خدیجۃ الکبرےٰ کو قرار دیا ہے مگر ہمارے خیال میں اگر ورقہ بن نوفل کو کہا جائے تو نادرست نہیں مگر صرف اس لحاظ سے کہ آغاز دعوت میں سب سے پہلے خاتون اعظم یعنی بی بی خدیجۃ الکبرےٰ شریک ہوئی تھیں اس لئے پہلا اسلام لانے والا انہیں کو کہا جاتا ہے یہ بات بھی چنداں قابل بحث نہیں ہے ✦

ایک روایت میں آیا ہے کہ بی بی خدیجہ ورقہ سے باتیں کرنے کے بعد عداس راہب کے

پاس تشریف لے گئیں۔ یہ راہب ایک معمر شخص تھا۔ وہ بی بی خدیجہ کی صورت دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور دریافت کیا آپ میرے پاس کس لئے تشریف لائی ہیں۔ بی بی خدیجہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل کا کچھ حال بیان کرو۔ یہ سنتے ہی عداس نے سجدہ کیا اور قدوس قدوس کہنے لگا اور اس نے بھی خاتون اعظم کو وہی جواب دیا جو ورقہ نے دیا تھا یعنے جس شہر میں معبود برحق کی پرستش نہیں کی جاتی وہاں آپ جبرئیل کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ حضرت بی بی خدیجہ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا مگر دوبارہ بھی یہی فرمایا کہ مجھے جبرئیل کے متعلق کوئی خبر دو۔ عداس نے جواب دیا بخدا میں آپ سے جبرئیل کی بابت کچھ بیان نہ کرونگا۔ جبتک آپ یہ نہ فرمائنگی کہ جبرئیل کے متعلق دریافت کرنے کی کیا وجہ ہے۔ خاتون اعظم نے فرمایا کہ مجھے کہدینے میں تو کچھ عذر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ تم میری باتوں کی خبر کسی کو نہ کرنا اور جو کچھ میں کہوں اس کو اپنے ہی تک رکھنا عداس نے یہ سن کر عہد کیا کہ میں اس کا کسی سے بھی ذکر نہیں کرونگا یہ سنکے بی بی خدیجہ نے یہ ارشاد کیا کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ جبرئیل مجھ پر نازل ہوتے ہیں۔ عداس نے جواب دیا جبرئیل ناموس اکبر ہے اور وہ موسےٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر بھی نازل ہوتے تھے اور وحی لاتے تھے اگر یہاں وہ نازل ہوں تو اس ملک میں خیر پیدا ہو جائے۔ لیکن اے بی بی خدیجہ مجھے شک ہے کہ شاید جنوں یا شیطان کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوگئی ہو تو میری یہ کتاب ان کے پاس لیجا کہ وہ اس کی زیارت کریں۔ جب وہ زیارت کریں گے تو شیطان وغیرہ کے آسیب سے ان کو نجات مل جائے گی اگر اسکی یہ حالت رحمانی ہوگی تو کتاب کی زیارت سے انکو کوئی مضرت نہیں پہنچنے کی غرض اس کتاب سے کھل جائیگی کہ جو حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہے وہ رحمانی ہے یا شیطان نے حضرت خاتون اعظم وہ کتاب عداس کے پاس سے لیکے حضرت ختمی پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جس وقت وہ کتاب سرور دو عالم کے آگے پیش کی گئی تو حضرت جبرئیل نے سورہ مبارک ن والقلم وما یسطرون ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ...... سرور دو عالم کے آگے پڑھی۔ یہ علامت دیکھ کے خاتون اعظم مارے خوشی کے پھولی نہیں سمائیں اور اسی خوشی میں سرور کائنات سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اٹھئے تو ہم دونوں عداس کے پاس چلیں حضرت رسالت مآب اٹھ بیٹھے اور بی بی خدیجہ کے ساتھ عداس کے پاس

آتے عداس نے حضور انور کی صورت دیکھتے ہی اپنے پاس بٹھایا اور اجازت کے بعد آپ کی پشت مبارک سے جامہ سرکایا اور دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کی زیارت کی مہر نبوۃ کو دیکھتے ہی عداس اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور دیر کے بعد سجدہ سے سر اُٹھا کے کہا قدوس قدوس اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واللہ جس پیغمبر کی موسےٰ اور عیسےٰ (علیہما السلام) نے بشارت دی تھی وہ تو ہی ہے۔ خدا کی قسم اس زمانہ میں جب آپ خلائق کی دعوت کریں گے اگر میں زندہ رہا تو آپ کے آگے ہو کے مخالفوں سے لڑوں گا۔ پھر عداس دریافت کرنے لگا۔ یا نبی اللہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے آپ نے ارشاد کیا توحید۔ اس پر عداس بولا کہ عنقریب خلائق کے آپ ملنے جلنے والے لوگ آپ کی تکذیب کریں گے اور ضرورت ایسی آکر داعی ہوگی کہ آپ کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑے گی اور ملائکہ سے آپ کو مدد پہنچے گی +

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب جبرئیل نے سورہ اقرا حضرت ختمی پناہی پر پڑھی اور بعد ختم سورۃ آپ غائب ہو گئے تو سرور کائنات اپنے گھر میں تشریف لائے اور بی بی خدیجۃ الکبرےٰ سے ارشاد کیا زملونی ودثرونی یعنے کوئی چیز مجھے اڑھا دو۔ اس وقت آپ کے دونوں کندھے کانپ رہے تھے۔ بی بی خدیجہ نے یہ سنتے ہی ایک چادر حضرت سرور کائنات کو اڑھا دی تھوڑی دیر کے بعد آپ کو تسکین ہو گئی۔ دوسری روایت میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت مقدس نبوی بعد نزول وحی اپنے گھر تشریف لائے تو بی بی خدیجہ سے یہ فرمایا کہ مجھے اپنے نفس سے ڈر لگتا ہے۔ خاتون اعظم نے جواب دیا خداوند تعالےٰ آپ کو اندوہناک نہیں بنانے کا کیونکہ آپ رحم مجسم ہیں صادق الوعد ہیں کنبہ کا بار اٹھائے ہوئے ہیں ضیافت کی شرطیں آپ بجالاتے ہیں اور خلائق کو نزول مصائب کے وقت مدد دیتے ہیں۔ یہ کہہ کے خاتون اعظم ورقہ کے پاس تشریف لے گئیں جس کی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے +

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک بار نزول وحی وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے بعد بہت عرصہ تک منقطع رہا اس وجہ سے حضرت مقدس نبوی بہت محزون اور ملول تھے اور آپ کے رنج کی انتہا یہاں تک ہو گئی تھی کہ رسالت مآب نے کئی بار ارادہ کیا کہ پہاڑ پر سے اپنے کو گرا دیں مگر جب ایسا ارادہ کیا جب ہی جبرئیل آموجود ہوئے اور کہا اے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم آپ پیغمبر خدا ہیں ہائیں ایسا کیوں کرتے ہیں تو اس جملہ سے حضور فخر دو عالم کو تسکین ہو جاتی تھی اور پھر آپ مطمئن ہو کے اپنے گھر واپس تشریف لے آتے تھے۔

جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فترت وحی کے زمانہ میں ایک میں رستہ میں جا رہا تھا کہ ایک آواز آسمان سے آئی۔ میں نے نظر اٹھا کے دیکھا کہ وہ فرشتہ جو غار حرا میں مجھ پر نازل ہوا تھا۔ آسمان زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یہ دیکھ کے مجھے خوف اور وحشت ہوئی۔ میں سیدھا اپنے گھر میں آیا اور میں نے یہ کہا زملونی و دثرونی یعنے مجھے کچھ اڑھا دو اس پر حق تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ ؎

یعنے اے کپڑا اوڑھنے والے اُٹھ اور اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے اور زیادتی کی خواہش میں احسان نہ کر اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کر آخر تک۔

ساتواں باب

تقویم قبول اسلام

جب تکمیل نبوۃ ہو چکی۔ اور نزول وحی کا آغاز مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ تو اب دعوت اسلام کی ابتدا ہوئی۔ اگرچہ ابھی تک دعوت اسلام عام نہیں ہوئی تھی تو نزول وحی کا بیان اور حضرت

لے اصل میں وحی وہ چیز ہے۔ جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کھل جاتی ہے اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ خدا سے اس کا پیغام سُنا جائے۔
دوسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔
تیسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچایا جائے۔
چوتھے یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مشاہدہ کے پیغام الٰہی پہنچا ہے۔
پانچویں یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے۔

جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم کی کیفیت کا پورے طور پر بیان ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ حضرت سرورِ دو عالم نے دعوتِ اسلام شروع کر دی۔ چونکہ یہ مسئلہ اور فطری اصول ہے کہ اصلاح گھر ہی سے۔

چھٹے یہ کہ خواب میں یا اور طرح پر بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو

وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیا کے سوا اور لوگوں پر اترے "تحدیث" کہتے ہیں اور پانچویں قسم کو "الہام" اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیا پر بھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علمائے وحی کی قسمیں بنائیں اور انبیاء اور غیر انبیاء کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے اگرچہ علمائے کرام کا یہ فعل نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے لیکن میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس امر کا قائل ہوں کہ غیر نبی پر بھی وحی نازل ہو سکتی ہے وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں ڈالا جائے اور اس پیغام میں اوامر و نواہی کے احکام مضمر ہوں اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہ ہو اور نہ وہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان "ان جیسا بنا سکے" خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اس کے مقابل ہیں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کیلئے فرمایا ہے اس سے کلی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہو گیا ایک تو یہ امر کہ ہم نے اسے وحی کی کہ یہ کر اور یہ نہ کر اور ایک شے کہ ہم نے قرآن نازل کیا جس کی مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی ہم پہلے قرآن مجید ان مقامات کو نقل کرتے ہیں جن میں وحی غیر نبی پر آئی ہے پھر ہم بتائیں گے کہ اس لفظ وحی سے کیا مراد ہے آدمی تو آدمی شہد کے مکھیوں کے پاس وحی کے آنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فرماتا ہے "واوحی ربک الی النحل" پھر آسمانوں کو وحی بھیجی گئی ہے "واوحی فی کل سماء امرھا" اب ایک عاقل شخص کیا سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ سوائے ان کے چھتے پہاڑ میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک ناواقف شخص اچھل پڑے گا کہ جب غیر انسان تو انسان جانوروں اور وہ بھی ادنیٰ جیسے مکھیوں کے پاس وحی آتا ہو تو پھر نبی کی اس میں خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے تمیز دیں کہ وحی کی وجہ سے ایک مدعی نبوت کو رسالت مانیں اور دوسرے کو معمولی خیال کریں ایسے خیال کا آنا ممکن ہے مگر اصل یہ بات نہیں ہے۔ وحی کے معنی اشارت کے ہیں اور شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کے

شروع ہوتی ہے اس لئے دعوت اسلام اور قبول اسلام کی ابتدا بھی گھر ہی سے ہوئی ؂

بیوی سے زیادہ شوہر کے رازوں کو کوئی نہیں جانتا بیوی سمجھتی ہے کہ اخلاق صدق و صفا

مقصود کو اسطرح بیان کرنیکا ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کندہ کرتا ہے اور اپنا قادر ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آئے اور سمجھے کہ ہم بڑے سے بڑے اور اونچے سے اونچے معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا حتی کے شہد کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے اپنا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی انکی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتہ بنائیں تو انکے پاس وحی بھیجنے کی یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام انسان جکڑے ہوئے ہیں ہم انپر حکمرانی کرتے ہیں اور ہماری خدائی انکی ہستی کے ساتھ لازم ملزوم ہے ہمارے خیال میں اس وحی کے معنی اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اسکے علاوہ مکھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا منشا باری تعالیٰ ہو سکتا ہے

اب وہ آیتیں نقل کیجاتی ہیں جن میں مقدس لوگوں پر وحی آنیکا ثبوت ملتا ہو گو کہ آیتیں نقل کر چکے ہیں تاہم اسکے بعد ہم ایک بحث کرینگے

سورۃ القصص آیت ۷ ؔ و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین ؔ یعنے اور ہم نے وحی بھیجی موسےٰ کی ماں کو کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اس کا ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا ہم تیری طرف اسے پھر پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں کرینگے ؂

حضرت موسےٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے انپر وحی آنا ثابت ہوتا ہے پھر سورہ کہف میں فرماتا ہے ۔ سورہ کہف آیت ۸۶ قلنا یٰذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا یعنے اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا ان میں خوبی رکھ ؂

پھر سورہ مریم میں فرماتا ہے ۔ سورہ مریم آیت ۱۶ لغایت ۲۲ واذکر فی الکتٰب مریم اذ انتبذت من اہلہا مکانا شرقیا فاتخذت من دونہم حجابا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیا ۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی

اور پرہیز گاری۔ جذبات دلی اور دماغی قابلیت میں اس کا شوہر کس درجہ کی وسعت رکھتا ہے۔ اس کے خیالات کیا ہیں۔ اس کی طرز معاشرت کیسی ہے اور یہ دراصل کیا ہے اسلئے سب سے

یکون لی غلم ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا۔ یعنے اور ذکر کر کتاب میں مریم کا۔ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے ایک شرقی رخ جگہ جا بیٹھیں اور لوگوں کی جانب سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس ان کے پاس بھیجی وہ اچھے بھلے آدمی کی شکل بن کے ان کے پاس آ کھڑی ہوئی وہ اسے دیکھکر کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ) روح القدس نے کہا میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ایک پاک طینت لڑکا دوں وہ بولی میرے یاں کیسے لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ کبھی میں بدکار رہی (روح القدس نے) کہا۔ جیسا تیرے رب نے کہا ایسا ہی ہوگا، وہ ہم پر آسان ہے اور ہم اُسے اپنی قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پاچکی ہے۔

پھر سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۵ ''اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین'' یعنے جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسٰی بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربوں میں سے ہے۔

پھر سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے ''واذ اوحیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی قالوا آمنا واشھد باننا مسلمون'' یعنے اور جب میں نے حواریین کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر یقین لاؤ۔ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔

ان کل آیتوں سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ غیر نبی کے پاس وحی آتی ہے۔ یہاں تک کہ روح القدس یا جبرئیل انسان کی صورت بن کے بی بی مریم کے پاس آئے حالانکہ وہ نبی نہیں ہم ملائکہ کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرئیل کی خصوصیت انبیاء کے لئے نہیں ہے بلکہ روح القدس جبرئیل کی تائید ہر ایک بندہ کیساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کر دینا پر

پہلے لازمی تھا کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ حضرت سرور کائنات اپنے شوہر پر ایمان لاتیں اگر ایسا
اتفاق پڑتا کہ آپ کی بی بی سب سے پہلے ایمان نہ لائیں۔ تو یہ سمجھا جاتا کہ آپ چونکہ اپنے

روح القدس یا جبرئیل کا آنا بند ہو گیا محض غلط ہے بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لمحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا یہ عادت خداوندی ہے کہ اسنے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بھی فضیلت دی ہے ۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور ہم اخیر لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں اور اسکی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو۔

پہلی آیت میں خدا تعالے نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہے کہ تو اسے یعنی موسےٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نہ کر ہم اسے رسول بنائیں گے ایسی نازک حالت جو حضرت موسےٰ کی ماں کی تھی اس میں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے انہیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچے کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر ان کے دل پر پیدا ہو وہ سوائے اس کے ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالی مجھے اور میرے بچے کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہے یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دل میں آیا کرتا ہے جو اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے ہر وقت اپنے کل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادر مطلق تصور کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو کل کے اسی کو ہیں اسی خیال سے یکایک تسکین ہوتی ہے اور پھر اسی تسکین کو خدا تعالی وحی یا القا یا الہام سے تعبیر کرتا ہے اسمیں بھی اس کا جلال اور لازوال قدرت کا نقشہ کھنچتا ہے۔ اور یہی منشاء باریتعالی ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنی عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقتوں پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے اور نا سمجھ لوگوں کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنا لے ۔

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ مگر ہاں انکے مدارج ضرور ہیں اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم و برحق کا مرتبہ وہ اعلےٰ ہے کہ کسی کو نصیب نہیں ہوا

واجب الاحترام شوہر ہے کما حقہ واقف نہیں اور اصلی راز دار نہیں اور اس پر آپ ایمان نہ لائیں تو ضرور آپ نے کوئی نئی اپنے عزیز شوہر میں دیکھی ہوگی مگر اس اتفاق کے خلاف آپ کے

حضرت مریم کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقتی کے لئے تھا اور ہمارے ہادی بوحق کے پاس روح القدس کا شب و روز رہنا دوامت پر دلالت کرتا ہے اس کی سادہ اور عام فہم الفاظ میں بالکل ہی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبہ کا مالک ہو اور اس حکمران پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کی عملداری بہت وسیع ہو بادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

ایک سلطان اعظم ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کر لیتا ہے۔ ہم کلامی ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوتی مگر کلام میں فرق ہے اسی طرح اس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھی جاتی ہے اور اس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھی جاتی ہے۔ اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

وحی جس کے معنی ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جس کا ظہور ہر لمحہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس وہ برس جاتا ہے ہوا کو وحی کی جاتی ہے کہ تو چل اور وہ چلنے لگتی ہے پانی کو وحی کی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام کائنات کو جکڑا ہے ان زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہو سکتا ہے اسی طرح وحی اسی طرح القا اور اسی طرح الہام اور اسی طرح حکم خدا اگر غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور ان کے معنی اور مفہوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے ۔

خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے لئے قوانین بنائے جنہیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین بنائے کہ جب تک کائنات کا وجود ہے وہ قوانین نہیں بدل سکتے اس لئے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے اور ان قوانین کا عام اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز حادث نہیں ہوتی یعنی نئے سرے سے پیدا نہیں ہوتی اور اس ذات پاک وحدہ لاشریک کو سزاوار ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کی نسبت اپنے سامنے کرے اور اس کی اس نسبت کرنے کی غایت بہت بڑی یہ ہے کہ ہم انسان اس کی

آپ کا سب سے پہلے ایمان لے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت تھی اور جو کچھ حضرت رسالت مآب نے ارشاد کیا تھا وہ سب سچ تھا۔ اور۔

مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند سورج کو اپنا معبود نہ بنا لے حضرت موسیٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس نے اپنی طرف اسی لئے منسوب کیا ہے تاکہ کم عقل پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کریں جو حقیقی خالق کے لئے شایان ہے۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کی ماں سے کہا تھا۔ کہ تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف نہ کھا۔ یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام تو سب قوانین قدرت یا لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں۔ مگر خداوند تعالیٰ ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور دراصل یہی مدعا ہے قوانین قدرت کا۔ اس کی لایزال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ہر ذرہ میں ہو رہی ہے۔ ہر لحظہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر گواہی دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے دنیا میں تبدیل ہیئت کا نام فنا ہے۔ مگر ایک گہری نظر سے اگر دیکھو تو یہ بات نہیں ہے۔ فنا ہونے کا خاص وقت جو مقرر ہو چکا ہے اور جس کا ہمیں علم نہیں کہ کب ہوگا۔ فنا تو اسی وقت ہوگی۔ اب تو تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو اپنے گلے سڑے پتے گرا دے وہ گرا دیتا ہے پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں مل جاؤ وہ مل جاتے ہیں پھر اس خاک کو وحی ہوتی ہے کہ تو دوبارہ درختوں کو بار آوری کی طاقت دے اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہے کہ تمہیں خوراک پہنچ چکی اب تم سبز پتے اور پھل دو چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں +

ہر شے میں اُس کا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اس کے حکم یعنی قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا اور سچ ہے کیونکر وہاں عظیم کرہ سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خوردبین سے بمشکل نظر آتے ہیں قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنی ابتدا سے جو قاعدہ انکے لئے مقرر کر دیا ہے اس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے اگر تجاوز کر جاتے تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم برہم ہو جاتا جو بات ہوتی ہے انہی قوانین کے دائرہ میں اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی انہی قوانین کے دائرہ میں

اب اس میں خفیف سا شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی یہ پہلو ذرا توجہ کرنے کے قابل ہے جس سے آئندہ قابل قبول نتائج پیدا ہوں گے۔

معمولی آنکھ جب عجیب حادثہ دیکھتی ہے تو اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ قوانین قدرت یا لوح محفوظ میں اتفاق کا لفظ ہی سرے سے نہیں ہے جو ہم جانتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہے کہ کتاب فطرت کا الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک ہمیں نہیں ہے تو بھی اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے ہمارا یہ عقیدہ ہے اور اسلام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وحی کی خصوصیت در حقیقت انبیاء کے لئے نہیں ہے ہاں اس کے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اوپر بیان کر چکے ہیں وحی ہر شخص ہر چیز اور ہر جاندار اور ہر بیجان حتے کہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے۔ مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا ہمارے علمائے کرام نے ایسی وحی میں جو انبیاء کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیاء کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنی ان کے جدا جدا نام رکھے ہیں اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے ان کے صفات میں ہم فرق کر سکیں چنانچہ مشکواۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمرؓ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک تم سے پہلے امتوں میں الہام والے لوگ تھے پھر اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام یا صاحب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے جو بات کہ اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ مخصوصیت کیوں کی گئی جب کہ اوروں کا بھی قوانین قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص معاملات میں آپ کی رائیں ان احکام کے مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کیطرف سے نازل ہوتے تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے از راہ محبت سے ایسا فرما دیا کہ میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے ان الفاظ سے اگر غور کر کے دیکھا جائے تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی کیونکہ ان الفاظ سے ایکطرح کی اعلی درجہ کی صفت پائی جاتی ہے مثلاً

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ اگرچہ رسالت مآب سے محبت ضرور تھی۔ جیسی کہ شوہر پرست بیبیوں کو اپنے شوہروں سے ہوا کرتی ہے لیکن کسی قسم کی خوشامد نہیں تھی۔ بی بی خدیجہ جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا

ماں کہہ سکتی ہو کہ میری دستگیری کرنے میں میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ باقی ماندہ بیٹے کبھی اپنی ماں سے کوئی سلوک ہی نہیں کرتے تھے نہیں سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت ہی ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام یعنی صاحب وحی ہے مگر ہاں الہام اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیا ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں پر بھی نازل ہوتی ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچویں قسم کو جب نبی پر نازل ہوتی ہے کبھی اسے نفث فی الروع بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہو تو اس کو سکینہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے مشکوٰۃ فی باب التوکل والصبر[۱] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی[۲] اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے[۱] مشکوٰۃ فی باب مناقب عمرؓ ما کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر وقلبہ[۲] یعنی سکینہ عمر کی زبان اور دل سے بولتی ہے ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب کو وحی القا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آکے وحی القا کرتے تھے۔ مذکورہ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت ہو گیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک روح نے ڈالا میرے دل میں۔

اسلام نے ان مسئلوں میں جن کو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھتے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے کل مضامین نصرانیوں کیلئے ہیں سراسر اتہام ہے یہودی یا نصرانیوں کو خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیونکر پیدا کرتے وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور آیا مذہب کسے کہتے ہیں مذہب کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے آخر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے ان قوانین کو توڑے جو روز اول سے مقرر ہو چکے ہیں اور کل نظام کائنات کا دارومدار صرف انہی پر ہے بلکہ مذہب کی شان یہ ہے کہ اسکے تمام اصول قوانین قدرت کے ہو بہو مطابق ہوں اور ان کی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے

آپ دولتمند بھی تھیں۔ عالیخاندان بھی تھیں اور حسین بھی تھیں۔ بلکہ مزید براں آپ نے ہمیشہ اپنے عزیز شوہر کی دستگیری کی اور اپنا روپیہ حضرت رسالت پناہی کی آسائش میں قربان کر دیا ایسی

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم ہے اگرچہ اس کی تشریح انہوں نے نہیں کی۔ وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی حتی کہ مکھیوں کو بھی ہوتی ہو بالکل با اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ قدرت باری باری تعالیٰ کے خلاف ہے وحی کا عام ہونا انبیا علیہم السلام کی برترین شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا جبکہ مدارج کا بین تفاوت موجود ہے اسکی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگا کے چار روپے کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے مگر کیا وزیر کے رتبہ کو کوئی ادنےٰ شخص پہونچ سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر یعنی پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے ہمارے واجب التوقیر علما بھی اس طرف گئے ہیں مگر انہوں نے وضاحت سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی۔ جتنے انبیا کو وحی آئی وہ سب معنا تھی یعنی الفاظ خداوندی نہ ہوتے تھے بلکہ مفہوم ربانی ہوتا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے اور فخر انبیا قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اسکے الفاظ اور اس کا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی نہیں انکار کر سکتا۔ ہمارے نبی معصوم خود ایک مجسم وحی تھے اور آپ میں سے ہر وقت ہر گھڑی اور ہر لمحہ صدہا چشمے وحی کے ابلا کرتے کرتے تھے آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپکی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی آپ کا ہر عضو ہر ایک جزو ایک ثمرہ تھا ربانی وحیوں کا روح القدس جب آپ کی پاک زندگی کیساتھ لازم و ملزوم ہو گئی تھی۔ پھر آپکو خاص طور پر وحی نازل ہونیکا انتظار کرنے کی ضرورت کیوں ہو۔ حقیقت وحی ہمارا یہ ایمان ہے کہ پشت پدر سے ہی ان کے ہمراہ تھے آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی ہو کے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں اگرچہ پہلو کے چاک ہونے اور آلائش نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہو اور حدیث کی مستند کتاب میں درج ہو مگر ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے اور خبر احاد کے زمرہ میں رکھ کے اس کی طرف توجہ پھیر لیتے ہیں ہمارا تو یقین ہے اور قرآن جابجا سے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوتے روح القدس کی گود میں تھے

ایسی حالت میں یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ساری باتیں نہایت تحقیق کیں اور کل معاملات کو سب سمجھنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ ورقہ وغیرہ لوگوں کے پاس بار بار جانا اور ان سے ساری

پاک اور معصوم تھے اور تمام وہ پاکیاں اور تقدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپکو مل چکی تھیں پھر اسکی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپکے دل میں نور بھرتا خدا جانتا ہے اس ذات اطہر اور پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی اسکی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلیٰ تھا۔ روح القدس۔ وحی الہام یہ سب اس سکے پاک خون میں آمیز ہو رہے تھے وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا اور اپنے کمال انسانی کو ظاہر کر کے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے اور ایسا ساتھ ہے کہ جان کندنی کی سخت ترین حالت میں اس کا نام مبارک لے لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔

فطرت کی کتابوں کو آنکھیں کھول کر دیکھو اور کچھ دیر اس کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ایک قوت سے جو عظیم الشان کروں سے لگا کے ذرہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرت کی جو قوت آفتاب کے کرے میں خرچ ہوئی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف ہوئی آتی ہے؟ اس کا جواب باسانی بچہ بھی دے سکتا ہے کہ اس میں اتنا ہی تفاوت ہو جتنا آفتاب اور ذرہ میں ہے جب فطرت کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہم عالم فطرت کی سیر اپنے ناظرین کو تھوڑی دیر کے لئے کرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ اُسے فطرت کے آثار چند باد معلوم ہو جائیں اور وہ سمجھ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوتی تھی اور اس وحی میں جو قریشی نبی پر نازل ہوتی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک اور قطرہ سے لگا کے سمندر تک مدارج قائم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہ ہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہ ہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو۔

جب ہم ان زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان نئی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں اور ہماری نظر ان امتیازی مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے ان میں ودیعت کئے ہیں ان گوناگوں اشکال کا امتحان اُن کی بناوٹ کی جانچ اور انکے استعمال کے طریقے سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جس طرح مدارج اور مراتب جسطرح گوناگوں ہیں اسی طرح انکی فطرت میں

کیفیت اپنے شوہر کی بیان کرنا اور پھر تحقیق مطالب میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ نے محض محبت شوہری میں از خود رفتہ ہو کے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اچھی طرح

زمین و آسمان کا فرق ہے جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور ایسی گرد ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ہمیں ان سے مفر نہیں یا با لفاظ دیگر ہماری زندگی کا بالکلیہ دارو مدار اُنہی پر ہو مثلاً ہوا۔ پانی طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکم خدا یا الہام کا سلسلہ قائم ہے یا کل مخلوق اس وحی سے دم بھر کے لئے جدا نہیں ہو سکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردین بن رہا ہے اس پر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں کیا کوئی کم عقل سے کم عقل یہی خیال کر سکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت اور شکل سے ایک لمحہ بھی قائم رہ سکتے ہیں اور آگے بڑھکر پہاڑوں کو دیکھو تاریک کانوں پر نظر کرو عمیق غاروں پر نگاہ دوڑاؤ سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تمہیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دیگا کہ تم حیران ہو جاؤ گے کہیں تو یہ چیزیں تمہیں ایک بیقاعدہ صورتیں دکھائی دینگی جو پریشان ادھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ ششدر ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا اخیر یہ انتظام کس چیز سے ہو رہا ہے اور کس زبردست قوت نے انہیں اپنی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے یہ جواب یہی دیا جائیگا کہ قانون قدرت یا حکم خدا یا الہام سے۔

ایک ایسا ناظر جس نے ان قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اٹھے گا کہ اس کا سلسلہ نا متناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذروں کا سمندر کے کنارہ پر مگر وہ ناظر جو فطرت کی کتاب تھوڑی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُن کی علیحدہ علیحدہ تقسیم بتا دیگا اور ان کے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دے گا کہ یہ چیزیں کیا ہیں ان کی ہستی کیا ہے قدرت نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے ان چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور ہزاروں آدمی ان کی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے انہیں آدمی کا خدمتگار قرار دیا اور انہیں صرف یہی درجہ عطا کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں قرآن تو جا بجا یہی شروع سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمتہ نے اس فطری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے اس کی تعریف ہم نہیں کر سکتے ✣

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب ایمان لائے۔ معترضین نے اس ایمان لانے کو وقعت کی نظروں سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت صغیر

اندازہ کر کے اس سے لذت روحانی حاصل کی جاتی تھی ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق و باد کی آوازیں بھی کلام خدا پہنچاتی ہیں ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلام خدا ہیں بے شک ان کے ذریعہ سے خدا اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اسے معلوم ہے　　تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیے

موسیٰ سے کوئی پوچھے کہ تمہیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا جہاں سے انہوں نے خداوند تعالیٰ سے باتیں کی تھیں کلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ مصرع "قدر این بادہ ندانی بخدا تانہ چشی" انہیں جان سکتے وہ لوگ جو اس کوچہ سے واقف نہیں ہیں نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنہوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں جانا ظاہر بینی ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھ معنی لگاتے ہیں اور ہم انکے کچھ معنی سمجھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بے شک آوازیں آتی تھیں اور حقیقتاً یہ آوازیں خدا کی تھیں جو اپنے بندوں سے باتیں کرتا تھا۔ بجلی کی آواز بھی اُسے نیا پیغام پہنچاتی تھی بادل کی گرج اُس کے لئے نئی نئی خبر لاتی تھی۔ اور وہ آوازیں جو اس کے دل سے اٹھتی تھیں اور جن سے اسکی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا۔ وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھیں اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا اس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پورے عالم میں اُسے مسموع ہوتی تھی۔ خدا کی طرف سے تھی اور بے شک خدا اس سے خود کلام کرتا تھا۔ یہ وہ عجیب معارف و حقائق ہیں جن کی تہ کو پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہو اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے ہمیں اس نے اسی خدمت کے لئے چن لیا ہے اس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اسی کے روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے ہمیں اس کی مرضی پر چلنا اور ہمیں اسی کی مرضی پر کام کرنا اور اسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے دعا ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اسی کے سایہ اور اسی کی سرپرستی میں یہ عظیم الشان کام انجام دیں۔

سن تھے اور صغیر سنی کی کوئی بات قابل وقعت نہیں ہوتی اور بالخصوص ایمان کے مقابلہ میں تو اور بھی اس کی زیادہ کم وقعتی ثابت ہوتی ہے مگر نہیں یہ بات نہیں ہے بچہ بچہ میں فرق ہے

سوم وحی بواسطہ تجلیات ربانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بحالت بیداری میں وحی نازل ہوتی تھی۔ اور اس کی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات نورانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہوجاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرمالیتے تھے۔ اس صورت سے کل اسرار غیبی آپ پر عیاں ہوجاتے تھے جیسے نماز کسوف میں آپ کو یہ بات پیش آئی تھی +

یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ ہم یہ تو نہیں مانتے کہ صرف نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی اور جیسے آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے۔ تجلیات ربانی یعنے روح القدس آپ کی ہمدم و ہمقرین رہتی تھی وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونیکے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبی نہ عیاں ہوتے ہوں قرآن مجید کی آیتوں یا صورتوں کا بروقت ضرورت نزول اس امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرئیل کی مجالست سے علیحدہ نہیں ہوتے اور یہ کیونکر ہوسکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوں جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے تمام ربانی تجلیوں کا ہجوم چاہئے۔ کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پورے ہمقرین ہوئے بغیر ممکن نہیں لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صد ہا برس گزرنے کے بعد دنیا ہی پر نہ رہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپ کی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان

آپ میں خداداد ذہانت اور فہم وفراست صغیر سنی ہی میں اول درجہ کی تھی اور آپ میں ایمان لانے یا مسلمان ہونے کے وقت کفر و اسلام کے تمیز کرنے کا ادراک بخوبی پایا جاتا تھا اسلام

کے پیدا کرنے کی کیا غایت ہے جو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ ایک بڑا پُر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر سے نہیں ہوئی ہم نے وحی کے نازل ہونے پر سے متعلق اختلاف نہیں کیا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کئے ہیں اور ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مراد لیتے ہیں سب کے ایک ہی معنے اور سب کا ایک مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علما نے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغام خدا ایک ہی صورت سے نازل ہونا چاہئیے وحی تو وحی تھا اس کی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول اور پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔

خداوند اپنی ہر ارذل ترین مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے ساتھ نے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اس سے بھی تجاوز نہیں ہو سکتا وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے اس کے کلام کرنے کا ایک نیا قاعدہ ہے اور اس سے تجاوز نہیں ممکن۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی روح القدس افق پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتے تھے اور اس صورت سے پیغام باری تعالیٰ پہنچاتی تھی اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز جرس کے سنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہن کر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نور بن کے آنکھوں کے سامنے چکرانے لگتی تھی یہ ساری باتیں در اصل اوپری ہیں جنکو نزول وحی کے ادراک سے کچھ نسبت تعلق نہیں پھر بھی اگر ہم ان کل صورتوں کو تسلیم بھی کریں تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسی طرح وحی کے اس چشمہ میں جو ہر وقت قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیات ربانی کی شعاعیں اس جوش زن چشمہ میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی ہیں جنکی کسر کو سوائے اس ذات کے

مثل مذہب تثلیث کے ایسا پیچیدہ مذہب نہیں تھا کہ نہ سمجھانے والا سمجھ سکے اور نہ سمجھانے والے کی عقل میں آئے۔ صرف ایک خالق پر ایمان لانا۔ اور حضور انور کو پیغمبر آخر الزماں ماننا

جس دل میں یہ چشمہ ابلتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا نہ وہ خود اس کی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کرسکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اس کی کیفیت غیر محدود پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اس کا راز رونما ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے کبھی اسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی۔ کبھی تجلیات ربانی کی مثال دے کے سمجھایا اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں تک بھی آپ کو ضرورت نہ تھی کیوں کہ ان تمثیلوں کو بھی سمجھانا محالات سے تھا نہ خداوند تعالیٰ نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان فرمائیں بس اور کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبراً مانو اور اس پر عمل کرو۔ اس کی تائید خود کلام پاک میں موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے" کلام کی بھی خوبی ہے کہ وہ خود بخود دل میں گھر کرتا جاتا ہے اور اس کے نقش بغیر کسی کوشش کے از خود دل میں بیٹھ جاتے ہیں آپکی تعلیم کا طریقہ اس قدر حسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا قرآن مجید سے بھی خود اسکی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے "نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کی جائے" یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنی نرم بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالیٰ تھا جسکی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ مثیلوں کے بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحب وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں مگر جنکی نظر نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں جنہیں نبوت اور اسکے راز کا اور ہی علم ہے اور جو محمد اور خدا کے تعلقات سے واقف ہیں ان کا یہ خیال ہو کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب حل ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا بھی کھایا جائے اور اسکی ترکیب دریافت کرے تکی میزبان تکلیف بھی دے صرف دیکھنا یہ ہو کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے

اپنا اطمینان کرکے اور شوہر کے رازوں کی واقفیت سے فائدہ اٹھا کے اسلام قبول کیا اس کے علاوہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ انتہا درجہ قابل روشن ضمیر اور معاملات سمجھنے والی

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارا ند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بذات خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگوں ودیعتوں کا پتہ نہیں لگا سکتا پھر بھی اس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگایا ہے اور نہیں اپنی زندگی کے لئے ایسا کار آمد ثابت کیا کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہر شے میں اس کا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہو کہ اس نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی اس میں شک نہیں کہ جتنے ملہم ہوتے ہیں خداوند تعالےٰ اپنی طرف انہیں منسوب کرتا ہو اگرچہ اس نے اُن کے حدوث کے اسباب پیدا کر دیے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنیکا شایان ہو حضرت موسیٰ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے اس سے کہا کہ تو غم کھا نہ خوف کھا ہم اُسے یعنی تیرے بیٹے کو پیغمبر بنائیں گے یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوتی۔ جب انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کریں گے تو فوراً خیالات نے اس امر کی طرف غور کیا کہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے بغیر اسکی مرضی کے پتہ نہیں ہلتا چونکہ وہی قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس خیال نے انہیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمنے اپنی روح القدس کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحہ اعلےٰ قدر مراتب ذرہ سے لگا کر انسان تک کے ساتھ رہتی ہو چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے انہیں یہ قلب مطمئنہ حاصل ہوا جس کو خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہو وہ ہم بتا چکے شریعت نے جسطرح اُسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے اب ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی تاہم یہ بیان کرنا ہے کہ وحی کے نازل ہونیکے جو طریق مفسرین اور محدثین نے بیان کئے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں *

تھیں کیونکہ وہ ہزارہا روپے کی تجارت کرتی تھیں۔ معاملہ فہمی میں اونہیں پوری قابلیت حاصل تھی۔ جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس ہوشیاری اور دانائی کا ایک امر کی تحقیق

جبرئیل کے معنی خدا کے بندے کے ہیں مگر زبان شریعت میں اسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرئیل کئی صورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرئیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے ایک اور صحیح حدیث آیا ہے کہ آپ کبھی اجنبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل مسافرانہ صورت نہایت سفید لباس میں ظاہر ہوکے حضرت رسالتمآب کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کرنے لگے آپ کی جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالتمآب نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہیں ایمان و اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرئیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخیر وقت اس روایت کو امام مالک رح نے نقل کیا ہے اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن ماحصل سب کا یکسان ہے اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا مگر نہیں ہم ہر روایت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جبرئیل طرح طرح کی صورتوں میں وحی لے کے لاتے تھے نہ صرف وحی لے کے بلکہ معمولی باتیں سمجھانے کے لئے بھی آپ کا نزول ہوتا تھا۔ مثلاً مسجد میں معہ جوتیوں آپ نماز پڑھ رہے تھے حضرت جبرئیل نے فوراً مطلع کیا کہ آپ جوتی اتار ڈالئے کیچڑ لگی ہوئی ہے آپ نے فوراً جوتی اتار ڈالی۔ جب صحابہ نے نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو آپ نے سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکو دیکھ کے آپ نے فرمایا میری جوتی میں کیچڑ لگی ہوئی تھی اسلئے جبرئیل نے

کے بعد آپ کا ایمان لے آنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ کو نہ شوہر کی محبت نے مجبور کیا نہ آپ نے کوئی فریب کھایا۔ کیونکہ اگر محبت کا غلبہ ہوتا تو آپ کو تحقیق کرنے کی کوئی ضرورت

مجھے آگاہ کیا ہے جس نے جوتی اتار ڈالی۔ یہ ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گزر کے ہزاروں تک پہنچتی ہے بالکل صحیح ہیں۔ ہر لمحہ ہر کام کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو۔ حضرت جبرئیل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں جبرئیل یا ناموس اکبر یا روح القدس کی آمیزش ہو گئی تھی اور آپ کی ذات مطہر یا مقدس کی روح القدس لازم ملزوم بن گئی تھی آپ کا روح القدس میں استغراق بلکہ مجسم روح القدس ہو جانا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ بعض وقت ایک نیا شخص آپ کو مجسم روح القدس معلوم ہوتی تھی اور آپکی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسے آدمی کی صورت میں دیکھ لیتے ہوں۔ مسمریزم گویا اس درجہ تنقص کی جو انبیاء کو حاصل تھا الف بے تے ہی اور یہ علم کوئی بُرا نہیں ہے۔ اگر اس سے کوئی بُرا کام نہ کیا جائے تو بہت سی مفید باتیں اس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ صاحب مرض با آسانی ہو سکتا ہے۔ جیسے دیکھئے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی نہیں ہے جس شخص کو اس فن میں غلو ہو جاتا ہو اسے مشکل نہیں ہے کہ جس چیز کا خیال کرے سو وہ اس کے آگے مجسم آ کے کھڑی ہو جائے اور اس سے باتیں کرے۔ اسکی باتوں کا جواب دے اور خود اس سے سوال کرے ہمارے نبی معصوم کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض اوقات غلبہ روحانیت کی وجہ سے روح القدس آپ کو مجسم دکھائی دیتی تھی۔ اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس کی تائید میں تھے۔ اس لئے انہیں بھی نظر آ جانا کچھ بات نہیں۔ کون ہے جو نبوت اور اس کے راز سے ذرہ بھر بھی واقفیت رکھتا ہو۔ کون ہے جس نے ان تعلقات کو پہچانا ہے۔ جو مخصوص بندہ اور خالق کے درمیان قائم ہیں معمولی باتوں کو چھوٹے چھوٹے الفاظ میں بیان کرنا اور اسی سے اپنے ہادی برحق کی معرفت سمجھ لینی سخت غلطی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے۔ ہماری طرح پرورش پائی ہماری طرح بڑے ہوئے۔ پھر بھی وہ امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہے جسکی بلندی پر ہمارا خیال نہیں جا سکتا۔ وہ کائنات کا لب لباب روح القدس کے مجسم تھے یا جبرئیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے وہ خود ہی روح القدس ہے خود ہی ناموس اکبر ہے خود ہی جبرئیل ہے اور خود ہی میکائیل ہے یہ اُسکی صفتیں ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ نام گناتے ہیں ورنہ یہ کل صفتیں ان کی ذات میں جمع ہو کے

نہ ہوتی تو آپ اوپر اور نیچے جانے کی تکلیف برداشت کریں یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے اور جس قدر اس پر توجہ کی جائے گی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت بخوبی معلوم ہوتی جائیگی

ہم سے پکارتے ہیں خدا کی خاص صفتیں ہیں جو اس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں کوئی نہیں نہ سمجھے اور ان کے انکل پچو معنی لگاتے یہ اس کی خوش فہمی ہے ۔

کہاں ہے یہ تاثیر کسی نام میں اگرچہ بہت سے پیغمبر گذر گئے اور بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا کہ اب بھی وہی نبی امی اپنے روضہ مبارک میں سے کروڑوں بندگان خدا کو کلمہ توحید پر قایم رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اس کے مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت باقی ہے اب بھی میدان جنگ میں اسکا پرجلال نام تیغ وسنان کا کام دیتا ہے اے معصوم ہاشمی نبی تیری بزرگی بہت بڑی ہے تو بلاشک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا تو اپنا ثانی آپ ہی ہے ابھی تک ہم تیرے عالیمرتبہ کو نہیں پہچان سکے ہم اپنی محدود عقلوں اور اپنی بساط کیموافق تیری صفات کی جستجو کرتے ہیں مگر جیسا کہ چاہیئے ہم انہیں نہیں پاتے ۔

دوم وحی بواسطہ آواز

کسی جرس کی مانند آپکو ایک آواز سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی خود نبی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت بیان نہیں فرمائی ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی کئی توجیہ بیان کی ہیں جن کا بیان ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں بعض کہتے ہیں فرشتہ کے بولنے سے پہلے یہ آواز آجاتی تھی غرضکہ جب خود اس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبوراً علماء نے اپنی طرف سے لاکے لگادی گو پھر بھی وہ اس کی کنہ تک نہ پہنچ سکے ۔ جب انسان کسی خیال میں غرق ہوتا تو اسے رنگ رنگ کی نئی نئی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور مختلف شکلیں نظر آتی ہیں جنکو وہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر ان کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا ۔ غلبہ روحانیت یا علیہ روح القدس کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت میں تغیر ہوجاتا سمجھ نہیں سکتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گزرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی راحت اور ایک عالی درجہ کا اطمینان قلب حاصل ہوتا تھا اور خداوند تعالی کی لازوال قوتوں کا پرتو

انسان ہونے کے لئے کافی ضمانت تھا اور یہ موٹی بات حضرت علی ابن ابی طالب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری صفت جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لائے

گھنٹا اچھا لگتا ہے اس سے بحث کہ کیونکر پکارا گیا وہاں پکارنے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے اسی طرح وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھ پر نازل ہوا ہے امثل یہ اوامر ہیں اور یہ وحی ہیں۔ اس کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھ پر وحی نازل ہونے کا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری صورت دیکھ کے بیہودہ باتیں بیان کی گئی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرما دیا ہو گا کہ پیترنا محض تمثیلی خیال کیا جائیگا۔ حقیقت سے اسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا جیسا راحت۔ درد۔ کھٹاس۔ مٹھاس کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے گی جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اسی قدر ہے جتنا خدا نے ہمیں آگاہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ۔ یعنی کہ جو کوئی روح القدس کا دشمن ہو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے حکم سے اتارا ہے اس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ ابلتا تھا۔ اس لئے کہ روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا اور ایک آیت سے اس کی تشریح اور بھی واضح طور پر ہو گئی جہاں خداوند رب العرش ارشاد کرتا ہے ؛؛

من امرہ علی من یشاء یعنے خدا روح القدس کو جس پر چاہے القا کرتا ہے یا خدا روح القدس کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیج دیتا ہے۔ اس سے یہ بات تو پیدا نہیں ہوتی کہ خدا کا بھیجا آدمی کی صورت میں آکے بلفظ قرآن سناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کر دیتی تھی آگے پیرائی دیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہوتے ہیں دفعہ ہو جائیں گے چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون

احسان پرستی کی آپ میں تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا
تھا مثل اپنے بچوں کے آپ کی پرورش کی تھی اور آپ کو اس قحط اور مصیبت سے نجات دی تھی جس

ولقد راٰہ بالافق المبین وماھو علی الغیب بضنین وماھو بقول شیطٰن رجیم فاین تذھبون
یعنے یہ قرآن اس رسول کریم یعنی روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا ساتھی (محمدؐ) کچھ دیوانہ نہیں کہ اپنے خیالات کو مجنوں کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جاتا ہے اور اس نے روح القدس کو اسکی صورت اصلیہ میں افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں۔ پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو
ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدائش سے آپ کی ہمقرین تھی اور آپ کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ مل کے شیر وشکر ہو گئی تھی۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو افق پر دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے اس سے یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ایک مجسم چیز افق پر ایک بار دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی بلکہ روح القدس کی اصلیت کو بلندی پر دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اعلیٰ درجہ کی روح القدس آپکی ہمقرین بنائی گئی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہم نے لکھا تھا۔ کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے اس کی اس آیت سے شہادت مل گئی۔ افق پر روح کو دیکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی ذات میں جو روح القدس ودیعت ہوئی تھی وہ اعلیٰ درجہ کی تھی لیکن افسوس ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرئیل کا ایک جسم قرار دے کے افق چھوا ان کے بڑے بڑے پر بیان کریں اور انکی صورت ایک ایسے خوفناک طور کی بیان کریں جو جیسے مشرقی قصہ نویسوں نے زیادہ تر تیرے ناولوں میں لکھی ہے ایک کامل ہدایت کو ایک بہت ہی ہولناک جسم میں معتقد کرنا ہمارے بعض علمائے کرام کا حصہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کر سکتے۔

رب العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمدؐ کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ روح القدس آپکی ذات اقدس اور اطہر میں بولتی تھی اور اس قدر وابستہ ہو گئی تھی کہ جو کلام آپکی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا۔ اس میں

جس میں ابو طالب آپ کے چچا پھنسے ہوئے تھے اس احسان پرستی کی نہر یقیناً آپ کی ذات میں موجود تھی اور آپ کا اپنے محسن کے ساتھ مہربان ہونا اس کا کافی ثبوت ہے کہ آپ میں احسان

روح القدس کی تائید ضرور تھی۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے " قل نزله روح القدس من ربك بالحق یعنے تو کہہ اس قرآن کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اوتارا ہے " اس میں شک کرنا اور اس کی صداقت میں کلام کرنا سخت نافہمی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کی طرف سے نازل ہوا وہ حق ہے اور سوائے صداقت کے اس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے بخوبی واضح ہو گئی ہو گی۔ زیادہ غور کرنے کی بعد معلوم ہو گا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہاں تک منشائے باری تعالیٰ کے موافق ہے اور اس کا انطباق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے قوانین قدرت شاہد ہیں کہ اسلام سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آنیوالا مذہب دنیا میں کوئی نہیں فلسفہ یونانی کی کسوٹی پر پرکھا۔ تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے پرکھا مگر کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادی رائے ہونی چاہیئے۔ تعصب اندھا کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے تو صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتہ کسے کہتے ہیں نزول ملائکہ کے کیا معنی ہیں۔ الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی میں نہیں پہونچے انہوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قایم کیا ہے مثل انسان کے فرشتے آتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں مثل انسان کے جو پیغام سناتے ہیں اس میں آواز بھی ہوتی ہے اور الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ لا مکاں پہ چلے جاتے ہیں یہ خیالات افریقیہ کی وحشی اقوام کے لئے زیادہ موزوں ہیں اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ جو وجہ ہے کہ یورپ میں عیسائیت مٹی جاتی ہے اور اس کا دروازہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ یورپ میں سوائے قومیت کے عیسائیت کا نام و نشان عنقریب ہی ست جائیگا۔

قرآن مجید اس شخص کی عقل میں نہیں آسکتا جس نے چشم بینا بند کر لی یا تعصب نے اس کی عقل کو بیکار کر دیا ہے قرآن میں خود یہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق جائے اور کسی قسم کا طغیان

ملنے کا مادہ کتنا موجود تھا۔ یہ ممکن ہے کہ آپ نے شرعیۃ غرّا اور امداد الٰہی کو اپنے آغاز اسلام
میں نہ پہنچایا ہو اور آپ کا اسلام لا تا مثل حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہ ہو

کر دیتا ہو جس قدر گہری نظر کرتے جاؤ گے نئے نئے مطالب حل ہوتے جائیں گے اور وہ وہ باریکیاں نکلیں گی جو دیدہ ہوں نہ شنیدہ۔ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص شخص پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اس سے اچھی بات بھی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے نہیں ہو سکتا غیر طرفدارانہ طور پر توریت اور انجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو تو ایک عظیم فرق پاؤ گے توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرۃ ملیں گی جنہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائیں گی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جنہیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس نے منہ کی کھائی اور سخت خفت اٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے ادق مضمون تھے مگر قرآن مجید نے ایسے حل کئے کہ ایک حکیم سے لگا کے بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے پڑھنے والے اگر پیچیدگی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو ان کی عقل کا قصور ہے اس کی بالکل یہی مثال ہے +

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ؎ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہاں تک تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی۔ اب ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے یہ بحث ہمارے علمائے کرام کی بہت دلچسپ ہے مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پرستی کرتا ہو اور اس کے ذہنی اور دینی عقل کا دارومدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوئی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بھی کام لینا جانتا ہے وہ ہماری بحث سمجھے گا بھی اس سے لطف بھی اٹھائے گا اور ممکن ہے کہ اسے کچھ فائدہ بھی ہو چنانچہ وہ بحث یہ ہے +

لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب آپ جوان ہوئے یا سن شعور کو پہنچے تو آپ نے شریعت کے راز دل کا پورا پتہ لگا لیا تھا۔ اور آپ نہ صرف حافظ قرآن مجید تھے بلکہ مطالب خداوندی پر

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو یعنی قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنی حدیث قدسی یا سنت ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی آمیزش سے خالی نہ ہوتا تھا اور جو کچھ آپ کے دل میں القا ہوتا تھا اسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہ ہوں۔ چونکہ ان احادیث کا طرز کلام خدا کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لئے جدا جدا نام ٹھیرا دیئے ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنی سنت اور حدیث قدسی کہا۔ یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس دم بھر آپ سے جدا نہ ہوتی تھی اور ہر وقت آپکی زبان سے بولتی تھی غرض جو کلام آپ فرماتے تھے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بھی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چسپاں ہی نہیں ہوتے اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں ہے بلکہ علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگرچہ مطالب کچھ نہ کچھ ہوتا ممکن ہے چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ حضور انور کے تمام زندگی میں جتنی باتیں کہیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے وہ سب اسی شان اور اسی عظمت کے تھے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کا کامل غلبہ اسی وقت ہوتا تھا۔ جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کر لو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اسکی قلم سے نکلتے ہیں دوسرے وہ الفاظ ہیں جو اسکی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب و شان میں بہت بڑا فرق ہوگا

پورا عبور رکھتے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض صحبت اور طہر دلی محبت۔ اور سالہا ہی حضرت

کبھی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اس تقریر سے مطابق ہو جائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی خواہ کچھ ہمیں بولنے کی مشق ہو پھر بھی بہت فرق ہوگا۔ یہ مثال اگرچہ بہت ادنیٰ مثال ہے مگر پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالت مآب تک یکساں رہا یا کچھ بدلا گیا۔ قرآن مجید سے تو صریح طور پر یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ نرالا تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدل گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ لیکن اب اسے بالتفصیل لکھتے ہیں انبیاء پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ دراصل اس القا کا (جو خدا کی طرف سے روح القدس کے ذریعے سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی) مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ روح القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہ ہوتی تھی۔ تورات اور انجیل میں خدا کو خدا کو متکلم کہیں نہیں بنایا گیا ہے مگر قرآن مجید میں خدا ہر جگہ متکلم بنایا گیا ہے بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ کے اندھے اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ درحقیقت کلام خدا ہی ہے۔ یہ اعتراض اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی کیونکر القا ہوتی تھی اس لئے کہ تورات اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں جس طرح مسلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح تورات انجیل کے قصص جمع ہوئے۔ پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع و تنقید اور تورات و انجیل کی جمع اور تنقید میں بہت بڑا بل ہے ہمارے ہاں اسماء الرجال گویا صحیح اور غیر صحیح جانچنے کی کسوٹی ہے مگر تورات و انجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اس وقت تک ایجاد نہیں ہوئی ہمیں یہاں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ جو کلام خدا فرماتے تھے اگر اسی وقت لکھ لیا جاتا تو ضرور اس پر غور کیا جاتا اور جب کلام خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اس میں کلام ربانی کی شان ہی کیونکر پائی جا سکتی ہے اس بحث کے بعد

فاطمۃ الزہرا کا آپ کے نکاح میں آنا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں جن سے آپ کا مبارک سینہ شریعت مصطفوی کے رازوں سے منقش ہو رہا تھا۔ آپ برگزیدہ خدا تھے اور ان پاک نفوس

کہتے ہیں جو کچھ علماء نصاریٰ کا خیال ہے وہ صحیح ہے جیسا کہ ہو سو برادر لیا خان صاحب لکھتے ہیں روح القدس نے جس کی تعلیم اور مدد سے انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے ان کے لئے کوئی زبان نہیں ٹھہرا دی تھی بلکہ اس نے ان کے دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچا لیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ اور عبارت میں اسکو ادا کرے اور جیسے ہم ان پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کیموافق ان کی کتابوں میں تفرقہ پاتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے عالم ہوگا متی لوقا پال اور یوحنا کے محاورہ میں فرق پائیگا۔ اگر روح القدس حواریوں کو الفاظ بتا دیتی تو یہ بات ہرگز نہ ہوتی۔ بلکہ اس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر کتاب کا محاورہ علیحدہ ہوتا۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے ایک تو کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا دوسرے یہ بھی ہدایت کر دی کہ اپنے محاورہ کے موافق اسے بیان کرتا سکے یہ معنی ہیں کہ اگر روح القدس جانتی ہی جب ہی صدی ڈیڑھ صدی کی گزشتہ باتوں کا حواریوں اور انجیل نویسوں میں القا نہیں کر سکتی تھی۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہو گیا کہ بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ دیا انبیا علیہ السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی۔ یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مانیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ والہ وسلم کا مرتبہ اور انبیا سے بہت اعلیٰ ہے کہ روح القدس کلام خدا آپ میں القا بھی کرتی تھی اور اسکی عبارت بھی بتا دیتی تھی اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو پادری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قائم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم کرلیں کہ سوائے محمد عربی صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے انہیں الفاظ اور عبارت نہیں بتلائی جاتی تھی اور پھر آخر میں طریقہ بدل دیا گیا تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب خدا کی حجت پوری ہوئی بعد اس کے دیکھ لیا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہ دیکھے تھے بہت کچھ اس میں تبدیلیاں پیدا کردیں اور جس نے کچھ چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اس اثنا میں سلسلہ نبوت برابر جاری تھا اور ناظر

ہیں آپ کا شمار ہے۔ جنہیں خداوند تعالے نے اپنے کام کے لیے چن لیا ہو۔ معرفت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے اور آج اسلامی دنیا بڑی تعظیم سے آپ کا نام لیتی ہے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا

نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا اس لئے یہ حکمت تھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سان وگمان بھی نہ رہے سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے الفاظ میں ڈھلنے اور نئے نئے محاوروں میں لکھے لازمی ہے۔ تو پھر اور کسی نبی کے آنیکی ضرورت دائمی ہوتی تاکہ وہ بتاتے کہ کلام خدا میں یہ یہ تحریف ہوئی تھی اور جب خدا کو سلسلہ نبوت ہمارے معصوم و برحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمہ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونیکی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی۔ اور ہر ہر لفظ پر مہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور اس کی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا۔ جو آسمان پر ستاروں میں الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراض کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظہ کیا اور لفظ بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سنایا اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اس وحی کو کہتے ہیں۔ جس کے الفاظ بھی خدا سے ہی ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے ادنیٰ ہے اسی بنا پر مسلمان فخر انبیا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں ؛

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القائے وحی کی تبدیلی یہ تکذیب نبوت پر صریح دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کو خلاف عادت کیا ضرور تھا جیسا کہ عیسائیوں کا دینی ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے مر کے زندہ ہوئے اور پھر مع جسم آسمان پر اٹھائے گئے اس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو ضرورت کیا تھی اب جو جواب پادری صاحب اس کا دینگے وہی جواب مسلمان طریقہ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیدیں گے ؛

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظرین کی تسکین کے لئے کافی ہو گی

گروہ خود بجلہ اور مسقط میں آباد ہے اور جس کو خوارج کہتے ہیں آپ کو اچھا نہیں سمجھتا لیکن یہ اچھا نہ سمجھنا آپ کی اسنعدادِ عالی شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد زید بن حارث ایمان لایا اور یہ وہی زید ہے کہ وہ غلام تھا۔ جس کی بابت پچھلے صفحوں میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ زید کا ایمان لانا ہی حضور انور کی صداقت نبوت کی روشن دلیل ہے کیونکہ زید مدت سے حضور انور کی خدمت میں رہتا تھا اور خود پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس نے مذہب نصاریٰ سے پوری واقفیت تھی اور وہ انجیل و توریت کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ ایسے شخص کا ایمان لے آنا جو اندرونی معاشرت سے واقف بھی ہو۔ اور زمانہ کے مطابق پڑھا لکھا بھی ہو صدق دل سے بہت بڑی بات ہے جتنے بڑے بڑے پیغمبر یا مصلحان قوم ہوئے ان کے گھر والوں نے کبھی ان کی متابعت نہیں کی۔ مگر حضور انور کی ذات اطہر اقدس کے ساتھ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ آپ پر آپ کے گھر والے جن میں آپ رہا کرتے تھے ایمان لے آئے۔

اس روحانی فلسفہ کو جہاں تک نظر غور سے دیکھا جائیگا شریعت الٰہی کے سربستہ راز کھلتے چلے جائیں گے اور ایک متجسس نظر کے آگے روحانی بزرگیوں کا انبار جمع کر دیں گے تعصب کا تو کچھ ٹھکانا نہیں جو حق و ناحق میں تمیز ہی نہیں کرنے دیتا لیکن انصاف ہمیشہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر کے دکھا دیتا ہے۔

عبید بن حارث کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایمان لانا

وہ اس تمام بحث کو بطور ثمرہ کے سمجھ جائیگا کہ ہمارے نبی معصوم و برحق خود مجسم وحی تھے آپ کے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح القدس کے ذریعے سے ابلتے تھے آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے بلکہ روح القدس بولتی تھی۔ آپ در اصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح القدس کلام کرتی تھی۔ قرآن مجید خود اس امر کی شہادت ہے اس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر دنیا کے کل مذاہب سے کنارہ کر لو اور بغیر طرفدارانہ قرآن پر غور کرو تو تمہیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائے دیگا یہ کتاب جیسی پر اثر ہے ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کے ایک ایک جز میں ایک روح ہے جسکی قوت تیرہ سو برس سے جوں کی توں باقی ہے زمانے بدل گئے۔ مگر [illegible]

ہوتا ہے اور ہم اسی لئے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر ایمان لاتے۔ آپ خود سردار تھے۔ اور ایک امتیاز یہ وجاہت آپ کو حاصل تھی۔ بالغ نظر تھے۔ اور تجربہ کار ایک ہی شہر کی گلیوں میں آپ اپنے ہادی برحق کے ساتھ مدتوں پھرے اور بڑے ہوئے آپ سلسلہ آسمانی کو سمجھتے تھے اور آپ واقف تھے کہ نبی کس کو کہتے ہیں اور خداوند تعالےٰ سے اس کے کیا تعلقات ہوتے ہیں قوم کی حالت سے آپ بخوبی واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ اس وقت ربانی مصلح کے ظہور کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ صفت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی اور پھر آپ نے بلاخوف و ترس علی الاعلان آپ کی نبوت کی صداقت کی اور خاندانی تمدن معاشرت اور مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔

ان چاروں پاک نفوس کے ایمان لانے کے متعلق محققوں نے خوب پسندیدہ تقسیم کی ہے اور وہ یہ ہے یعنے اول جس شخص نے حضرت سید ابرار کا اقرار کیا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور سب سے پہلے جس شخص نے حضور انور سے شیفتگی ظاہر کی وہ زید بن حارث تھا۔ اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اب رہیں حضرت بی بی خدیجہ اُن کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے جب یہ چاروں پاک نفوس ایمان لاچکے۔ تو ان کے انفاس متبرکہ کے فیض سے

بدل گئے مگر اس کے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہ قایم ہیں اور کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ ذرا بھی سر او بی سے اس کی طرف دیکھے جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب اُن کے قول کے مقابلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے تو پھر ان میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا اور وہ اپنی سلامتی خاموشی میں دیکھتے ہیں ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت کر رہی ہے۔ اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بوسیدہ دکھائی دیگی اور ہر جگہ طوائف الملوکی یعنے مذہب سے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی اور جب ادھر ادھر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن کی حکومت میں ویسا ہی دم خم حضرت عثمان بن عفان

زبیر بن العوام ۔ طلحہ بن عبد اللہ ۔ سعد بن ابی وقاص ۔ اور عبد الرحمن بن عوف جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ختمی پناہ کی مجلس میں آ کے کلمہ طیبہ پڑھا ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے ایک مشابہت سرداران قریش کے خون میں پیدا کر دی اور سب کے دلوں میں گدگدی سی پیدا ہونے لگی۔ کہ جب ابوبکر جیسا سردار بطیب خاطر ایمان لے آیا ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اصول اسلام کو انصاف سے غور نہ کریں چنانچہ بہت سے بڑے سرداروں نے صدیق اکبر کے مسلمان ہوتے ہی جانچنا شروع کیا ۔ اور سب سے پہلے ان غور کرنے والوں میں ابو عبیدہ جراح اور ابو سلمہ مخزومی ۔ عثمان بن مظعون ۔ ارقم بن ابالارقم سید الثقلین کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کے مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد عما بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ ۔ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب ۔ سعد بن نفیل ابن ام عمرو و بلال وصہیب ۔ خباب بن ارت ۔ عبد اللہ مسعود الہذلی ۔ عامر بن فہیرہ ۔ قیس بن حذافہ ۔ خالد بن سعید العاص ۔ عباس بن ربیعہ ۔ عبد اللہ بن جحش الاسدی ۔ غرض اسی طرح صدہا اور ہزارہا مرد اور عورتیں یکے بعد دیگرے ایمان لے آئے ۔ اور دین اسلام قبول کرنے والوں کا ہجوم اس قدر ہوا کہ آسمان سے یہ ندا آئی ۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی
دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا

باقی ہے اور جو رعب اس کا ایک غریب شخص پر ہے ۔ وہی شہنشاہ بحر و بر پر ہے ۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح ۔ حرارت اور قوت پائی جاتی ہے اور اس کا سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور انجیل وحی غیر متلو یعنی اس کے الفاظ بھی روح القدس کے الفاظ ہیں ۔ انجیل کے الفاظ روح القدس کے الفاظ نہیں ہیں ۔

اے انبیا کے بیچ جس تیری شان برتر و اعلیٰ ہے ۔ تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے اب بھی روح القدس اس میں اسی زندہ حالت سے موجود ہے ۔ اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی ہے ۔

یعنے جب اللہ کی مدد آگئی اور لوگوں کو تم نے دیکھ لیا کہ وہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوئے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿

یہ کامیابی جس میں زندگی تھی۔ اپنا ثانی نہیں رکھتی اور بھی پیغمبروں کے کارنامے ہمارے آگے موجود ہیں۔ لیکن مقابلہ کے بعد ہماری زبان سے یہی نکلتا ہے "چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک"

حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوۃ۔ تلقین۔ وعظ پند اور آپ پر ایمان لانے کی کیفیت ہم انجیلوں میں پڑھ چکے ہیں۔ اس بے باپ معصوم بچہ پر اصل میں تو ایک شخص بھی ایمان نہ لایا تھا اور جن کا ایمان لانا بیان کیا جاتا ہے وہ نفس الامر اس کے باپ کے بچہ کے دشمن تھے کیونکہ انہوں نے اس بے پدر نوجوان کو ایسا دق کیا تھا۔ کہ آخر بیچارہ گالیاں دینے اور کوسنے لگا۔ تھا۔ یہ سب لوگ ذلیل اور ذلیل پیشہ والے ہی تھے اور آخر چند پیسوں پر انہوں نے روتا ہی نوجوان کو بہلا پھسلا کر صلیب پر چڑھوا دیا۔ کوڑے لگوائے۔ لعنت کرائی۔ منہ پر تھکوایا۔ اور کانٹوں کا تاج سر پر رکھوا کے ادھر ادھر چلتے بنے۔ الغرض تمام سلامت بیچارے مسیح ایک ہی نوجوان تھے۔ اور نہیں زمانہ کا تجربہ نہ تھا کہ وہ ماہی گیروں کی توجہ میں آگئے ورنہ اور نہیں حادثہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ جس کی کرب میں نہایت دردناک لہجہ کے ساتھ انہوں نے یہ دعا کی

اے ہادی برحق تو اب بھی ہم میں وعظ فرماتا معلوم ہوتا ہے جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے تو تیری موجودگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھنچ جاتا ہے۔ یہ تو ہے جس کا یہ اثر کچھ اور کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسی میں سب کو جکڑ رکھا ہے۔

اے قریشی نبی تیری ہی کتاب کی رہنمائی سے تجھے پا سکتے ہیں اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اختلاف نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیری اور تیری کتاب کا رہے اسی نبی ہر قدم پر ہی ترنم کرتا ہے تیری۔ ان کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت جتنم نہ ان میں ہزاروں اختلافات کو مٹا دی کیوں اس ہو رہے لغزش کا یہ پیغمبر کی اور تیری کتاب شرح الصدر کی بہ بیعت حضرت کی

تھی کہ اگر ہو سکے تو تھوڑی دیر کے لئے مجھ سے یہ پیالہ جدا کر لیا جائے۔

کون سنتا ہے فغان درویش ؛ قہر درویش بجان درویش

بہتیرا چیخے اور پکارے اور شور مچا دیا "ایلی ایلی لما سبقتانی" اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ مگر یہودیوں نے ایک نہ سنی اور دونوں ہاتھوں میں کیلیں ٹھونک کے صلیب پر لٹکا دیا۔ پھر وہاں سے وہ آسمان پر چلے گئے تو اور کوئی انہیں قبر میں رکھے جانے کے بعد چرا کے لے گیا تو اس سے ہمیں کچھ بحث نہیں۔

مسیحی یورپی مورخ جب اسلام کے خلاف ان کی طبائع میں جوش اٹھتا ہے تو فخر دو جہان حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقدس جناب شان میں جو چاہتے ہیں درشت سے درشت الفاظ استعمال کرنے میں باک نہیں کرتے۔ مگر اپنے بے باپ کے خداوند حضرت مسیح کی طرف سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لیتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے جس بھونڈے طرز سے حضور سرور عالم پر حملے کئے جاتے ہیں۔ کیا ہم حملہ کرنے والوں کے پیشواؤں کی نسبت ان سے زیادہ سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتے۔ مگر ہم ایسی باتوں کو منافی شان سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو ایسے کمزور اخلاق کے مصنف ہیں ان سے ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اور ان کے حق میں دعا کرنی چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ انہیں اس لاعلاج مرض سے نجات اور ان کے دلوں میں انصاف پیدا کرے اور انہیں چشم بینا بخشے وہ بھلے برے میں تمیز کر سکیں۔

آٹھواں باب

اول بیعت کرنے والے اصحاب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ فلاں فلاں صحابہ نے سب سے پہلے بیعت کی لیکن اس باب میں ہم ہر صحابی کی بیعت پر پوری تفصیل سے بحث کریں گے۔ ہشامی صفحہ ۶۳ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں "خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی ایمان لائیں اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ اس سے رسول کریم کو بہت سبکدوشی ہو گئی کیونکہ منکرین کے انکار اور لوگوں کی مخالفت سے جب حضور تنگ

مغموم ہوتے تھے تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ آپ کو تسکین دے کے آپ کی ہمت بلند ہوا کی تھیں اور آپ کی نبوت کا اعتراف کرتی تھیں ٭

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت رسالت پناہ نے بی بی خدیجہ کو یہ خوشخبری دی تھی کہ تم جنت میں جاؤ گی۔ جہاں ایک محل موتیوں کا ہوگا۔ جہاں محنت و مشقت کچھ نہیں ہوگی۔ بعض مسیحی مورخوں نے اس روایت کو طعن سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا درج کرنا عبث ہے جب کہ حضرت مسیح نے جنت میں اپنے دوستوں کو دائیں ہاتھ کی طرف بٹھا کے انگور کا شربت پلانے کی بشارت دی ہو اور دیدوں میں اُن کے آنسو پونچھے ہیں۔ پھر ایسا ایک اعتراض کرنے یا طعن کرنے سے کیا فائدہ ہے آپ کا آنحضرت پر ایمان لانا عجیب و غریب راز ہے سامنے کتاب کے ایمان لانا دوسری بات ہو۔ لیکن ایمان لانے کے بعد نبوت کے کاموں میں مدد کرنا یہ دوسری بات ہے۔ آپ کی زیرکی۔ ہوشیاری۔ روشن ضمیری اور قابلیت نے اس بات کو ثابت کر دیا۔ کہ لائق اور ہمدرد بی بی سے شوہر کو کس قدر مدد ملتی ہے اور ایسی حالت میں جب کہ کوئی بھی آپ کا غمگسار نہ تھا حضرت بی بی خدیجہ کی ڈھارس نے کس قدر سہارا دے رکھا تھا ٭

اس زمانہ میں جب کہ تمدن کی مختلف ممالک میں گرم بازاری ہو رہی تھی اور سلطنت مشرقی روم الکبریٰ اور ایران میں تمدن نے قول ہار دیا تھا۔ ایک خاتون بھی ایسی نہ تھی جو اس تاریک خطہ میں پیدا ہو گئی اور جس کو اسلام نے فخر خواتین عالم بنا دیا۔ زن و شوہر کے عجیب و غریب تعلقات کا پتہ حضرت بی بی خدیجہ کے برتاؤ سے ملتا ہے آپ نے حضور انور سے نیک برتاؤ کر کے بتا دیا بیبیوں کو اپنے شوہروں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے قریشیوں کی سنگین مخالفت میں اس خاتون نے اعلم کا سینہ سپر ہونا اور مخالفین کے طعن و تشنیع پر پروا نہ کرنے کی ہدایت کرتی اور اپنے کام پر مستقل رہنے کی ہمت دیتی اور اپنا کل مال و متاع محض اپنے معصوم شوہر کی راحت و آسائش پر قربان کر دینے پر آمادہ رہنا یہ معمولی باتیں نہیں ہیں جن پر توجہ ہی نہ کی جائے۔ یہ راز واقعی سمجھ میں تو نہیں آتا۔ لیکن اس راز کے برابر تحقیق کی جائے تو بہت سے فائدے ہو سکتے ہیں اور دنیا کی بیبیوں کو نیک برتاؤ کرنے کا علم ہو سکتا ہے ٭

زید بن حارثؓ

زید اس وقت بالکل آزاد تھا اور حضور انور کو زید سے ایسی محبت تھی کہ آپ اپنا بیٹا کہہ کے پکارا کرتے تھے اگرچہ زید حضور انور کے خاندان کا کوئی رکن نہ تھا۔ لیکن جو تعلق الفت قائم ہو چکا تھا۔ وہ شکل کنبہ والوں کے تھا۔ ہشامی نے اپنی کتاب صفحہ ۶۲ میں تحریر کیا ہے کہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد زید جو حضرت رسالت پناہی پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ ایمان لے آیا اور اس کو حضور انور کی صداقت نبوت کی ایک زبردست شہادت سمجھنا چاہیئے ۔

حضرت علی ابن ابی طالب

اس وقت حضرت علی کی عمر ۱۳ یا ۱۴ برس کی ہو گئی تھی اور جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں آپ میں خداداد ذہانت اور روشن ضمیری قابل تعریف تھی اور اسی ذہانت اور زیرکی نے آج تک روئے سب مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی عزت قائم کر رکھی ہے۔ اگرچہ آپ میں غیر معمولی جرأت اور شجاعت تھی لیکن آپ میں خود اپنے جذبات پر قبضہ کرنیکی قوت بھی بڑی ہوئی تھی۔ ہم گزشتہ صفحات میں شاید ذکر کر چکے ہیں کہ محض اس تباہی کے وقت جب قحط میں حضرت ابو طالب پر آ گئی تھی۔ حضور انور نے اخراجات خانگی سے سبکدوش کرنے کے لیے ابو طالب سے حضرت علی کو لے لیا اور حضرت عباس کو جعفر کے سپرد کر دیا اور میں اپنے والد کے پاس رہا ۔

کہتے ہیں حضرت علی کی دس سال کی عمر تھی۔ جب آپ نے حضور انور اور حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت علی نے دریافت کیا کہ اے محمد یہ کیا کام تم کر رہے ہو۔ حضور انور نے جواب دیا کہ یہ دین ہے جو خدا کو پیارا ہے۔ اور میں تجھے اسی دین کی طرف بلاتا ہوں اور ایسے خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے اسی دن ایمان لے آیا۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے کہا کہ میں خود کوئی کام اپنے طور پر نہیں کر سکتا۔ جبتک ابو طالب سے دریافت نہ کر لوں۔ مگر حضور انور نے یہ پسند نہ کیا کہ ابھی دن یہ بات مشہور ہو جائے آپ نے ارشاد کیا ۔

"یا علی ان لم تسلم فاکتم علیٰ یکتسی تلک الیل فالقی فی قلبہ الاسلام

اسی طرح جب حضرت علی کے دل میں خود بخود خدا کی طرف سے اسلام کی محبت پیدا ہوئی تو اپنے

دوسرے روز حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کے یہ عرض کیا ہم اذا حضرت علی کہا حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بات کی گواہی دینی کہ خدا ایک ہے اور لات و عزیٰ سے نفرت کرنی اور ارتداد سے پرہیز کرنا۔ اس کے بعد حضرت علی نے اسلام قبول کر دیا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت مقدس نبوی پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی منگل کو مسلمان ہوئے اور اپنا حال اپنے والد ابو طالب سے پوشیدہ رکھتے تھے اور زمانہ شباب میں حضور پناہی کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے ؎

ایک دن ابو طالب کسی کام کو حضور انور کے پاس آئے دیکھا کہ وہ مکان پر نہیں ہیں پھر آپ اپنے مکان پر آئے۔ اپنی بیوی یا حضرت علی کی والدہ فاطمہ سے دریافت کیا تمہیں بھی کچھ معلوم ہے کہ علی کہاں چلا گیا۔ فاطمہ نے جواب دیا کہ آجکل وہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ بہت رہتا ہے ڈر یہ ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دے اور پھر ہمیں منہ دکھانے کو جگہ نہ رہے ابو طالب نے جواب دیا کہ میرا بچہ ایسے امور میں ضرور مجھ سے مشورہ لیگا اور بغیر میری مرضی کے کچھ نہیں کرنے کا۔ یہ کہہ کے ابو طالب پھر ڈھونڈھنے کے لئے باہر چلے آئے۔ ایک گھاٹی میں پہنچے تو دیکھا۔ حضرت رسالت پناہی عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور علی پاس کھڑے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں۔ جوں ہی ان کی نگاہ اپنے باپ پر پڑی خوف کے مارے گر پڑے ابو طالب پاس آئے اور حضور محمود جہاں سے استفسار کیا کہ یہ کیا دین ہے۔ حضرت ختمی پناہ نے ارشاد کیا کہ وہ دین ہے جو خداوند تعالے کو بہت پسند ہے اور اسی کے اظہار کے لئے پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا گیا اب میں اے چچا آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بطیب خاطر دین اسلام قبول کر لیں کہا ابو طالب نے کہا میرا نفس قبول نہیں کرتا کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دوں۔ اور کیش بت پرستی اور عبد المطلب کے مذہب سے دست بردار ہو جاؤں لیکن اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جو کام تم نے شروع کیا ہو اس پر قائم رہنا تاکہ میں مدت العمر تمہاری مدد کنندہ ہوں اور کسی دشمن کا قابو تم پر نہ چلنے دوں اور دشمنوں کی شرارت سے تمہاری حفاظت کروں۔ جس مہم پر تم بھیجے گئے ہو خداوند تعالے اس کو پورا کرے یہ کہہ کے پھر اپنے صاحبزادے حضرت کی طرف نظر کر کے کہا اے علی تجھے کچھ خوف نہیں کہ تو نے اپنے چچا کے بیٹے کا دین قبول کر لیا خداوند تعالیٰ تم

یہ کہکے خوشی خوشی ابوطالب اپنے گھر چلے آئے اپنے شوہر کو دیکھتے ہی فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ نے دریافت کیا۔ کیون ڈہونے گئے تھے۔ علیؓ ملا ابوطالب نے کہاکہ تمہیں علی سے کچھ کام ہے فاطمہ والدہ علی نے جواب دیاکہ میری لونڈی نے دیکھاکہ فلان مقام پر محمدؐ کے ساتھ نماز پڑہ رہا تھا کیا تجھے گوارہ ہے کہ محمدؐ کے ساتھ رہ کے وہ بالکل برباد ہوجائے۔ ابوطالب نے جواب دیا تم خاموش رہو۔ اور علی سے دست بردار ہوجاؤ۔ واللہ کہ وہ حق پر ہے۔ اگر عبدالمطلب کے دین چھوڑنے پر میرا نفس نارضامندی ظاہر نہ کرتا تو میں قطعی مسلمان ہوجاتا +

ورقہ بن نوفل

اس فاضل کے متعلق ہمارے گزشتہ صفحون میں بحث ہوچکی ہے۔ یہ مسیحی فاضل حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا چچا تھا اور اسی نے حضور انور کی رسالت پر تصدیق کی تھی اور بیتابانہ یہ کہا تھا کہ کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہون کہ جب آپ کی قوم آپ پر ظلم کرے گی تو میں ضرور آپ کے سینہ سپر ہون مورخون کا اس پر اتفاق ہے کہ ورقہ تبلیغ رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اور اس وقت زندہ تھے بس آپ کی اسی قدر سرگزشت ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور انور کے نکاح سے پہلے آپکی وفات ہوگئی تھی وہ سخت غلطی پر ہیں +

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق کا قوم قریش کی دوسری شاخ سے تعلق تھا اور آپ اسی حصہ شہر میں رہتے تھے جس میں حضرت بی بی خدیجہ سکونت رکھتی تھیں۔ آپ حضور انور کے پہلے سے دوست تھے۔ اور جب شادی کے بعد حضور پیغمبر خدا بی بی خدیجہ کے پاس آکے رہے تو اور بھی اتحاد بڑھ گیا تھا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق کے ایمان لانے کے ایک سال بعد پیدا ہوئیں اور یہ عجیب نیک فال تھی کہ یہ خاتون اعظم جو اپنے بزرگ باپ کے اسلام لانے کے بعد پیدا ہوئی۔ ایک دن ام المومنین بنیگی +

حضرت ابوبکر صدیق بڑی نرم دل۔ فیاضی اور دولتمندی میں بہت مشہور تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے اور آپ کے مکان پر اکثر سرداران قریش کا مجمع رہتا تھا آپ کی تجارت خوب چلتی تھی جیساکہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت آپ کے پاس علاوہ سامان کے

چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ آپ کے کلام میں شیرینی اور معاشرت میں سادگی تھی۔ ابن حمدان نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ زید بن حارثہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ایکدن حضرت صدیق راستہ میں حضور انور سے ملے اور عرض کیا اے محمدؐ میں نے سنا ہے کہ آپ ہمارے معبودوں کی نفی کرتے ہیں اور ہمارے عقلاؔ کو نادان کہتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کی تحقیر کا فتوےٰ دیتے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اے ابا بکرؓ میں رسول خدا ہوں اور خداوند تعالےٰ کے احکام پہنچانیوالا ہوں میں تمہیں اس خالق کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور قادر و ذوالجلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ بات حق ہی اس نے چند ایک آیتیں قرآن مجید کی پڑھ کے سنائیں۔ یہ سنتے ہی حضرت صدیق ایمان لے آئے اور مستقصی میں قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ حضور انور نے حضرت صدیق کی نسبت یہ فرمایا۔ قال رسول اللہ علیہ وسلم ما عرضت الاسلام علے احد الا کانت لہٗ عندہ کبوۃ وتردد وتطرق الا ابا بکر فانہ لم یتعلم ای بان یتوقف فی قبول ایمانہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت صدیق مکارم اخلاق محاسن اعمال۔ پسندیدہ خصائل اور ستودہ صفات میں بہت مشہور معروف تھے۔ اور مہمانداری کے لوازم اور ضیافت کی شرائط میں تمام مکہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے تمام قریش آپ سے محبت کرتے تھے۔ اور اکثر آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور بڑے بڑے کاموں میں آپ کی صائب رائے لیتے اور اسپر کاربند ہوتے تھے۔ ہر شخص آپ کے ثاقب فکر سے استعانت چاہتا تھا۔ آپ باایں ہمہ فن انساب اور تاریخ میں بھی پوری لیاقت رکھتے تھے آپ کے اسلام لاتے ہی ایک غیر معمولی تحریک صناؔدید عرب اور اکابر قریش میں پیدا ہوگئی۔ آپ کی کوشش سے بعد ازاں بڑے بڑے قریشی سردار مسلمان ہوگئے اور آپ نے اسلام کی وہ خدمت کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ میں تمام انسانی زندگیاں روز ازل سے ودیعت ہوئی تھیں آپ کا فیصلہ نہایت دھیما اور باوقار ہوتا تھا۔ آپ جس وقت باتیں کرتے تھے تو یہ جی چاہتا تھا کہ آپ کی باتیں سنے جایئے۔ آپ کی صورت شکل پاکیزہ سادہ شریفانہ تھی تمام مکہ آپ کو انکھوں پر بٹھاتا تھا۔ اور بڑے بڑے سردار آپ کی تعظیم کرنا اپنا قومی شعار سمجھتے تھے آپ کا اسلام قبول کرنا تاریخ میں ایک بہ ضرور واقعہ شمار ہوا ہے آپ کے مسلمان ہوتے ہی بہتیرے آدمیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سب سے پہلے سعد ایمان لائے جو حضرت بی بی آمنہ

کے بھتیجے تھے۔ واقدی، ہشام اور طبری کے بیان کے مطابق حضرت سعد کا یہ قول ہے کہ جونہی میں نے یہ سنا کہ ابوبکر ایمان لے آئے ہیں میرا دل بھی اسلام کی طرف از خود رجوع ہو گیا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ ابوبکر جیسا فہیم و عقیل شخص بغیر سمجھے بوجھے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا ان کا ایمان لانا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اسلام حق ہے۔ سعد اس وقت سولہ یا سترہ برس کے تھے

زبیر بن العوام

ان کے بعد زبیر بن العوام نے اسلام قبول کیا۔ آپ بھی نوجوان تھے اور حضرت بی بی خدیجہ کے بھتیجے اور آپ کے والد خویلد کے پوتے تھے اور آپ حضرت رسالت پناہی کے دادا عبدالمطلب کے نواسے تھے آپ چونسٹھ یا اڑسٹھ برس کی عمر میں ۳۶ ہجری میں شہید ہوئے۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آپ پہلے گوشت بیچا کرتے تھے اور آپ کے والد غلہ کی تجارت کرتے تھے مگر بعض مورخ کہتے ہیں کہ آپ کپڑے سیا کرتے تھے ؛

طلحہ بن عبداللہ

اُن کے بعد مشہور و معروف طلحہ ایمان لائے۔ جو بعد ازاں ایک مشہور جنگ آور اسلام میں ثابت ہوئے آپ بھی قوم قریش سے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق کے رشتہ دار تھے۔ آپ جنگ جمل میں شہید ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۶۲ یا ۶۴ سال کی تھی۔ آپ کی اسلام قبول کرنے کے وقت ۱۵ یا ۱۶ سال کی تھی۔ واقدی نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے صدق و کذب کا وہ خود جواب دہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب طلحہ کاروان کے ساتھ ایک مقام پر پہنچے تو ایک راہب نے دریافت کیا کہ احمد مبعوث ہو گئے۔ طلحہ نے تعجب سے دریافت کیا کہ کون احمد اس نے کہا کہ عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے۔ طلحہ نے کہا مجھے اس کی خبر نہیں۔ راہب بولا کہ یہی مہینہ ان کے مبعوث ہونے کا ہے یہ سنتے ہی حضرت طلحہ کو تاب نہ رہی۔ آپ فوراً مکہ واپس آگئے یہاں آ کے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضور انور نے رسول خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور آپ نے تبلیغ اسلام شروع کر دی ہے حضرت ابوبکر بھی آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی اسلام قبول کرنے کا جوش آپ کے دل میں اٹھا آپ حضرت صدیق اکبر کے ساتھ حضرت رسالت پناہی کے حضور میں حاضر ہوئے اور بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ اس روایت پر فاضل مسیحی مورخ سر ولیم میور نے بہت کچھ ہنسی اڑائی

کی ہے اور اپنی حسب عادت ان واقعات پر اپنی رائے اور خیال سے بھی کام لیا ہے۔ آپ اپنی کتاب لائف صفحہ ۱۰۵ (جلد ۲) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے طلحہ نے بت پرستی کی برائی بعض راہبوں سے سنی ہوگی اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہم اس خیال اور رائے سے انکار کر کے اپنے فاضل مسیحی مورخ کو ناراض نہیں کرتے ایسا ہونا ان کے خیال کے مطابق بیشک ممکن ہے۔ مگر جب ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ عیسائیت اسلام کے لئے راستہ صاف کرتی رہی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔ پھر ہمیں اپنے فاضل دوست کی رائے مان لینے سے کوئی انکار نہیں ہے۔ جب تک کوئی شخص عیسائی نہیں ہوتا ہمیں اسکی طرف سے بالکل مایوسی رہتی ہے اور جہاں وہ عیسائی ہوا۔ بس ہمیں امید بندھ جاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مسلمان ہو جائے گا۔ کاش ایسے راہب عیسائیوں میں اب بھی پیدا ہو جائیں۔ جن کے وعظ و پند کا یہ اثر ہو کہ لوگ مسلمان ہونے لگیں تو پھر ہمیں اس سے زیادہ اور چاہیئے کیا

دوسرا پہلو سر ولیم میور کو جواب دینے کا یہ ہے کہ جب واقعات ماضیہ ایسے خیالات کی مطلق تائید نہیں کرتے تو فاضل مسیحی مورخ کو ایسے خیالات پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے +

تیسرا پہلو یہ ہے کہ جب راہب کے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ طلحہ کو بت پرستی سے نفرت ہو گئی تو انہیں طبع انسانی کے خیال سے اپنے ہی محسن کا مذہب جس نے بت پرستی سے نفرت دلائی تھی قبول کر لینا تھا۔ حالانکہ وہ انہوں نے نہیں کیا +

چوتھا پہلو یہ ہے کہ آیا علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اور صحابہ کو بھی بت پرستی کی برائی راہبوں ہی نے کی تھی۔ یا یہ خصوصیت طلحہ ہی کو حاصل تھی +

اصل بات یہ ہے کہ حضرت یوحنا کے وعظوں کا اثر حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر جو غیر معمولی ہوا تھا اور اسی اثر سے متاثر ہو کے آپ آسمانی بادشاہت کی منادی کرنے لگے تھے۔ ہمارا دوست سر ولیم میور بھی سمجھا ہے کہ اسی طرح حضرت ختمی پناہی کے صحابہ پر بھی اور معاذ اللہ خود حضرت رسول اکرم آپ پر بھی اسی قسم کے اثر ہوئے تھے۔ یہ واقعی ہمارے دوست کی خوش فہمی ہے جو وہ ایسی ایسی بیہودہ باتیں لکھ کے اپنی قابلیت کو بھی دھبہ لگاتے ہیں +

حضرت عثمان بن عفان

خلیفہ ہیں آپ کی دولتمندی اور سیر چشمی مشہور ہے۔ اگرچہ آپ خاندان بنی امیہ میں سے ہیں لیکن عبد المطلب حضور رسالت پناہی کے دادا کے نواسہ ہیں۔ یعنے ماں کی طرف سے آپ حضور رسالت پناہی کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس وقت حضرت عثمان کی عمر جب آپ نے اسلام قبول کیا ہے تیس یا چونتیس سال کی تھی۔ واقدی نے آپ کے اسلام لانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ایک دن آپ طلحہ اور زبیر کے ساتھ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبر خدا نے آپ کے آگے اصول اسلام بیان کئے اور چند آئتیں قرآن مجید کی پڑھ کے سنائیں چنانچہ آپ نے فوراً اسلام قبول کیا اور حضور رسالت پناہی کے زمرۂ صحابہ میں داخل ہوئے مسلمان ہونے کے بعد آپ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں شام گیا تھا۔ وہاں سے واپس آتے وقت ایک منزل پر ہم نے قیام کیا میں اپنی جائے قیام پر سو رہا تھا کہ اتنے میں ایک آواز آئی کہ اے سونے والے اٹھ۔ یقیناً احمد کا ظہور مکہ میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ آواز سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضرت عثمان کا ایمان لانا تھا کہ ان پر شدید مظالم توڑے جانے لگے۔ ان کے چچا الحکم امیہ کے پوتے نے ان کی مشکیں کس دیں اور کہا کیا تو نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کے نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جب تک تو جدید دین سے تائب نہ ہو جائیگا میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑنے کا۔ حضرت عثمان غنی نے فرمایا "خدا کی قسم میں اس مذہب کو نہیں چھوڑنے کا" جب الحکم نے دیکھا کہ بھتیجا اپنے عقیدہ میں ایسا مضبوط ہے تو ناچار ہو کے انہوں نے چھوڑ دیا (کتاب الواقدی صفحہ ۱۸۹)

آخر میں حضرت عثمان کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گئی تھی۔ کیونکہ رسول خدا کی صاحبزادی بی بی رقیہ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا تھا اور اُس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ اس وجہ سے آپ کو ابو عبد اللہ لوگ کہنے لگے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ چھ سال کی عمر میں کسی پرندے نے اس بچہ کی آنکھ کو ٹھونگ ڈالا۔ جس سے یہ بچہ بیمار ہوا اور سنہ ۴ ہجری نبوی میں عبد اللہ کا انتقال ہو گیا۔ خود حضرت عثمان سنہ ۳۵ ہجری میں ۸۲ یا ۹۰ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

عبد الرحمن

حضرت عثمان کے بعد عبد الرحمن ایمان لائے۔ آپ قبیلہ بنی زہرہ میں سے تھے اور آپ کے والد کا نام عوف تھا۔ آپ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے۔ اور آپ بھی مثل حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے دولتمند تاجر تھے۔ چونکہ ان سب کا پیشہ ایک تھا۔ اس لئے باہمی موانست آپس میں خوب تھی۔ مگر سب وجیہہ۔ عالم اور معاملہ فہم تھے اس لئے خیال نہیں ہوسکتا۔ کہ ناسمجھی سے کوئی بات کی گئی ہو۔ جیسا حضرت مسیح کے معتقد مچھوؤں نے اندھا دھند اپنا فرضی عقید حضرت بے باپ کے فرزند پر ظاہر کردیا تھا۔

جب حضرت عبد الرحمن مسلمان ہو چکے۔ تو آپ اپنے ساتھ چار اور آدمیوں کو بھی مشرف باسلام کرانے حضور ختمی پناہی کے پاس لے گئے۔ ان میں سے ایک عبیدہ حضور انور کا چچازاد بھائی حارث کا بیٹا ابوسلمہ ابوعبیدہ پسر الجرح۔ عثمان پسر مظعون۔ آخر الذکر نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مسلمان ہونے سے کچھ عرصہ پہلے شراب چھوڑ دی تھی۔ برکتوں کی شعاعیں پہلے سے نور افگن تھیں۔ نہ صرف عثمان پر بلکہ کل خاندان پر۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

جن بردوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ کی رقمیں دیدیکے چھڑوایا تھا۔ ان میں سب سے پہلے غلام حضرت بلال ہیں جو ایک حبشی لونڈی کے بطن سے ہیں۔ آپ کی شکل حبشیوں کی سی تھی۔ گھونگروالے بال۔ لمبا قد۔ زبردست ہاتھ پیر۔ سیاہ رنگت۔ اور حبشیوں کے سے خال وخط تھے۔ حضور انور نے اس غلام پر شفقت کی۔ خداوند تعالےٰ کی برکت نازل ہوئی اور پھر یہ غلام بجائے بلال کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہلانے لگا۔ اور آج کروڑوں مسلمان آپ کو بہت تعظیم سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اسلام میں پہلے موذن سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فدیہ دیکے اس کے ظالم آقا سے بلال کو رہائی دلوائی تھی اور اپنے گلہ چرانے کے لئے رکھ لیا تھا

عبد اللہ ابن مسعود

آپ حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ کے

غلام تھے۔ آپ کا قد چھوٹا تھا لیکن آپ وجاہت میں زیادہ بھاری بھرکم تھے۔ آپ اکثر اوقات مدینہ منورہ میں حضور انور کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپ مثل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلہ تمیم میں سے تھے آپ اسقدر ہکلاتے تھے کہ بعض نے آپ کو بونا لکھا ہے۔ ان کے بعد اور بہت سے غلام مشرف باسلام ہوئے۔ اسپرنگر ایک یورپی مورخ لکھتا ہے کہ مکہ کے غلاموں میں مسلمان ہونیکا اسقدر جوش پھیلا کہ ناچار عبداللہ ابن جدعان نے جس کے پاس سو غلام تھے۔ مکہ سے دور کے فاصلہ پر کل غلام روانہ کر دیئے۔ مبادا یہ سب مسلمان نہ ہو جائیں۔ سنا ہے کہ ان غلاموں نے کوشش کی کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور اس کوشش میں دو غلام بھی شہید ہو گئے۔ مگر تحقیق سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کون کون غلام شہید ہوا تھا۔

بیس آدمی سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے مگر کتاب الواقدی میں ان کی تعداد تینتیس بیان کی گئی ہے یعنے واقدی نے تیرہ اور زیادہ کئے ہیں۔ ان تیرہ میں نوجوان سعد تھا جس کی ستر برس سے زیادہ عمر میں ۵۵ یا ۵۸ ہجری میں وفات ہو گئی۔ سعد کی بیوی فاطمہ اور اس کا بھائی زید بن خطاب یہ لوگ بھی ابتدائی مسلمانوں میں ان نئے مسلموں میں ابو حذیفہ پسر عتبہ کا شمار بھی کیا جاتا ہے جو ابو سفیان کا خسر تھا پھر ارقم مسلمان ہوا جس نے ایک نامور حصہ اسلام کی تاریخ میں لیا۔

ان کے علاوہ ان اصحاب کے بال بچے بھی ایمان لے آئے۔ جن سے مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی۔ جس کی فہرست ابن ہشام نے اپنی تاریخ (صفحہ ۱۶۲) میں دی ہے۔ فاطمہ زوجہ سعد۔ اسمہ اور عائشہ حضرت صدیق کی صاحبزادیاں۔ اسمہ زوجہ عیاش ابن ربیعہ۔ اسمہ زوجہ حضرت جعفر طیار فاطمہ زوجہ حاتب۔ رملہ زوجہ مطلب ابن اظہر۔ آمنہ زوجہ خالد ان کے علاوہ اور بھی خواتین نے اسلام قبول کیا۔ مگر اُن کا نام ابن ہشام سے رہ گیا ہے۔

اس زمانہ میں عورتیں بہت آزاد تھیں اور وہ مردوں کے ساتھ عامہ کاموں میں حصہ لیتی تھیں اُن کا قبول اسلام کچھ ان کے شوہروں اور بھائیوں کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ بطور خود سمجھ کے اور خیال کر کے مسلمان ہوتی تھیں۔ یہ اسلام کی صداقت تھی کہ جس وقت پھیلنے پر آیا دھوپ کی طرح بڑھتا چلا گیا۔ اور اب بھی اس کی رفتار اسی طرح تیزی کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

یہ بات ضرور دیکھنے کی ہے کہ سب سے پہلے گھر والے پھر سرداران قریش اور پھر وجیہ تاجر اور بڑی بڑی خواتین ایمان لائیں۔ کسی نبی کو یہ دن نصیب نہیں ہوا۔ دیکھنے اور پڑھنے سے تو یہ بات محض ایک معمولی معلوم ہوگی۔ لیکن غور کرنے سے ایک حیرت انگیز منظر آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ ہم نے تو ایسا تعجب خیز واقعہ دنیا کی تاریخ میں بھی نہیں دیکھا کہ ایک شخص دعوی کرے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ پر جبرئیل فرشتہ کی بات قرآن نازل ہوتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو یہ الفاظ ایسے محکمانہ ہیں کہ شاید ناواقف تو جھجک بھی جائے اور گردن جھکا دے مگر وہ بزرگ رشتہ دار جن کے سامنے آپ پیدا ہوئے اور جن کی آنکھوں کے آگے آپنے پرورش پائی۔ بچپن کا سارا زمانہ ان کی گودیوں میں کاٹا۔ ان کے سامنے بکریاں چرائیں۔ اور دودھ دوھیا۔ پھر کیوں اسکی خدمت میں وہی بزرگ دست بستہ حاضر ہوتے اور اپنے بچہ کے اتنے بڑے دعوے کی صداقت کی ؛

حضرت مسیح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ نبی اپنے شہر میں نبی نہیں کہلایا جاسکتا ہے قانون زمانہ کے مطابق تو صحیح ہے کہ اپنے شہر میں کچھ عزت نہیں ہوتی۔ ہندی مثل ہے ادگھر کی مرغی دال برابر۔ کوئی شخص ایسے شخص کی زیادہ وقعت نہیں کرتا جس کو وہ شب و روز ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور رہتے دیکھتا ہو۔ اردو کے بعض شعرا نے بھی یہی مضمون باندھا ہے ؛

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک ‏ لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشان چھوڑ کے

بلاشبہ حضرت مسیح بے باپ کے فرزند کے اس قول کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ کہ وطن میں کبھی کسی کی عزت نہیں ہوتی۔ ایمان لانا یا معتقد ہونا۔ اپنا تن من دھن حوالہ کردینا یہ تو بات ہی دوسری ہے۔ اس کا ذکر کسی تاریخ میں آج تک نہیں دیکھا ؛

اور پیغمبروں کو جانے دو۔ حضرت موسے اور حضرت عیسٰی کو لو۔ ان کے معتقدوں کی کیا حالت تھی اور ان بیچاروں پر اپنے معتقدوں کی وجہ سے کیا کیا مصائب ٹوٹتے تھے۔ حضرت مسیح کا تو ان کی زندگی میں ایک شخص نے بھی یقین نہیں کیا تھا۔ کل ذلیل اور شریف یا چھوٹے بڑے شاگرد اپنے نبی کو سنتاتے۔ اور شب و روز پریشان رکھتے تھے۔ اور یہ لوگ ننگ اور رسوائی

سوالات کرتے تھے کہ حضرت مسیح سخت غصہ ہو ہو کے آخر گالیان دینے لگتے تھے۔ مثلاً جیسا انہوں نے اکثر اپنا غیظ و غضب اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔ میں سچ کہتا ہون کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو تم اس پہاڑ سے کہتے کہ اپنی جگہ سے سرک جا وہ سرک جاتا۔ اگر تم ایماندار ہو تو سانپوں کو ہاتھ میں لینے کے بعد بھی وہ تمہیں نہ کاٹ سکیں گے۔ کہیں حضرت مسیح نے خفا ہو کے اپنے نیک ہونے سے بھی انکار کیا ہے جہان ایک شاگرد کو دھتکارا ہے کہ تو مجھے نیک کیون کہتا ہے۔ یہ ساری باتیں سخت مایوسی پر دلالت کرتی ہیں جب انسان زیادہ مایوس ہو جاتا ہے تو وہ جل جل کے اپنی سب باتوں سے انکار کر دیتا ہے۔

جو پیغمبر اولوالعزم کہلاتے ہیں اگر ان کے مریدون کی حالت دیکھی جائے تو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کبھی ماننے والون نے اُن کی جیسی کہ چاہیے تعظیم نہیں کی۔ نہ اُن کی باتوں کو کان لگا کے سنا گوسالہ پرستی کی جگر خراش داستانیں حضرت موسے کے زمانے کی اب تک کانون میں گونج رہی ہیں کہ حضرت موسے کی چند روزہ غیر موجودگی نے ان کی کیا نوبت کر دی تھی۔ خیر حضرت موسے کے قصّے تو بہت پرانے ہو گئے اور ان کے ماننے والے ایسے صفحہ ہستی سے مٹے کہ اب ان کا دھندلا سا اثر رہ گیا ہے۔ (مراد یہودیون سے ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے حالات کو فروغ دینے والا اب کوئی نہیں ہے۔ ہان قرآن مجید اور توراۃ میں ان کے قصّے موجود ہیں لیکن یہ قصّے ایمان کی بنیاد نہیں قرار دیئے گئے بلکہ قرآن مجید میں تو محض مسلمانوں کی عبرت کے لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے اب رہے حضرت مسیح یا بے باپ کے فرزند جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ بہت کچھ معروف و مشہور بنی ہیں اور دو ہزار برس سے ان کی ایک فرضی پرستش چلی آتی ہے۔

نصاریٰ کو ابتدا سے یہ سکھا دیا گیا ہے کہ صرف یسوع کہدینا نصرانیت کیلئے کافی ہے اور اسی سے ابدی نجات حاصل ہے۔ چنانچہ تمام مسیحی دنیا میں ابتدا ہی سے یہی کیفیت رہی نہ حضرت مسیح کے اقوال اور ہدایتوں کو کسی نے سنا اور نہ کسی صدی میں کسی زمانہ میں ایک یسوع کے نام لینے والے نے اسپر عمل کیا۔ زندگی میں اس بے باپ کے فرزند کی کچھ نہ چلی آسمان پر رخصت ہونیکے بعد بھی اس بے باپ کے فرزند کی اصلی توقیر میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی۔ کسی شخص کی اصلی تعظیم یہ ہے کہ اس کے احکام مانے جائیں۔ اور اسکی ہدایتوں پر عملدرآمد کیا جائے۔ اور جب کسی ایک کو بھی

کبھی نہ مانا جائے پھر بھلا کون کہہ سکتا ہر کہ اسکی اصلی تعظیم ہو رہی ہے یا فرضی۔

دنیا میں عیسائی مذہب کی طرح ایسا کوئی مذہب بھی نہ ہوگا جو اندر سے خالی خول ہو یا مثل سراب کے دور سے چمکتا ہو کہ جب قریب جاکے دیکھا تو دھوکا ہی دکھایا۔ ہمارے خیال میں کوئی فاضل عیسائی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ ایک شخص دو ہزار برس میں ایسا گزرا ہو جس نے حضرت مسیح کی ہدایت پر عمل کیا ہو کل پر نہ سہی تو نصف یا ربع حصہ ہی پر۔ جب حضرت مسیح کی توقیر کی یہ کیفیت ہو تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس مذہب سے زیادہ کوئی ہوائی اور فرضی مذہب ایسا نہ ہوگا جسکے بانی کا اعزاز سچے دل سے کسی نے نہ کیا ہو۔ اس کے مقابلہ میں فخر دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے صحابہ کو دیکھا جائے کہ جو لوگ پہلے مسلمان ہوئے تھے وہ سب ادنیٰ درجہ کے نہ تھے۔ سوائے چند غلاموں کے باقی کل سرداران قریش تھے اور مکہ میں ان کو وجیہہ مانا جاتا تھا دولتمند بھی تھے تجارت بھی کرتے تھے عالم اور صائب الرائے بھی تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں تھے جس کا بار بار ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ بات کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور یہ ساری بزرگیاں قدرت نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازل سے جمع کر رکھی تھیں۔ یقیناً آپ کے ہی شایان ہے: "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جود
السلام اے تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود

السلام اے آنکہ تاز جبہہ آدم تافت
نور پاکت کرد خبردار قدسیان را بسجود

السلام اے آنکہ زنگ ظلمت کفر نفاق
صیقل تیغ از تو آئینہ گیتی زدود

السلام اے آنکہ نامد در ہمہ کون و مکان
تیز بینان را بجز نور تو در چشم شہود

السلام اے آنکہ بہر فرش راحت یافتند
اہل آتش زر شب کردند تاراز زر بود

السلام اے آنکہ ابواب شفاعت روز حشر
جز کلید لطف تو بر خلق نتواند کشود

السلام اے آنکہ تا بودم درین محنت سرا
در سرم سودا کے درجانم تمنائے تو بود

صد سلامت میفرستم ہر دم اے فخر کرام
بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام
بر درت این بار با پشت دوتا آوردہ ام

چشم رحمت برکشا موئے سفید من نگر
گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

آن نمیگویم کہ بودم سالہا در راہ تو
ہستم آن گمراہ کہ اکنون رو براہ آوردہ ام

ہجر و بیخویشی و درویشی و دلریشی و درد
این ہمہ بر دعوے عشقت گواہ آوردہ ام

دیو رہ زن در کمین نفس و ہوا اعدائے دین
زین ہمہ با سایۂ لطفت پناہ آوردہ ام

گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخیم
کردہ گستاخی زبان عذر خواہ آوردہ ام

بستہ ام بر یکدگر نخلے ز خارستان طبع
سوئے فردوس برین مشتی گیاہ آوردہ ام

دولتم این بس کہ بعد از محنت رنج دراز
بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز

یا رسول اللہ نمیگویم کہ مہمان توام
یا فقیر طعمہ جوئے از ریزہ خوان توام

برلب افتادہ زبان گر گشتہ ام تشنہ جان
آرزومندی از بحر احسان توام

گر ندارم افسر شاہی بسر این بسکہ ہست
گردن تسلیم زیر طوق فرمان توام

مسند عزت نہم بر صدر ایوان قبول
گر نباید سنگ رہ از دست دربان توام

شد گلستان از خوئے رخسار تو خاک حجاز
من ببوئے گشتہ خرسند از گلستان توام

وارہان از گفتگوئے زاغ طبعانم کہ من
عندلیب مدح گو مرغ ثنا خوان توام

دفتر دارم سیاہ از معصیت بیچارہ من
گر شفاعت نامہ ناید ز دیوان توام

چون بود عذر شفاعت را حملے بس تیغ
آل و اصحاب ترا پیش تو می آرم شفیع

حق آنانی کہ عمرے در ہدایت بودہ اند
دین زمان در ساحت قرب تو خوش آسودہ اند

حق آنانے کہ راہی را کہ خود پیمودہ اند
پائے از سر ساختہ ایشان بیمان پیمودہ اند

حق آنانے کہ از راہ ضلالت خلق را
جز بصورت شارع شرع تو رہ ننمودہ اند

گر گدائے بے نوا جامی عنایت دستگیر
کش عنان دل ز کف نفس و ہوا بربودہ اند

از سحاب فیض لطف عام خود رشحی بریز
بر دل و جانش کہ از لوث گناہ آلودہ اند

کشت امیدش دہ زیں در کہ عمرے زین ہوس
مردمان چشم او خون جگر پالودہ اند

کن قبول اور طفیل آنکساں گرجستہ تو بجی ہم تن و ہم جان براہت سودہ آسودہ اند

باشد از یمن قبولت فارغ از خلد و جحیم
بر صراط سنت و شرع تو ماند مستقیم

پہلی جلد ختم ہوگئی

250·3

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

वर्ग संख्या.......................................

पुस्तक संख्या.......................................

क्रम संख्या..........२१६६.......................

Date of Receipt